

**TIGHT BINDING BOOK**

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224374**

UNIVERSAL  
LIBRARY



OUP—43—30-1-71—5 000

# OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 1915 d m. o

Accession No.

Author

Title Y-1 m p m d m

This book should be returned on or before the date last marked below.





ندوة المصنفين دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

# برہان

مرتبہ  
عتیق الرحمن بن عثماني

# مطبوعات ندوة المصنفین دہلی

۱۹۳۹ء

## اسلام میں غلامی کی حقیقت

مسئلہ غلامی پر یہی محققانہ کتاب جس میں غلامی کے ہر پہلو پر بحث کی گئی ہے اور اس مسئلہ میں اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت بڑی خوش سہولتی و تحقیق سے کی گئی ہے قیمت ۲۰/-

## تعمیمات اسلام اور مسیحی اقوام

اس کتاب میں مغربی تہذیب و تمدن کی خاص کمزوریوں اور شکستہ نظریوں کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی و روحانی

نظم کو بخوبی منصفانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے قیمت ۱۰/-

## سوشلزم کی بنیادی حقیقت

سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اس کی اہم قسموں پر مشتمل جو

جہیز میں رہ کر انسان کی تاحیہ نظریہ پر تھیں یہی مسئلہ اور میں

## اسلام کا اقتصاد کی نظام

ہماری زبان میں پہلی عظیم شان کتاب جس میں اسلام کے

مبانی کے وئے صورت و قوانین کی روشنی میں اس کی تشریح

کی گئی ہے کہ دیکھتے تو ہم اقتصاد کی نظاموں میں اسلام کا

نظم اقتصاد ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا

صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کی راہ پر لے کر ہر طبقہ انسانی میں

بیت سے اجتماع کے لئے لگے ہیں۔ ان اضافوں کے بعد کتاب

کی حیثیت کہیں کہیں پہنچ گئی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب مسئلہ

کے سبب میں بھی دی گئی ہے قیمت ۲۰/-

۱۹۳۰ء

## نبی عربی صلیم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی اتحاد کے بکوں کے

توسیع سے روکنا نجات صلیم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق و ثبوت

اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے قیمت ۲۰/-

## فہم قرآن

قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں اور قرآن پاک کا صحیح

معلوم کرنے کیلئے شیخ سعید علیہ السلام کے اقوال و افعال کا معلوم کرنا

کیوں ضروری ہے؟ ان دیش کی تدوین کر شرح اور کتب ہونی یہ

کتاب خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہے قیمت ۲۰/-

## غلامان اسلام

پچھتے زیادہ ان صحابہ تابعین تبع تابعین فقہاء و محدثین

اور باب کشف کلمات کے سوانح حیات اور کلمات فضائل

کے بیان پر یہی عظیم شان کتاب جس کے پڑھنے سے غلامان

اسلام کے حیرت انگیز شاندار کارناموں کا نقشہ آنکھوں

میں سما جاتا ہے قیمت ۲۰/-

## اخلاق و فلسفہ اخلاق

علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و

جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق و فلسفہ اخلاق اور

انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ

اسلام کے مجموعہ اخلاق کی فضیلت تمام ممالک کے مقابلہ

اخلاق کے مقابلہ میں واضح کی گئی ہے قیمت ۲۰/-

منہج ندوة المصنفین دہلی

# بُرْہَانُ

جلد سبست دوم شماره (۱)

جنوری ۱۹۴۹ء مطابق ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

فہرست مضامین

۲	۱۔ نظرات	سعید احمد
۵	۲۔ مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب	از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی
۳۱	۳۔ پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام	جناب مولانا زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی
۳۹	۴۔ نانا راز پیشوا	از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شبلی الہ آبادی
۵۲	۵۔ آمد نامہ	از جناب مکیم محمد بہاء الدین صاحب قلی
۶۱	۶۔ ادبیات	از جناب شفیق مدنی جوہپوری
۶۲	۷۔ تبصرے	۴-ج

# نَظَرَات

تھکے دوڑیں جے پور کے کانگریس سشن میں صدر کانگریس ڈاکٹر بی بی سیتا رامیہ نے جو خطبہ صدارت پڑھا اور پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل نے جو تقریریں کیں ان کی روداد پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی سردار پٹیل ایک نہایت مضبوط اور فولادی عزم دارادہ کے انسان ہیں انہوں نے ملک کی فرقہ پرور طاقتوں سے جنگ کر کے انہیں ختم کر دینے کا جو عزم ظاہر کیا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نائب وزیراعظم کو اس کا کافی احساس ہے کہ ملک کو باہر سے کسی طاقت کا اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا کہ ملک کی خود ان پارٹیوں سے ہے جو افتداری و طاقت حاصل کرنے کے لئے مذہب کو اڑ بنا رہی ہیں اور ”مذہب خطرہ میں ہے“ کا نعرہ لگا کر عوام سے ناامید حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

صدر کانگریس اور وزیراعظم ہند نے ہندوستان کی قومی زبان کی نسبت جو قابل قدر خیالات ظاہر کئے ہیں ان میں گاندھی جی کی اسپرٹ اور ان کے دل کی گرمی پورے طور پر نمایاں ہے محترم صدر کانگریس نے صاف صاف کہا کہ یو۔ پی نے اگر خالص ہندی کو اپنی زبان قرار دے دیا ہے تو وہ ایسا کرے لیکن بہر حال وہ پورے ملک کی قومی زبان نہیں ہو سکتی قومی زبان وہ ہی ہے جو مہاتما گاندھی کے بقول ہر طبقہ بولی اور سمجھی جاتی ہے جس میں ہم سب اپنے گھروں میں یہاں اور وہاں بات چیت کرتے ہیں جس کا نام ہندوستانی ہے اور جو فارسی آمیز اردو اور سنسکرت آمیز ہندی کے درمیان کی ایک چیز ہے پنڈت جی نے فرمایا کہ جو لوگ ہندی ہندی کی رٹ لگا رہے ہیں ان کے دماغ فرقہ پرستی کے زہر سے مسموم ہیں ”موقع آنے پر میں ان کو جواب دوں گا“

ہندو جی اودھ کا گوس نے جو کچھ فرمایا معلوم نہیں کہ اس کا اثر اکثریت پر کیا ہو گا اور ان کے ہنسہرے خیالات کوئی عملی جامہ بھی پہن سکیں گے یا نہیں۔ کیونکہ یہاں حوامی اور جمہوری حکومت قائم ہے جس کے آئین و قوانین اکثریت کی رائے کے مطابق بنے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ تاگزیر اسباب کے باعث اکثریت اس وقت عدل و انصاف اور دیانت و امانت کے مذہب سے کسی مسئلہ پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تاہم ہم کو اس کی خوشی ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس کی معقولیت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہی گاندھی جی نے بھی کہا اور صدر کانگرس اودھ پر اعظم ہند نے بھی اسی کا اعلان کیا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ گزشتہ دنوں بابو راجندر پرشاد کے جو چند مصنامین زبان کے مسئلہ پر ”ہندوستان ٹائمز“ میں شائع ہوئے ہیں انھیں بڑھ کر مباحثہ ظفر بادشاہ مرحوم کا ایک شعر یاد آگیا۔

بے سبب نو جو گردنا ہے ظفر سے ہر بار خوری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی  
کانگرس سیشن کی اس رد و داد سے جہاں خوشی ہوئی کھلے دنوں دستور ساز آجی  
میں پرسنل لاکی نسبت ممبر قانون ڈاکٹر امجد کرنے جو کچھ کہا اسے بڑھ کر بڑا افسوس ہوا  
حکومت کے دعوے اور دستور ہند کی بنیادی دفعہ کے مطابق یہاں کی حکومت سیکور گورنمنٹ  
ہے اور سیکولر کے معنی ہیں مذہب کے معاملہ میں غیر جانبدار ہونا اس بنا پر ہونا یہ چاہئے تھا  
کہ ہر مذہب کے لوگوں کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا عیسائی پرسنل لا کے معاملہ  
میں آزاد رکھا جاتا اور حکومت اس پر قید و بند لگانے کا کوئی حق اپنے لئے محفوظ نہ کرتی اگر  
اسی قسم کا رتا دروس میں ہوتا تو کسی کو اس پر حیرت اور افسوس کے ظاہر کرنے کا موقع نہ تھا  
لیکن جس حکومت کو گاندھی جی کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ ہے اس کے لئے مذہبی معاملات  
میں اس طرح دخل اندازی کا حق حاصل کرنا نہایت افسوس اور شرم کی بات ہے۔

گاندھی جی مذہبی معاملات میں آزادی کے کتنے قائل تھے! اس کا اندازہ اس سے  
ہو سکتا ہے کہ چھوت چھات کو وہ ایک بالکل غیر اتنی رسم یقین کرتے تھے انھوں نے اس

کے خلاف اخلاقی جنگ لڑی اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہو جانے کے بعد بھی انھوں نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا کہ جھوٹ بھات ایسی فیچر رسم کو قانونی جبر سے بند کر دیں کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ رسم اگرچہ معاشرتی اعتبار سے ایک غیر انسانی رسم ہے تاہم ایک طبقہ ہے جو اس رسم کو ایک مذہبی حکم سمجھتا ہے۔

یہ سمجھئے کہ دستور ساز اسمبلی کا یہ فیصلہ کسی فرقہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے کیونکہ اس کی زد میں کوئی ایک فرقہ ہی نہیں آتا بلکہ سب ہی آجاتے ہیں لیکن چونکہ اکثریت کی حکومت ہو اس بنا پر اس کو کبھی اس کا اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ حکومت اس حق کا استعمال کبھی ان کی مرضی کے خلاف کرے گی البتہ اقلیت کو اس سے بے اطمینانی اور تشویش پیدا ہو سکتی ہے اور وہ بالکل بجا بھی ہے۔

پھر اس کے علاوہ اس کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ہندو مذہب پرستند اور فاضل مسٹر اے تھومسن کے قول کے مطابق ہندو مذہب کی کوئی دینیات (Theology) نہیں ہے بلکہ وہ خواص کے لئے ایک فلسفہ ہے اور عوام کے لئے چند رسومات کا مجموعہ (Mythsology)۔

اس کے برخلاف اسلام ایک مکمل دین کا نام ہے جو ان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کے تمام مسائل و معاملات کے لئے الگ الگ اور مستقل احکام رکھتا ہے اس بنا پر پرسنلہ کے ختم کر دینے والے مسلمانوں کا اضطراب ایک قدرتی اور طبعی چیز ہے۔

ملک میں ایک مکمل یک جہتی اور کامل ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ اقلیتوں میں اعتماد پیدا کیا جائے اور ان کی دلداری کر کے ان کو اپنایا جائے نہ یہ کہ اس طرح کی اشتباہ ایجنز باتیں کر کے ان میں بددلی اور بدفرنگی کا احساس ابھارا جائے

# مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس مضمون پر کی حیثیت جواب کی نہیں بلکہ استفہامی علامت ہی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ لکھنے والا کچھ پوچھنا چاہتا ہے، گویا مفتی نہیں بلکہ اہل علم کے سامنے مستفتی بن کر حاضر ہو رہا ہے۔ دوسری بات اسی سلسلہ میں کہنے کی یہ ہے کہ میری بحث یا سوال کا دائرہ صرف دینی اسباب تک محدود ہے، دنیوی اسباب کا قصہ ان ہی لوگوں کے غور و فکر کے سپرد کرنا مناسب ہے جو دنیا اور اس کے معاملات کا تجربہ رکھتے ہیں اور یوں بھی یہ مسئلہ غالباً چندان غور بھی نہیں، بقول سعدیؒ جب ”مسکین خر“ اپنی ساری بد تمیزیوں کے باوجود بھی بارہمی برد کی ضرورت کو ثابت کر کے اشرف المخلوقات کے عزیزوں میں شریک ہو سکتا ہے تو انسانیت کی ایک ہی برادری والوں میں عزیز بن جانا اور عزت کی زندگی

لے مارا اشارہ گلستان کے مشہور مکتبی شعر کی طرف ہے یعنی سہ مسکین خر اگرچہ بے تمیز ست ہوں بارہمی برد عزیز ست : کمالات پیدا کر کے قوموں نے ہمیشہ اپنی قیمت ان لوگوں سے بہر حال وصول کی ہے جو کسی خاص مذہب کے تحت انسانی حقوق سے ان کو محروم کرنا چاہتے تھے بنی امیہ اور بنی عباس تک کے عہد میں عیسائیوں اور یہودیوں اور مجوسیوں نے ان ملکوتوں کو مجبور کیا کہ اپنی صحت اپنے مالیات اپنے زرعی کاروبار کو ان قوموں کے حوالہ کریں۔ تاریخ کے صفحات ان کی داستان سے معمور ہیں ۱۲



کا حاصل کر لینا ایک انسان کے لئے کیا دشوار ہو سکتا ہے؟ آخر جینے کے جس سے گدھے بھی واقف ہیں، اگر باوجود آدمی ہونے کے کسی قوم کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی تو اس کے لئے نہ تقریریں مفید ہو سکتی ہیں اور نہ تحریریں۔ ان کے لئے ع۔ خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر بھی جانتا ہے کہ اکبر مرحوم کے اسی مصرعہ کو دہرا کر جب ہو جائے۔ اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمُؤْتَىٰ وَلَا تَسْمَعُ مَنْ فِي الْقُبُورِ

ان پھوپھو لوں کو بھوڑ لینے کے بعد اب آیتاؤ سنئے پوچھنے والا کیا پوچھنا چاہتے ہیں ایک خالص دینی سوال ہے دین اور علم دین سے دل چسپی رکھنے والے میرے مخاطب ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ (عقاید باکلام کی کسی فرقہ داری کتاب میں نہیں، بلکہ وہی میں جیسا کہ سب جانتے ہیں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ

”نہ تمہاری آرزووں، اور نہ کتاب والوں کی آرزوؤں کا تابع بلکہ قدرت کا

فیصلہ ہے کہ جو بھی کرے گا کوئی بُرائی، بدلہ اُس کا، اسے دیا جائے گا“

یعنی سورۃ النساء کی آیت لَيْسَ بِأَمَانِكُمْ وَلَا أَمْوَالُكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ مِنْ تَعْمَلُ سُوءًا يَجْزِيْكُمْ كَمَا مَقَادُورٌ مَّا صَاحِبٌ

اسی کے بالمقابل قرآن ہی میں یہ بھی ہے کہ

”اور جو کرے کوئی بُرائی، یا اپنے آپ پر جو ظلم کرے، پھر بخشش اور مغفرت

چاہے اللہ سے، تو ہے گا اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان“

یعنی اسی سورۃ النساء کی دوسری آیت وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُدْرِكْهُ لَغْوُهُ لِنَفْسِهِ ثُمَّ لَيْسَ تَغْفِرَ اللَّهُ

يَجِدِ اللَّهُ عَفْوَكَ إِذْ جِئًا كَافِظًا نَزَمَہ ہے، اور ایسی آیتیں جن کا مفاد بھی یہی ہو جو اس

بت کا ہے قرآن کے متعدد مقامات پر جہاں کہ قرآن پڑھنے والے جانتے ہیں باقی  
باقی ہیں بلکہ اسی سورہ میں وہ مشہور آیت بھی ہے جس میں اس کلی قانون کا اظہار  
مایا گیا ہے کہ

”قَطْعًا اللَّهُ نَبَخْتِیْ گَا، اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک اور ساجھی

تھیرا جائے اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لئے چاہے گا“

یَا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ لَنْ یُّشْرَکَ بِهِ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ کا جو معنی اور مطلب  
دوباتیں ہوتیں۔ اب تیسری بات قرآن ہی کی یہ بھی ہے کہ

”میں نے دھوکا یا تم کو آگ سے جو بھڑک رہی ہے، نہ گھسے گا اس آگ

میں مگر جو سب سے زیادہ بد بخت ہے وہی جس نے ٹھٹھکیا، اور پیچھے پھیری“

یعنی سورۃ اللیل کی آیت نَا نَذَرُ لَمْ نَمُکَّرْ نَا رَا اَنْ لَّکُمْ ظٰی لَا یَصْلَہَا اِلَّا الَّذِیْ کَذَّبَ  
تَوٰتٰی کے واضح الفاظ سے صراحتاً جو بات سمجھ میں آتی ہے اب اسی کے ساتھ تشریح  
بخاری کی ان دونوں حدیثوں کو بھی تلائیے پہلی حدیث حضرت معاذ بن جبل صحابی  
یعنی اللہ تعالیٰ عنہ والی جس میں ہے کہ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے ایسا کوئی آدمی جو گواہی

دے اس بات کی کہ نہیں ہے اللہ (معبود) مگر اللہ ہی، اور یہ کہ قطعاً محمد صلی

اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں، دل کی سچائی کے ساتھ جس نے ان دونوں

باتوں کی گواہی دی اور اقرار کیا، تو نہیں ہے اس کے لئے کوئی صورت

بجز اس بات کے کہ حرام کر دے اللہ اس پر آگ کو یعنی جہنم کو“

یعنی مَا مِنْ اَحَدٍ یُّشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَدَقَ اَمِنْ قَلْبِہِ الْاٰمِنِ

اللہ علی الناس (متفق علیہ دیکھئے مشکوٰۃ مولوی محمد ادریس کاندھلوی دالی ص ۲۱ ج ۱) اور دوسری

ردایت عتبان بن مالک صحابی کی جس میں ہے کہ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطعاً اللہ نے آگ یعنی جہنم

پر حرام کر دیا اس کو جس نے لا الہ الا اللہ کہا اللہ کے چہرے کو اس کے ذریعہ

تلاش کرتا ہے“

یعنی إِنَّ اللہ حرم علی الناس من قال لا الہ الا اللہ یتبعی بذلک وجہ اللہ (ردواہ جمع الفوائد)

ظاہر ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مفہوم بھی وہی ہے جو سورہ والیل دالی آیت کا مفاد

ہے یعنی جہنم میں صرف وہی جائیں گے جنہوں نے اللہ کے رسول کے لئے ہوئے

پیغام کو جھٹلایا ہو، اور جھٹلا کر پیغمبر سے رشتہ توڑ لیا ہو؛ لفاظ و دیگر تکذیب و تولی کا مجرم

بن کر جس نے اپنے آپ کو شقاوت اور بدسخنی کی آخری منزل تک پہنچا دیا ہو، یعنی

الاشقی الذی کذب و تولی کا جو مصداق بن گیا ہو، ان صفات سے موصوف ہونے کے

بعد چونکہ کوئی مسلمان باقی نہیں رہ سکتا، اس لئے آیت کا واضح اور کھلا ہوا مطلب

یہی ہوا کہ جہنم میں وہی جانے گا اور اس کے سوا کوئی نہ جائے گا، جو مسلمان نہیں ہے

یہی حاصل اس آیت کا بھی ہے اور اسی مضمون کی تائید و تشریح بخاری شریف

کی ان دونوں صحیح حدیثوں سے بھی ہو رہی ہے۔

پوچھا اب کبھی جاتا ہے کہ مذکورہ بالا تین قسم کی آیتوں کی بنیاد پر کیا یہ عقیدہ قرآنی

عقیدہ نہ ہوگا کہ جہنم کا عذاب صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مسلمان نہیں ہیں خواہ وہ صریحاً

شکر و مکذب ہوں، یا منافق ہوں، اور کسی قسم کا مسلمان ہو، جہنم کی آگ اس کے لئے

لے منافق کے متعلق عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دل سے تو بالکل یہ منکر و مکذب ہو اور زبان سے اسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

حرام، اور جہنم کی آگ کے لئے وہ حرام ہے، گویا نہ جہنم ہی مسلمان کے لئے ہے اور نہ

دلقبہ عاشیہ صفحہ گذشتہ) کا اقرار کرنا ہو، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت تو منافق طبقہ کی ایک قسم کی ہے یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جس کی مثال اس آگ سلگانے والے سے قرآن میں دہائی گئی ہے جو اپنی شعلہ زبانیوں سے لوگوں کو اطمینان دلاتا رہتا ہے کہ جو کچھ اس کی زبان پر ہے وہی دلی میں بھی ہے لوگ جب مطمئن ہو جاتے ہیں تو خود اس روشنی سے وہ قطعاً محروم ہو جاتا ہے جسے زبان کی بی جاکہ کہ دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے پھیلا رہا تھا، کیونکہ اس روشنی کا اس کے باطن سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا یوں تاکیہا کے احاطہ میں خود گھر جاتا ہے اور ایسی حالت میں گرفتار رہتا ہے کہ دوسروں کو اپنے باطن کی واقعی کیفیت سے مطلع کر سکتا ہے کہ اس کے زبانی دعوے کے خلاف یہ بات پڑے گی اس لئے کہ ہم یعنی اس قسم کے لوگ گونجے ہو جاتے ہیں اور ناریکیوں میں گھر جانے کی وجہ سے باہر سے بھی زبان کی آنکھیں کچھ لے سکتی ہیں اور زبان کے کان۔ اسی لئے ہم دہرے (اندھے) وہ ہو جاتے ہیں یہ انسانی نفسیات بھی ایسی ناپاک کیفیت ہے کہ واقعی روشنی کی طرف اس قسم کے زبان درازوں کے لئے واسطی کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا فہم لایرجون، مگر دوسری تخیل اسی طبقہ کی برسی ہوئی بھواروں یعنی کفیتِ پترِ السماء سے دی گئی ہے جن میں ظلمات اور تاریکیاں تو زیادہ ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی رعد کی گرج سے ان کے کان اور برقی جھک سے ان کی باطنی جنائی منازعہ بھی ہوتی رہتی ہے یہ فکری نفاق کی نفسیاتی کیفیت کی تصویر ہے دس دس دھنکوک کی بھواروں کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی جی کی گرج اور صداقت کی جھک بھی ان کے ساتھ کھد جاتی ہے مگر ان سے زیادہ دیر تک قصدِ استفید ہونا نہیں چاہئے کہ ان کی غیر دینی فاجرانہ زندگی پر اندیشہ ہوتا ہے لاکھڑب فاضلی یہ استفادہ نہ ثابت ہوا اسی لئے کافوں میں انگلیاں ٹھوس کر فتنہ و فحور کی زندگی کو موت سے بچانا چاہتے ہیں الغرض ان ہی نفسیاتی کیفیتوں میں الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں، جب کچھ روشنی بچی ذرا دیر کے لئے چل پڑے پھر تاریکی کا عہد ہوا اور جہاں تھے وہیں ٹھسک کر رہ گئے، بہر حال نفاق کی پہلی قسم کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو فکری و عقلی قوت سے کام نہیں لیتے اور دنیاوی کاروبار میں ہوشیار ہونے میں دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے نہ سے کچھ باتیں بنا لیا کرتے ہیں ان کا باطن قطعاً سیاہ ہوتا ہے جس میں ایمان کی کوئی کرن نہیں ہوتی، لیکن دوسری قسم اربابِ فکر و نظر کے طبقہ منافقین کی ہے۔ ظاہر ان کو کبھی اپنی فکری و نظری جدوجہد میں صداقت و ایمان کی کچھ شعاں ہاتھ آتی ہیں لیکن ان سے وہ مستفید نہیں ہونے دس دس (بقیہ عاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مسلمان ہی جہنم کے لئے ہے بنایا جائے کہ اس عقیدے کو غیر قرآنی عقیدہ قرار دینے کی کیا صورت ہے خصوصاً جب بخاری کی دؤد و صحیح حدیثوں کا صریح و واضح مفاد بھی یہی ہے جو سورہ الدلیل کی آیت سے سمجھا جا رہا ہے جب تک کہ خدائی الفاظ کے ساتھ سیر و دنیا آمیزش کو شریک کرنے کی جرأت نہ کی جائے اس وقت تک قرآن کی اس آیت کا ترجمہ و مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جس کی تائید اور تشریح ان دونوں حدیثوں کے الفاظ سے ہو رہی ہے۔

اب اس کے بعد پہلی آیت جو نفل کی گئی ہے اس کا مفہوم سامنے آتا ہے یعنی ہر برائی کا بدلہ برائی کرنے والوں کو دیا جائے گا مَن لَّيَعْلُنْ سُوْعَتَيْهِ كَاٰهِيْ حَاصِل ہے اسی کے ساتھ دوسرے مدد والی آیتیں یعنی قرآن ہی کے قانون عفو و مغفرت کو بھی رکھ لیا جائے ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سمجھا اور سمجھایا جائے کہ خطبہ کی بدترین قسم اور سزا کی شدید انتہائی شکل تو وہی ہے جسے بھگتے والے جہنم میں بھگتیں گے جو مسلمان ہے وہ اس عذاب سے تو بچ جائے گا مگر عذاب کی اور بھی تقسیمیں ہیں، یعنی جہنم میں داخل ہونے سے پہلے جہود (پل صراط) میدان حشر کی فوجانی و تختانی ظاہری و باطنی پریشانیاں، نیز اس سے پہلے برزخی عذاب کا بھی ایک مستقل سلسلہ ہے یہ تو مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہونے سے پہلے سزاؤں (یعنی ماشیہ سلسلہ صلوٰۃ گذشتہ) و ادبام کے گلد کوب سے ان کے قلوب چھوڑ ہونے میں مگر یہ ظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شریک رہتے ہیں حدیثوں میں جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ مقدار خرد دل یا ذرہ برابر بھی ایمان میں ہیں ہوگا غالباً کھری نفاق کے من مریعوں کا یہ حال ہوگا ان کو جہنم میں جانے اور سزا بھگت لینے کے بعد پھر ان کو نئی زندگی مقدار خرد دل والے ایمان کی بدولت بخشی جائے گی لیکن یہ مومن و مسلم نہیں بلکہ منافق طبقہ سے نفق رکھنے والے لوگ ہیں ۱۲

کی مختلف غیبی شکلیں ہیں جو آئندہ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد پیش آئیں گی اور ان کے سوا موت سے پہلے خود اسی دنیا میں مصائب و آلام کی گونا گوں شکلوں کا حصہ بھی ہے ظاہر ہے کہ جہنم کے عذاب سے بچ جانے کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ سزاؤں کی دوسری شکلیں جو موت کے بعد یا موت سے پہلے اسی زندگی میں مجرموں کو پکڑتی ہیں ان سے بھی مسلمان ہو جانے سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے سزاؤں کے ہونے کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ جہنم کی آگ اس پر حرام ہو جائے بلکہ جب قرآن کا یہ اعلان ہے کہ ہر سور اور بُرائی کا بدلہ اس کے مرتکب کو چکھایا جائے گا اس لئے یقین کرنا چاہیے کہ جہنم کی سزا سے بچ جانے کے بعد مسلمانوں کے لئے سزا کی بھی شکلیں باقی رہ جاتی ہیں جو جہنم میں داخل ہونے سے پہلے بنی آدم کے سامنے آئیں گی چونکہ قرآن ہی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ بُرائی کرنے والے اور اپنے آپ پر ظلم توڑنے والے اللہ تعالیٰ سے اگر مغفرت چاہیں گے، تو اللہ کو بہت بڑا بخشنے والا اور بہت بڑا مہربان پائیں گے، اس لئے اگر یہ مانا جائے کہ حشر یا میدانِ حشر یا عذابِ قبر وغیرہ کی سزاؤں پر مغفرت کے اسی قانون کا یہ عمل ہو گا کہ بجائے ان کے ان ساری سزاؤں کو دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی شکل میں قدرت بدل دیتی ہو تو قانونِ عفو و مغفرت کا اقتضا بھی پورا ہو جاتا ہے اور مجازاً و مکافات کا وہ قانون عام جس کا اعلان منِ عیل سو عیجز بد میں کیا گیا ہے اس کی تکمیل کی راہ بھی نکل آتی ہے، بلکہ دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی سارے مصائب و آلام دکھ پہنچانے کے لحاظ سے چونکہ برابر نہیں ہیں اس لئے مغفرتِ طلبی میں زور لگانے والے جتنا زیادہ زور لگائیں گے، سزاؤں کے قالب بھی بدلے چلے جائیں گے، یعنی نسبتاً

کم تکلیف پہنچانے والی مصیبتوں میں تباہیوں کو کرنا فانون مجازہ کا اقتضاد ان کے لئے پورا ہوگا اور سچ پوچھتے تو صحاح کی کتابوں میں اسی قرآنی آیت یعنی من یعمل سوء یحزننا جس میں ہر جرم کو مستحق سزا قرار دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ مجازہ کے فانون سے کسی مجرم کا کوئی جرم مستثنیٰ نہیں ہے، اسی کے متعلق بکثرت ایسی روایتیں جو مردی ہیں کسی میں ہے کہ

”جب مذکورہ بالا آیت (من یعمل سوء یحزننا) نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت گراں نابت ہوئی، اور حد سے زیادہ ان کو تشویش میں اس آیت نے ڈال دیا، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اس احساس کو جب ظاہر کیا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیدھے بنو اور دیکھی سے قریب ہونے کی کوشش میں لگے رہو اور یقین کرو، کہ مسلمان پر جب کوئی مصیبت پڑے (جیسا کہ آئی ہے) حتیٰ کہ کافرا بھی جو کوئی چھب جاتا ہے، یا کوئی ٹھوکر لگتی ہے، یہ کفارہ تمہارے گناہوں کا بن جاتی ہے۔“

تفسیر درمنثور میں اس روایت کو درج کرتے ہوئے صحیح مسلم کا بھی صحاح کی دوسری کتابوں مثلاً ترمذی و نسائی وغیرہ کے ساتھ حوالہ دیا ہے اسی کے ساتھ بخاری و مسلم کی وہ روایت بھی درج کی ہے جس میں ہے کہ

”کسی مومن کو کوئی دھکے خورد، بیماری، غم و الم، یا کسی قسم کا کوئی زرد

ہوتا ہے اس کے ذریعہ بھی اس کے گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے“

یعنی وہی سزا جو کسی اور عالم میں ہونے والی ہوتی ہے وہ اسی دنیا میں ان مصائب

کی شکل میں پوری ہو جاتی ہے اس باب میں کس حد تک مغفرت کا قانون سزاؤں کی تخفیف میں اثر انداز ہوتا ہے اس کا اندازہ ان روایتوں سے ہوتا ہے جن میں ہے کہ اپنی چیز کو کھرا دمی قبول جاتا ہے اور اس کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے فکر کی تکلیف میں اسے مبتلا ہونا پڑتا ہے یہ بھی اسی مجازاتی قانون کی تکمیل ہی کی ایک تخفیفی شکل ہوتی ہے یہ بھی ان ہی روایتوں میں ہے کہ کسی چوٹی کے کاٹ لینے سے یاد دل کی دھڑکن سے سپیدہ جو آ جاتا ہے اس میں بھی مجازہ کا قانون اپنا حق پورا کرتا ہے، ابو ہریرہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیتے ہوئے درمنثور میں نقل کیا ہے کہ ”مسلمان مرد یا عورت دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر بالاخر صفائی کے ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ ماعلیہ من خطبۃ دگناہ کا کوئی دھبہ ان میں باقی نہیں رہتا“

بعض روایتوں میں ”بے داغ چاندی“ اور ”سونے کے مصفاؤں“ سے اس شخص کو تشبیہ دی گئی ہے، جو مجازاتی قانون کے عمل کو دنیاوی مصائب کی شکل میں بھگت کر پاک و صاف ہو جاتا ہے،

بہر حال جہنم سے اس شخص کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا جو نفاقاً نہیں بلکہ واقعہً دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے جہنم سے وہ بیگانہ اور جہنم اس سے بیگانہ ہو جاتا ہے اگر یہ مانا جائے تو سورہ الدلیل والی آیت اور معاذ بن جبل و عتبہ بن مالک والی صحیح حدیثوں کا کیا مطلب سمجھا جائے اور ان نصوص سے آخر کیا وجہ ہو گی کہ اس عقیدے کے پیدا کرنے سے لوگوں کو رد کا جائے خصوصاً ابدار اسلام میں بھی صحابہ کے شاگردوں یعنی تابعین میں سے محمد بن سیرین کے متعلق حافظ ابو نعیم نے علیہ الادلیار میں یہ



روایت بھی نقل کی ہے کہ سورہ واللیل کی مذکورہ بالا آیت کا مطلب وہ بھی بیان  
کئے کہ مسلمان خواہ غلام کسی حال میں ہو جہنم کی سزا سے بری ہو جائے۔ اور آخر زمانہ  
میں ہندوستان کے مشہور مجدد اسلام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ا۔  
مکتوب ۲۶ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ

اہل کبار کے گناہاں ایساں بخفت	کبیرہ گناہوں کے مجرموں کے گناہ
نہ آمدہ اند بہ توبہ یا شفاعت	توبہ کی وجہ سے یا شفاعت یا حق تعالیٰ
بالجبر و عفو و احسان و نیراں	کی عام مہربانی و عفو و کرم کی وجہ سے
کبار را بالام و محن دنیوی یا شد	نہ بخشے گئے، نیز ان کبیرہ گناہوں کا
سکرات موت مکفر نہ ساختہ امید	ازالہ دنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں
کہ در عذاب آہنا جمعہ را بعد از	سے، یا سکرات موت کی تکلیفوں
قبر کفایت کنند و جمعہ دیگر را	سے نہ ہوا ہو تو اس کی توقع ہے کہ
با وجود محنت ہائے قبر یا احوال قیامت	بعضوں کے لئے عذاب قبر کی سزا کافی

۱۔ مسلمان ہونے کے ساتھ ہی جہنم سے انابت کا رشتہ قطعی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اس قرآنی عقیدہ  
کے ساتھ خواہ مخواہ اہل کتاب کے ان امانی اور آرزوؤں سے شک میں مبتلا نہ ہونا چاہئے جن کا قرآن ہی میں ہم  
مفادات پر ذکر کیا گیا ہے یعنی یہود کہتے تھے کہ صرف چند گئے گناہے دن کے لئے ہمیں جہنم چھوئے گی دلنا  
تمسنا الناس الا ایا ما محل و دلا) یا اہل کتاب کہتے تھے کہ جنت یہود و نصاریٰ ہوتے بغیر کہ  
جا سکتا دلن بدخل الجنة الا من کان ہوداً او نصریٰ بل کان و دعویٰ کی بنیاد عقیدے اور  
نہیں بلکہ یہود کی نسلی برتری اور اسرائیل کی اولاد ہونے پر مبنی تھی اسی طرح نصاریٰ کفارہ کے مفاد  
غلط و بچاں تھے ان کو یاد کر لیا گیا کہ خدا کا بیٹا عیسائیوں کے جرائم کی سزا میں بچاؤ کر چکا  
پھر ان جرائم کی دوبارہ سزا میں ان کو کیسے مل سکتی ہے ۱۱۔ والقصۃ لبطولھا ۱۲۔ ابن سیرین کے قول  
ملیہ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۲۷ مطبوعہ المصر میں ملاحظہ فرمائیے ۱۲

دشداں روز گنفا فرما یند ہوگی اور بعضوں کے لئے عذابِ قبر کے  
ساتھ قیامت کے دن کے مصائب  
اور سختیاں کافی ہو جائیں گی۔

منزاجہ مجازاً کی ان مختلف شکلوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد آخر میں حضرت مجددِ قدس اللہ  
سرۃ العزیز فرماتے ہیں کہ

”از گناہاں بانی نگذارند کہ محتاج بعباب نار گردند“ صبح ۳۲۸

ہم کا حاصل یہی ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد خواہ کسی قسم کے کبیرہ اور بُرے بُرے  
ہم گناہوں میں کوئی مبتلا ہو، پھر بھی منزا پانے کے ”عذابِ نار“ یعنی جہنم کی ضرورت  
س مسلمان کے لئے باقی نہ رہے گی، بلکہ جہنم سے پہلے سزا کی مختلف منزلیں میں اپنے  
کئے کے خمیازوں کو وہ بھگت لے گا۔

محدث دہلوی حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی عجز اللہ البالغہ میں ایک  
مستقل باب قائم فرما کر اس پر بحث کی ہے کہ دنیا میں بھی اعمال کے نتائج کا ظہور  
کن کن شکلوں میں ہوتا ہے، شاہ صاحب نے اس قسم کی قرآنی آیتوں کو نقل کیے  
جن میں ارشاد ہوا ہے کہ

”و مصیبت بھی تم پر ٹوٹی، یہ خود تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہوا“

یعنی ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم وغیرہ مشہور آیتوں میں اسی مضمون  
کو جو بیان کیا گیا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے من بعینِ سوم  
یعجز بہ (جس نے جو برائی بھی کی اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا) کو پیش کر کے ان ہی حدیثوں  
کا تذکرہ کیا ہے جن کا تفصیل ذکر گذر چکا آخر میں فرماتے ہیں کہ دنیاوی مصائب کے

قالب میں ان سزاؤں کو بھگت لینے کے بعد بندہ اپنے گناہوں سے اپنا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے کتا فتوں سے صاف و پاک ہو کر سونا بھٹی سے باہر نکل آتا ہے شاہ صاحب کے عربی الفاظ یہ ہیں کہ ”ان العبد لیخرج من ذنوبہ کما یخرج النیر الاحمر من الکبیر“ دنیادی مصائب تو یہ کام کرتے رہتے ہیں باقی اسی کے ساتھ اگر تو بدستغفار ناز و روزه وغیرہ جیسے اعمال میں بھی اگر وہ مشغول رہا یعنی حسن اعمال سے گناہوں کے زہر کا ازالہ ہوتا ہے اور خبر دی گئی ہے کہ گناہوں کے کفارہ کا کام دہ دیتے ہیں ان کا اثر شاہ صاحب یہ بتاتے ہیں کہ ”رفع البدع تخفیفۃ“ میں ان سے مدد ملتی ہے بالفاظ دیگر یہ ہی مطلب ہوا کہ رفع بلا کے سوا سزا کی سخت فشکوں کو نسبتاً ازلہ اور کم تکلیف دہ سزاؤں کے قالب میں بھی اسی قسم کے اعمال بدلتے چلے جاتے ہیں دیکھو حجتہ اللہ البالغہ ص ۲۵ مطبوعہ مصر باب الجزاء علی الاعمال فی الدنیا

ایسی صورت میں بدکرداریوں کے نتائج ظاہر ہیں کہ جہنم سے ہٹ کر حشر و خسرو قبر میں بھی اگر کرنے والوں کے سامنے نہ آئے، تو من یعمل سوء عیجز بہ کے مجازاۃ عام کے تحت مسلمانوں کو اسی دنیادی زندگی کے مصائب و آلام ہی کی شکل میں اپنے اعمال کے خمیازوں کو بھگتنا پڑے گا، شاہ ولی اللہ نور اللہ صریحاً نے یہ لکھ کر کہ امراض اور غم و حزن خوف وغیرہ کے قالب میں ان سزاؤں کا ظہور کبھی ہوتا ہے اور کبھی مسلمانوں کے مال و آل و اولاد کی تباہی، کے رنگ میں کبھی خود انسانوں کو، یا فرشتوں کو یا جانوروں کو الہام ہوتا ہے۔“

یعنی ”تاسرۃ فی اہلہ و مالہ و دینہا اللہم الناس و الملئکۃ و البہائم“ اور برے برتاؤ کے ساتھ مسلمانوں کے آگے وہ نمایاں ہوتے ہیں، شاہ صاحب نے مشہور حدیث نبوی

جس میں آیا ہے کہ

”مومن (مسلمان) کی مثال کھیتوں کے ان پودوں جیسی ہے جنہیں ہوائیں کبھی ادھر گراتی ہیں اور کبھی ادھر گراتی ہیں اور کبھی ان کو سیدھا کر کے کھڑا کر دیتی ہیں، تاہم ان کے دنیا میں قیام کی جو مقررہ مدت ہے وہ پوری ہو جاتی ہے برخلاف اس کے جو منافق اور مومن نہیں ہے اس کی مثال صنوبر کے اس اکڑے ہوئے درخت کے مانند ہے جو ہواؤں سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا، تاہم ان کے ایک دفعہ اکھڑ کر زمین سے الگ ہو جانا ہے۔“

یعنی مثل المؤمن کمثل الخامة من الزادع لفتیھا الریاح تطرحھا مرة وتعدلھا اخری حتی یانہ اجلہ، ومثل المنافق کمثل الاسرذة المجدیة التي لا تصیبا شئی حتی یکون انجعا فھا مرة دلحدة“ صحاح کی اسی حدیث سے مسلمانوں کی مجازاتی زندگی کی تشریح کی ہے۔

مطلب یہی ہوا کہ جہنم سے اپنا رشتہ دار وہ اسلام میں داخل ہو کر توڑنے کا موقعہ آدم کی اولاد میں جن لوگوں کو سیر نہ آسکا، ان کے لئے تو کھلا میدان ہے مرنے سے پہلے بھی، مرنے کے بعد بھی، قبر میں بھی حشر میں بھی جس پر بھی اور بالآخر جہنم میں پہنچ کر بھی کافی گنجائش اپنے کروڑوں کے خمیازوں کے بھگتنے کے لئے موجود ہے، یہاں نہیں تو وہاں، وہاں نہیں تو آگے اور بالآخر جہنم میں پہنچ کر مجازاۃ کے قائلان کے نتائج کو اپنے سامنے وہ پائیں گے لیکن مومن کے لئے تو جہنمی سزاؤں کا کوئی موقعہ ہی باقی نہیں رہتا پھر برائیوں کے ساتھ بھلائیوں کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی طرح وہ جاری ہی رکھتا ہے تو یہ کرتا ہے استغفار سے کام لیتا ہے، ان نمازوں کو بھی

پڑھنا ہے جن کی خاصیت بنائی گئی ہے کہ ایک وقت سے دوسرے وقت تک کے وقفہ میں جو گناہ بھی سرزد ہونے میں ان سے نازی کو پاک کرتی رہتی ہے بھروسہ کے آثار و نتائج بھی یہی بنائے گئے ہیں کہ پانی سے صرٹ بیردنی آلودگیوں ہی کی صفائی نہیں ہوتی بلکہ قریب حق کے باطنی احساس کے ساتھ چونکہ اعضاء کو دھونے والا دھوتا ہے اس لئے باطنی اثر بھی دھونے کا پڑتا ہے اور ہر عضو جو دھویا جاتا ہے اس عضو کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ گھر سے ناز کی تربت کر کے جو کھانا ہے تو ہر قدم پر بتایا گیا ہے کہ ایک ایک گناہ کو اڑانا چلا جاتا ہے یہ اور ان کے سوا اعمال و اشغال کے دوسرے سلسلے ایسے ہیں جن سے گناہ کی ورج پڑ مردہ ہوتی چلی جاتی ہے ایسی صورت میں مجازۃ کا قانون مومن کے لئے صرف دنیاوی آلام و مصائب کے قابلوں میں منحصر ہو کر رہ جائے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اور اسی سے اس اچنبھے کو کبھی لوگ اپنے دلوں سے چاہیں تو دور کر سکتے ہیں، جو مسلمانوں کی ماضی و حال کی تاریخوں میں مصائب و آلام کا ہجوم نظر آتا ہے پچاس سال بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر گزرنے نہ پائے تھے کہ واقعہ حترہ میں پیغمبر کے شہر میں قتل عام کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ تین دن تک مدینہ کے رہنے والوں کے سال کے ساتھ جان کے ساتھ ناموس کے ساتھ وہ سب کچھ کیا گیا جو درندہ یا جنگل کے جانور بن کر آدم کی اولاد کبھی کبھی کر گزرتی ہے بلکہ اس سے پہلے بھی جل و صفین و کر بلا میں کیا کچھ نہیں دیکھا گیا، پھر ان مصائب کا سلسلہ کیا کسی صدی میں کبھی ٹوٹا؟ لوگ گھبراتے ہیں کہ قدرت کے مسلمانوں کے ساتھ اس عجیب و غریب سلوک کی کیا توجیہ کی جاسکے؟ ان کے شاعروں کو مزدور کی خدائی کا دھوکہ ان کی بندگی پر بھی کبھی کبھی اس صورت

حال کو دیکھ کر گٹا، سوال یہی ہے کہ گذشتہ بلا فرآنی حقائق کا صحیح حدیثوں اور حکمِ اسلام کے انکار کی روشنی میں اگر مطالعہ کیا جائے۔ تو مسلمانوں کے دنیوی مصائب کی توجیہ میں کیا کوئی دشواری باقی رہی ہے، کیسی عجیب بات ہے کہ رحمتوں کے مظاہر میں جو نہیں سوچتے ہیں ان کو رحمتوں کا زور نظر آتا ہے۔ کاش! علمائے امت مسائل کے سوال پر بجائے تیغ و زجر کے فکر و مہر سے کام لیں۔ اور دنیا کی ایک قوم جو دوسروں کی نگاہوں میں اصفو کہ الامم بنی ہوئی ہے اور اپنے حال سے وہ خود مطمئن نہیں ہے، زندگی کا راز اس پر واضح کیا جاتا، عارفِ روم نے موزے کے تمثیلی قصے کا ذکر کر کے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عقاب موزے کو لے آ رہا لیکن زمین پر اسی موزے کو ادھر جا کر جب چھوڑا تو اس سے ایک کالا سانپ نکل پڑا، تب کہا گیا کہ

موزہ بر بودی دمن در ہم شدم      تو غم بردی دمن در ہم شدم  
اور آخر میں اسی سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ

کان بلا دفع بلا ہائے بزرگ      داں زیاں منع زیا نہائے سترگ  
لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب و آلام میں تخفیف و تسخیل کی کار فرمائیاں اور ان کا ردِ قیام میں قدرت کے تکیوں پر مراحم کی قیمت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی حدود کے حوادث و واقعات کے لئے عین الیقین بنایا ہے جنہم میں جس پر، حشر میں، قبر میں جن مہیب و جاں گسل مناظر سے انسانیت دوچار ہوگی عین الیقین کی اسی معصوم اور مقدس آنکھ سے آج بھی ان کا مطالعہ کر رہے ہیں باقی اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی وجہ سے اور مسلمانوں کی جماعت

لے غالب مروجہ کا مشہور شعر کہادہ مزدور کی فدائی تھی + بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

میں شریک ہونے کے مجرم بن کر دنیا بھر کی مصیبتوں کو بھی جھیلنے چلا جانا، اور خود اسلام اور اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بھی اشتباہی ذہنیت میں شعوری یا غیر شعوری طور پر دفن کئے رہنا جن دین باختوں کی یہ حالت ہے واقعہ یہ ہے کہ دین ہی نہیں بلکہ وہ تو اپنی عقل کے ساتھ ہی کھیل رہے ہیں، وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ اپنے اس استفہامی معروضہ کو ختم کرنے ہوئے آخر میں جاتے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جہنم سے بے تعلق قطعاً بے تعلق ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو حق تعالیٰ کے فضل و کرم یا اپنے محبوب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعاؤں کی ضرورت باقی نہیں رہتی واقعہ یہ ہے کہ جہنم سے پہلے سزاؤں کے مختلف منازل اور مختلف قابلوں میں ان کے ظہور کی خبریں جو دی گئی ہیں جیسے مکفرات یعنی اعمالِ صالحہ توبہ و استغفار، صلوٰۃ و صیام، حج و زکوٰۃ وغیرہ ان سزاؤں کا قالب بھی اور ان کا محل و مقام بھی تخفیفاً بدلتا چلا جاتا ہے، جس سے ہٹ کر حشر میں حشر سے ہٹ کر قبر میں، قبر سے ہٹ کر خود اسی سحیوۃ الدنیا اور بہت زندگی میں مجازاۃ کا قانون اپنے قدرتی اقتضاء کو پورا کرتا ہے اور دنیا میں بھی بڑی مصیبتوں کو نسبتاً ہلکی مصیبتوں کی شکل میں بدل دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جو تردد و جوتیوں کے تسے کے ٹوٹنے سے یا کسی معمولی چیز کے تل پٹ ہو جانے یا رل مل جانے کی وجہ سے ہوتا ہے یہاں تک تحویل و تخفیف و تحویل کا قانون اُترتے ہوئے چلا آتا ہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ ثواب میں بھی محض اور پریشان کن حالات تک کی شکل مجازاۃ کا یہی قانون کبھی کبھی اختیار کر لیتا ہے گویا روایا میں اپنے کرفوں کی سزا بگٹنے والے بھگت لیتے ہیں اسی طرح سزاؤں کی ان ہی منزلوں میں حق تعالیٰ کی رحمت بھی دستگیری فرماتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی اپنا کام کرتی ہے بلکہ جرائم کے نتائج سے پاک ہونے کے بہشتی زندگی سے استفادہ تو زیادہ تر فضل حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۴ کی شفاعت کبریٰ کے ساتھ وابستہ ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مینو اور جی واد علی اللہ اجر کرم ۱۲۔

# پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام

مولانا زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی قاضی شہر خطیب جامع مسجد میرٹھ  
فتنہ و فساد کی ان اندھیری گھٹاؤں میں، جبکہ افق پر کوئی ستارہ امید نظر نہیں  
آتا۔ ظلم و طغیان کی ان ہولناک موجوں میں جبکہ کشتی مراد پاش پاش ہو کر آخری جھکوتے  
لھار رہی ہے، نو میدی دیاس کے ان جھکڑوں میں جبکہ گلشنِ آرزو کی آخری کلیاں  
بھی پھیر گئی ہیں، آپ کو زمانہ جاہلیت کا صحیح تصور کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہ آئیگی  
جسے تاریخ کی سوئی کو چودہ سو سال پیچھے گردش دے دیں۔

نیائے جاہلیت | یہ ایران ہے، یہاں فحاشی و زنا کاری جزو دینی بنادی گئی ہے،  
’دینِ فردی‘ نے عصمت و عفت کی چادر انسانیت کے چہرہ سے اتار کھینچی ہے  
وام کی بہو بیٹیوں کی عزت، امرار کی شہوت پرستی کے ہاتھوں کا کھلونا بن رہی ہے  
یہ یونان ہے، یہاں غلاموں کو انسانیت کے ابتدائی ”حقِ زندگی“ سے بھی  
مردمِ کرد یا گیا ہے۔ آقاؤں کی پیشانی کی ہر شکن ان کے لئے زنجیرِ پابن سکتی ہے۔ ذرا  
اسے قصوروں پر بھہرے ہوئے شیروں کے سامنے ڈال دینا، اور غلاموں کی ہڈیوں  
لے گوشت سے جدا ہونے کا منظر دیکھنا ارکانِ حکومت کا ایک دلچسپ تماشا ہے۔  
زورِ سچوں کو بھی یہاں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے، پہاڑ کی چوٹی سے غار کی گہرائی تک  
ان کی منزلِ زندگی کو مختصر کر دیا گیا ہے۔



یہ ہندوستان ہے، یہاں انسان کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے حقوقِ انسانیت کو صرف تین ذاتوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے، بیچارہ اچھوت مذہبی کتابوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اور عبادت گاہوں میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔

یہ ارضِ فلسطین ہے یہاں یہودیوں نے نحن ابناء الله و لحياء کا لغو لگایا ہے بنی اسرائیل ہی ان کے زعم میں خدا کے لاڈلے بیٹے ہیں اور کسی کو اس کے فضل و کرم کے سفرۂ عام سے ایک ریزہ اٹھانے کی بھی اجازت نہیں۔

پھر اصولِ انسانیت کی اس تحقیر، اور اخلاق و مدنیت کی اس تذلیل ہی پر سر نہیں۔ بلکہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ انسانیت کے وجود ہی کو ختم کر دیا جائے۔

ارضِ فلسطین یہودیوں اور عیسائیوں کے خون سے لالزار ہو رہی ہے یہاں حکومت یہودیوں کے ساتھ غلاموں کا سا بناؤ کرتی ہے، یہودیوں کا ملی وجود تسلیم کرنے سے اس نے انکار کر دیا ہے ان کو یہ اجازت نہیں کہ اپنے شعائرِ مذہبی کو آزادانہ انجام دے سکیں۔ یہودیوں نے شہر ”صور“ کا محاصرہ کر کے ہزاروں عیسائیوں کو تیغ کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ”جنگِ روم دایران“ میں ایرانیوں کے ہاتھوں قید ہونے والے اسی ہزار عیسائی قیدیوں کو خرید کر ان کے خون سے اپنی آتشِ انتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو سرد کیا ہے (محمد المثل الکامل جاد مونی بک المصری) مدائن سے قسطنطنیہ تک کی سرزمینِ دقت کی دو سب سے بڑی شہنشاہیتیں

کی جوع الارض کا قلمہ بنی ہوئی ہے، تہذیبِ با مال ہو رہی ہے، ہنرافت سر بیٹ رہی ہے، انسانیتِ خون کے آنسو رو رہی ہے مگر شہنشاہیت کا سر بر غرور اونچا ہو رہا ہے اور وہ ان بربادیوں کو دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ آبادیاں اُجڑ رہی ہیں، گھر لٹ رہے

ہیں، کھیتیاں با مال ہو رہی ہیں مگر انسانوں کی کھوپڑیوں پر قصر قیصری دایوان کسروی کی شان دار بنیادیں اٹھائی جا رہی ہیں۔

”عرب“ سرزمین حرم کا حال نہ صرف یہ کہ بہتر نہیں، بلکہ سب سے بدتر ہے  
ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا  
ہے۔ جنگ و جدال، قتل و خون، سلب و نہب مایہ فخر و ناز ہے، امن و اطمینان، آرام و  
نکون باعث شرم و عار، قمار بازی فخر کی بات ہے، شراب نوشی عزت نفس کی دلیل  
ہے، زنا کاری قابل تحسین کا رنامہ ہے، معصوم بچوں کو زندہ درگور کر دینا عظمت و شرافت  
ثبوت ہے۔

ب جاہلی کی شہادت | اگر یہ صحیح ہے کہ ہر زمانہ کا لٹریچر، اس زمانہ کی تہذیب و اخلاق کا  
مینہ ہوتا ہے تو سنئے! بنی قیس بن ثعلبہ کا ایک شاعر کہتا ہے۔

انا محیوک یا سلمیٰ خبیثا      وان سقیت کرام الناس فاسقینا

اے سلمیٰ (مشتوقہ شاعر) ہم تجھے سلام کرنے میں تو بھی ہیں سلام کر اور اگر تو سرورالین  
قوم کی تو اضع شراب سے کرتی ہے تو ہمیں بھی شراب پلا۔

ب دو سرا شاعر جھوم کر کہتا ہے:-

الاہتی بصحنک فاصحینا      ولا تبقی خمود الا ندراسینا

ہاں، اپنا شراب کا پیالہ لے کر آٹھ اے محبوبہ اور میں صبحی پلا۔ اور دیکھ اندرین  
کی خرابوں میں سے کوئی باقی نہ رکھ۔

سا اور شاعر ابوبکر بن ذی فخر یہ بیان کرتا ہے:-

من حملن به وھن عواقد      حبك النطاق نشب غیر بھیل

میں ان جالوزوں میں سے ہوں جن کی ماؤں سے زبردستی ہمبستری کی گئی لہذا وہ جوان ہوئے اس حال میں کہ بھر پور بدن کے ہیں۔  
اور رئیس الشعراء امرؤ القیس نے نوکمال ہی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

ومثلک جلی قد طرقتا ومرضتک نالھنھا عن ذی تساعیم محول

اور تجھ جیسی بہت سی حاملہ اور درد دہر بلائے والی عورتیں ہیں جن کے پاس میں رات کے آخری حصے میں پہنچا اور انھیں اپنے شیر خوار بچوں سے غافل کر دیا۔  
وہ اک بنی میثیل مازنی اپنی ہوس جنگ کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے :-

اذا استنجد والم یسا لومن عہم لایۃ حرب ام بای مکان

میں ان بہادرروں میں سے ہوں جب کوئی ان سے مدد مانگتا ہے تو وہ یہ نہیں بولتے کہ کس جنگ کے لئے اور کہاں  
حصین بن ہمام مری کہتا ہے :-

نفلق ہاما من رجال اعزۃ علینا وان کانوا اعداۃ

ہم ذی عزت لوگوں کے سردوں کو بارہ بارہ کر دیتے ہیں اگرچہ وہ بڑے ظالم و جاہل ہوں  
بنی عقیل کا ایک شاعر اپنے عزیزوں کو خطاب کر کے کہتا ہے :-

وبکی حین تقتلکم علیکم وقتلکم کانا لاتبالی

ہم تمہیں قتل کر دینے کے بعد تم پر روتے ہیں مگر جب قتل کرنے میں تو کوئی پردا نہیں کرتے۔

سوار بنی مضرب سعدی کہتا ہے :-

والی لا ازال اخا حرب اذالم احن کنت محن جان

میں ہمیشہ لڑائیوں میں گھرا رہتا ہوں، اگر خود ظلم نہیں کرتا تو ظالموں کا سپر بن

جاتا ہوں۔

نذائے صفا | ظلم و ستم، جو رجفہ، قتل و غارت، سلب و نہب، عیاشی و فحاشی جو عیشت پسندی و شہوت پرستی کی اس دنیا میں ہر ایک ایک صدائے حق بلند ہوتی ہے۔ خداوند قدوس کا ایک مقدس بندہ ”حزاع“ کی خلوت راز سے باہر آتا ہے اور صفا کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر اعلان کرتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي  
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ  
مِنْهَا ذَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا  
رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ا

اے افرادِ نسلِ انسانی، تم راخوت و محبت کے رشتہ کو ڈرنے ہو، اپنے اس پردہ گار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کے جوڑے کو پیدا

کیا بھرانِ دونوں کی نسل سے گردہ در گردہ مرد اور عورتیں پیدا کیں (جو سطحِ ارضی کے مختلف حصوں میں پھیل گئی)

جب تمہارا پیدا کرنے والا ایک ہے، تمہاری اصل و نسل ایک ہے، تمہاری حقیقت و ماہیت ایک ہے تو پھر، ملک و وطن کی حد بندی سے، رنگ و روپ کے فرق سے، غربت و امارت کے امتیاز سے یہ تراجم و تضاد م کیوں؟ اس آیت کے ذیل میں صاحبِ روح البیان لکھتے ہیں:-

تقویٰ کے حکم کو جو اس واقعہ پر مرتب کیا گیا تو اس واسطے کہ یہاں انسانوں کو اپنے اہلِ خاندان اور اپنے ابناء جنس کے حقوق کی حفاظت کے بارے میں خداوند جل و علی سے ڈرنے کا حکم دینا تھا اور اس واقعہ کو اس کی تہمید بنانا تھا۔ گویا کہ یہ فرمایا گیا۔

”اے انسانو! جس پروردگار نے تم سب کو ایک سلسلہ میں جکڑ دیا ہے اور ایک جڑ کی مختلف شاخیں بنا دیا ہے اس پروردگار سے تعلقات باہمی کے حقوق کی ذمہ داری کے بارہ میں ڈرو۔ ان حقوق کا پورا پورا خیال رکھو اور ان سے غافل نہ ہو“ (روح البیان دوم ص ۱۵۹)

بھرجو کچھ خطاب تمام کائنات انسانیت سے کرنا تھا اور سب کو ایک اخوة انسانیت کے رشتہ میں جکڑنا تھا لہذا قرآن کریم نے نفس واحدہ ”فرمایا آدم نہیں فرمایا اس لیے کہ مختلف اقوام و مل کے درمیان انسانی گھرانے کے جد اعلیٰ کے متعلق اختلاف راتے ہیں یہود اور جمہور اہل اسلام نسل انسانی کی ابتدا آدم علیہ السلام سے مانتے ہیں بعض دوسری قومیں دوسری شخصیتوں کا نام لیتی ہیں۔ مثلاً اہل ہند برہما کو زنجیر انسانیت کی پہلی کڑی بتاتے ہیں۔ حکما مغرب چند اصول کو خاندان انسانیت کا مبداء قرار دیتے ہیں (تفسیر المنار سورۃ النساء)

بہر حال اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ ”حقیقت انسانیت“ تمام انسان کے درمیان مشترک ہے لہذا قرآن کریم اس وحدت حقیقت ہی کی طرف متوجہ کر کے ان سے باہمی الفت و محبت کا مطالبہ کرتا ہے اور کسی شخصیت کی تعینی کر کے دعوة اخوة کو محدود نہیں کرنا چاہتا۔

بھراس نے بتایا کہ تم معرفت و شناخت کی آسانی کے لئے خاندانوں اور کنہوں کی حد بندیاں قائم رکھ سکتے ہو مگر انہیں کسی طرح عزت و ذلت، برتری و کمتری کا معیار نہیں بنا سکتے، عزت و ذلت اور برتری و کمتری کا معیار تو صرف ایک ہے اور وہ ہے تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی اور بس!

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعْرِفُوا  
اِنَّ اَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَفْكَارُكُمْ

تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم  
کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو  
درتہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

اس نے اعلان کر دیا کہ اگر حقیقی بلندی و برتری کی تمنا ہے تو اس کا طریقہ صرف  
ایک ہے اپنے معبود حقیقی کے سامنے نیاز مندانہ جھک جاؤ، اس راہ میں جو مشکلات  
پیش آئیں انہیں خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرو، اس کے کمزور اور ستم رسیدہ  
بندوں کی مدد کرو اور برائی کو بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِعَاءَ وَجْهِ  
رَبِّهِمْ وَاتَّامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا  
مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً  
رَّزِقُوا اسْمًا مِّنَ الْحَسَنِ السَّيِّئَةِ  
أُولَٰئِكَ لَهُمْ عِزِّي الدَّارِ

اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ہر تکلیف  
پر صبر کیا، نمازوں کو ان کے آداب کے  
ساتھ ادا کرتے رہے اور جو کچھ ہم نے انہیں  
رزق دیا اس میں سے کچھ پوشیدہ و علانیہ  
ہماری راہ میں خرچ کرتے رہے اور برائی

کا بدلہ بھلائی سے دیتے رہے تو یاد رکھو یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا بہتر ٹھکانا ہے  
اس نے دشمنوں کے ساتھ بھی، محبت کا سلوک کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ اگر کوئی  
ایسا کر سکے تو یہ نیکی و سعادت مندی کا اور نجات کا مقام ہے۔

وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ  
إِذْ نَفَعُ بِالْأَيْمَانِ هِيَ أَحْسَنُ، فَإِذَا  
الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ  
كَانَتْهُ وَلِيًّا حَمِيمًا وَمَا يُلْقِيهَا

نیکی اور برائی کا درجہ برابر نہیں ہو سکتا، برائی  
کا جواب اچھائی کے ساتھ دو، اگر تم نے  
یہ طرز عمل اختیار کیا تو تم دیکھو گے کہ  
اچانک تمہارا دشمن تمہارا ولی دوست

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَآمَنُوا بِقُعُوبَتِهَا

بن گیا ہے البتہ انسانیت کے اس بلند

الْأَذْوَ حِطَّ عَظِيمٍ

مقام پر وہی پہنچ سکتا ہے جو اپنے نفس

پر قابو رکھے اور جس کی قسمت میں نیکی و سعادت کا حظ عظیم ہو۔

اس نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ظلم و شقاوت کی دنیا کو امن و سعادت کا گہوارہ بنانے کے لئے دنیا میں بے امنی و فحش و ریزی کے جو اسباب ہو سکتے ہیں ایک ایک کر کے ان کو ختم کیا۔

شہنشاہیت دنیا میں فتنہ و فساد کا بڑا سرچشمہ ”شہنشاہیت“ رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قصر شاہی کی آبادی و رونق کے لئے رعیت کی جھوٹے پٹریاں سمیٹنے اُڑتی رہی ہیں۔ خدا کی زمین اس کے بندوں کے خون سے اس لئے سیراب ہوتی رہی ہے تاکہ بادشاہوں کا نخل آرزو برگ و بار لائے۔ پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے سب سے پہلے فتنہ کی اس جڑ کو صاف کیا

وَلَا يَتَّخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا

اور خدا کو چھوڑ کر، ایک انسان دوسرے

مِنْ دُونِ اللَّهِ .

انسان کو اپنا پروردگار قرار نہ دے

دن خدا کا ملک ہے اور کم بھی یہاں خدا ہی کا جاری ہوگا۔

لَعَلَّكُمْ لَهُ شَرِيفٌ فِي الْمُلْكِ

اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں حکم

إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ

صرف خدا ہی کا ہے سنا ہے۔

یہاں تک کہ جب وفد نبی عامر نے آپ سے کہا اَنْتَ سَيِّدِنَا آپ ہمارے سردار

ہیں تو آپ نے جواب دیا السید اللہ تبارک و تعالیٰ سردار تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اس پر ان لوگوں نے عرض کیا بہر حال شرف و عزت میں تو آپ ہم سے ملنا

دبرِ نرہیا ہی تو آپ نے جواب دیا ہاں یہ تم کہہ سکتے ہو۔  
 اسی لئے اس دقت کی شہنشاہیت کے منظرِ اہم، اور آقا بیت کے  
 مجسمہ کامل ”کسری“ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:-

اذا مات کسریٰ لا کسریٰ اس خاندانِ کسروی کے بعد اب اور کسریٰ

نہ ہوگا۔

بعداً

سرمایہ داری | سرمایہ داری بھی اس عالم کے لئے بڑا فتنہ رہی ہے۔ ساموکاروں کی  
 مجلسِ نشاط کا ساغرا حمری ہمیشہ غریبوں اور مزدوروں کے خون سے تیار ہوتا رہا  
 ہے پیغمبرِ اسلام علیہ التھیۃ والسلام نے زبانِ وحیِ ترجمان سے انسانی سوسائٹی کا  
 ایسا نقشہ کھینچا جس میں ہر انسان کو خدا کے پیدا کیے ہوئے وسائلِ معیشت سے  
 استفادہ کا موقع دیا گیا اور مجددِ جہد کے بعد جو کچھ حاصل ہوا اس میں اس کا حقِ ملکیت  
 و انفاق بھی تسلیم کیا گیا مگر طرقِ انکساب و انفاق پر ایسی پابندیاں عائد کر دیں جس  
 سے دولت چند افراد کا سرمایہ بن کر نہ رہ جائے

کَثْرَیْ لَا یُکُوْنُ دَوْلَۃً یُّنْبِئُ الْاَغْنِیَاءَ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ دولت مہارے سرمایہ

مِنْکُمْ داروں میں ہی گردش کرتی نہ رہ جائے

جو لوگ اسلام کے اس عادلانہ نظامِ معیشت سے بغاوت کریں اس کے ممنوعہ  
 طریقوں سے دولت جمع کریں، ذاتی تعیش و تنعم پر اسے خرچ کریں اور سوسائٹی  
 کے محتاج و ضرورتمند طبقہ کو اس سے محروم رکھیں ان کو شیطان کا بھائی قرار  
 دیا گیا اور ان کو عذابِ الیم کی نصرت دی گئی۔

وَالَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ الذِّہْنَ الْفِضَّةَ جو لوگ چاندی سونے کے خزانے جمع کرتے



وَلَا تُفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
تَبِيتُ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ  
إِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَالْوَاحِشَاتِ  
الشَّيَاطِينِ

ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں  
کرتے تو آپ انہیں عذاب الیم کی بشارت دیتے  
ہے محل دولت کا استعمال کرنے والے  
شیطان کے بھائی ہیں

سرمایہ داری کے دو بڑے مظاہر ساہوکاری اور جاگیر داری ہیں۔ اسلام نے احتکاک  
اکتزاز اور اس کے وسائل سود، تمار وغیرہ کو ممنوع قرار دے کر اور وراثت، زکوٰۃ  
عشر وغیرہ تقسیم دولت کی صورتوں کو لازمی قرار دے کر، ان دونوں کے پینے کے  
کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔

دولت | دولت بھی ہمیشہ سے ایک ایسا بت رہی ہے جس پر ہزار ہا انسانوں  
سروں کے چڑھادے چڑھتے رہے ہیں ”جرمنی“ جرمنوں کے لئے ہے،  
انگلستان انگریزوں کے لئے ہے، ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے ہے۔  
یہ ایسے نعرے ہیں کہ آج بھی جن سے دنیا کی فضا گونج رہی ہے اگر ان نفروں کا  
مطلب یہ ہے کہ دنیا کی طاقتور قوموں کو یہ حق نہیں کہ وہ کمزور قوموں کے اسباب  
حصول دولت پر اپنی طاقت کے بل بونے پر قابض ہو جائیں تو یہ نعرے درست  
ہیں، لیکن اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ ملک اور وطن کے نام پر خدا کی مخلوق میں  
پیدا کی جائے اور خدا کے بندوں کو اس کی پیدا کی ہوئی زمین کے کسی حصہ سے جا  
ظریقوں سے فائدہ اٹھانے سے روکا جائے تو اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام کا اعلان

لا فضل لعربی علی عجمی ولا  
لا حصر علی اسود کلکم من آدم

عربی النسل کو عجمی النسل پر اور سرخ رنگ  
والے کو کالے رنگ والے پر کوئی برتری

وَأَدَمُ مِنْ خِرَابٍ      حاصل نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو

ہر دم علیہ السلام کا مایہ خمیر مٹی ہے۔

لَيْدَةً عَنْ دِجَالٍ نَحْزُ هُمُ الْوَقَامِ      لوگ اپنی قوموں پر فخر کرنا چھوڑ دیں ایسا

انما ہم نخدم من فحتم جہنم      کرنے والے جہنم کا کوئلہ بنیں گے۔

لَيْسَ مَنَا مِنْ دَعَا لِي عَصِيَّةٍ      وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصیت

ان الارض لله      کافرہ لگایا۔ زمین اللہ ہی کی ہے۔

جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَاشٍ      ہم نے تم سب کے لئے زمین میں سامان

معیشت پیدا کر دئے ہیں۔

ہی منافرت | مذہب کے نام پر کبھی جو دنیا میں امن و صلح کا پیغام بھونا چاہئے،

اس و جدل کے نعرے بلند ہوتے رہے ہیں بعثت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)

، وقت بھی فضا ان غروں سے گونج رہی تھی۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی :-

”ہندوستان کے رشتیوں اور بیٹوں نے آریہ ورت سے باہر خدا

کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی ان کے نزدیک پرستیر صرف پاک

آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا خدا کی رہنمائی کا عطیہ صرف اسی

ملک اور نہیں کے بعض خاندانوں کے لئے محفوظ تھا زردشت خاک

ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سناتا تھا۔ بنی اسرائیل

اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے

تھے۔ یہ پیغام محمدی ہی ہے جس نے پورے پچھم اتر و کن ہر طرف خدا کی

آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لئے ملک قوم اور زبان کی تخصیص

نہیں۔ اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر  
ہے ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا  
قرآن کریم نے اس زمانہ کے ارباب مذہب کے یسّٰع و خوب کا ذکر ان الفاظ میں  
نہرایا:-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَى  
عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصْرَى  
لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ  
يَكْفُرُونَ الْكِتَابُ كَذَلِكَ قَالَ  
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ  
یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا دین بے  
بنیاد ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں  
کا دین بے اصل ہے حالانکہ دونوں کے  
پاس اللہ کی کتاب ہے اور وہ اسے پڑھتے  
ہیں۔ ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی  
جو مقدس کتابوں کا علم نہیں رکھتے۔

پھر ان مذہبی گروہوں کے ان غلط خیالات کی تردید اس طرح فرمائی:-

وَأَنَّ مِنْ أُمَّةٍ أَخْلَا بِهَا نَذِيرُهُ  
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا  
أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ  
کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی خدا کے  
عذاب سے ڈرانے والا نہ آیا ہو اور ہر مذہب  
ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیج دیا

کیا جس کا پیغام یہ تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کرنے رہو اور شیطان سے بچے رہو۔

پھر حکم دیا گیا کہ پیغام محمدی کے ہر قبول کرنے والے کے لئے، تمام پچھلے پیغمبروں اور  
ان کے صحیفوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس اقرار کے بغیر کوئی شخص مسلم نہیں  
تسلیم کیا جاسکتا۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ  
پر مبنی گارہ ہیں جو قرآن کریم پر ایمان رکھتے

دَمَّا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ  
ہیں اور ان تمام کتابوں پر جو اس سے  
پہلے اُتریں۔

بھر خدا کے ان مقدس بندوں میں نبی ہونے کے لحاظ سے، کسی قسم کا فرق کرنے  
کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔

كُلٌّ اَمَّنْ بِاللّٰهِ وَرُكْبَتِهِ وَرُكْبَتِهِ  
در محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان  
لاسنے والے) سب ایمان لائے اللہ پر  
مِنْ تَرْسُلِهِ  
اس کے فرشتوں پر اُس کی کتابوں پر

اور اس کے رسولوں پر اور اقرار کیا کہ ہم اس کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔  
قرآن کریم نے اعلان کر دیا کہ شمع نبوت کی یہ روشنی جو آج عرب کے ذروں کو جگمگا  
رہی ہے کوئی نئی روشنی نہیں، بلکہ مختلف عہدوں میں یہی روشنی، زیون کے  
مرغزاروں کو اور ہمالیہ کے کہساروں کو بھی روشن کر چکی ہے اور اب ”پیغام محمدی“  
کے نظر افروز فانوس میں ساری دنیا کو دعوتِ تماشادے رہی ہے اور جہلِ حقیقت  
اور حشمتِ شوق کے درمیان کوئی پردہ باقی نہیں چھوڑ رہی۔

بے شک آفتابِ نبوت اپنی عالم افروز اور جہاں تاب کر فوں کو دنیا  
کے چپے چپے میں بکھیرتا ہوا طلوع ہو چکا ہے، اس لئے ڈوبے ہوئے چاند اور تاروں  
سے رہنمائی کی جستجو بیکار ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا سَلَامٌ  
در حقیقت دین اللہ کے نزدیک سلام ہی ہے  
آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا  
آسمانِ ڈوبے ہوئے ناز و محاکمِ تنگ  
تاہم آفتاب کا کام یہ ہے کہ وہ اندھیرے کو دبر کر دے اور دنیا کو روشنی سے

عمور کر دے، لیکن اگر کوئی چادر میں نہ چھپا کر بیٹھ جائے اور روشنی سے فائدہ ا  
 پسند نہ کرے تو اس کی چادر کو کینچ کر اتار پھینکنا آفتاب کا کام نہیں۔  
 فوراً سلام نے اپنی خلعت پوش شعاعوں سے، حق دیا، معلوم، معروف  
 طاعت و معصیت، عدل و ظلم میں امتیاز پیدا کر دیا۔ ہر شخص کے لئے جس کو د  
 بصیرت حاصل ہے اب یہ ممکن ہے کہ وہ صراط مستقیم کی شاہراہ پر چل کر منہ  
 حقیقت کا سراغ پائے لیکن اگر کوئی عقل کا اندھا کفر و طغیان کی گھاٹیوں میں  
 ٹانگ ٹوٹیاں مارنا پسند کرے تو اس پر کوئی جبر نہیں

لَا إِلَهَ إِلَّا فِي الدِّينِ تَذَكَّرِينَ الرَّحْمَہِ  
 مِّنَ النَّحْيِ  
 اِنَّا نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ لِتُبَيِّنَ  
 لِلنَّاسِ مَا نَاجَىٰ هَتَدٰی فَلَیْلِفْسِہِ  
 دَمِّنْ مَّضَلَّ نَا مَآ یَضِلُّ عَلَیْہِمَا  
 دَمَا اَنْتَ عَلَیْہِم مَّرْکُؤِل  
 دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں، کیونکہ حق  
 اور باطل میں کھلا امتیاز قائم ہو چکا ہے  
 ہم نے یہ کتاب لوگوں کی ہدایت کے لئے  
 آپ پر بھیجی ہے کہ اس کے ساتھ اُتار دے اور جس  
 کسی نے راہ ہدایت قبول کی تو اپنے فائدے  
 کے لئے اور جس کسی نے مگر ہی اختیار کیا

تو اپنے نقصان کے لئے اور اسے پیغمبر آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔

ایک اور جگہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوش و دعوت کی مزاحمت کی جاتی  
 دَلَّوْشَاءَ رَبِّکَ لَا مَن مِّنْ فِی  
 الارض کُلِّہُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ  
 تَمْنٰی الْاَنَاسَ حَتٰی یُکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ  
 اگر تمہارا پروردگار جاہل تو زمین پر سب  
 بسنے والے ایمان لے آتے لیکن اس کا  
 حکمت کا یہ تقاضا نہیں، تو پھر کیا تم لگور  
 کو مجبور کر دے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

اللہ، اگر کوئی فرد یا گروہ صداقت کی اس روشنی ہی کو عمل کر دینا چاہے، یاد دہی  
 اس سے جبراً استفادہ نہ کرنے دے، تو بے شک اس کی مزاحمت کی جائے گی  
 جس کو اختیار ہے کہ اپنی آنکھیں بند کر لے اور ٹوک کر کھا کر گڑبڑے مگر دوسروں  
 انکھوں پر بچی بانٹنے کا حق کسی کو نہیں۔

يُزِيلُ ذُنُوبَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ  
 اِنَّا هُوَ اللَّهُ مُتِمِّمٌ لِّمَنْ تَوَلَّوْا ۗ  
 کفر الکفر ذن  
 فیصلہ ہے کہ وہ اپنے ذر کو پورا کر کے رہیگا  
 کافرا سے پسند نہ کریں۔

قام در انتقام | انتقام در انتقام کا جکر کبھی ہمیشہ دنیا میں خون کے طوفان برپا کرتا رہا  
 خود جزیرۃ العرب نبوت محمدی سے پہلے اس طوفان کی موجوں میں گھرا ہوا تھا  
 لاکھوں میں، سیلوں میں، یا شاعری کی مجلسوں میں کسی بات پر جھڑپ ہو جاتی تھی  
 سیکڑوں تواریخ بنام سے ٹپ کر نکل آتی تھیں اور پھر برسوں اور قرنوں تک  
 ناکہ بین انسانی جاری رہتی تھی۔

انتقام کے اس مجنونانہ جذبہ میں، مجرم و غیر مجرم اور حق و ناحق کا کوئی فرق  
 نہ رہتا تھا اسلام نے سب سے پہلے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ خدا کی مخلوق  
 ، درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ خدا ہی کے مقرر کردہ قانون کے مطابق  
 حکومت کے ذریعہ ہونا چاہئے جو اس قانون کے نفاذ کے لئے قائم ہوئی ہو۔

حکومت امد فیصلہ کا حق صرف خدا ہی کو

اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ

عقل ہے۔

ایسی حکومت کے ارباب بے وسعت و کشاد کے یہ اوصاف بیان فرمائے گئے تھے

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّهٗمْ فِى الْاَرْضِ  
اَتَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ وَامْرَا  
يَا مَعْزُوْبٍ وَهَوَاعِىْنُ الْمُنٰكِرِ  
یہ وہ جماعت ہے کہ اگر ہم انہیں زمین پر  
صاحب اقتدار بنا دیں تو ان کا کام یہ ہوگا  
کہ نماز اور زکوٰۃ کا نفاذ قائم کریں، بھلائی

کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں۔

قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کا کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی حق نہیں دیا گیا  
چنانچہ جب اسلام کے نامور خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کو ابو لؤلؤ نامی ایک غلام نے  
جفینہ لڑائی اور ہرمزان پاریسی کی سازش سے شہید کر دیا اور جوش غضب میں  
دارفہ ہو کر عبید اللہ بن عمرؓ نے اپنے باپ کے انتقام میں ہرمزان کو تہ تیغ کر دیا تو  
قائم مقام خلیفہ حضرت صہیب کے حکم سے انہیں فوراً گرفتار کر لیا گیا اور جب تک  
ان کی طرف سے دیت ادا نہ کر دی گئی رہائی نہ ہو سکی۔

بہر ایک عام حکم دیا گیا کہ دشمن ہوں یا دوست، اپنے ہوں یا غیر، مسلمانوں  
کو چاہئے کہ کسی سے بھی برتاؤ کرتے وقت عدل و انصاف کا سرِ شتمہ ہاتھ سے نہ ڈالیں  
وَلَا يَجْرِيَنَّكَ شَتَانُ قَوْمٍ عَلَى اَنْ  
سَلَّاتُ لَوْ اَعْدَاؤُا هُوَ اَقْرَبُ  
کسی قوم کی دشمنی نہیں اس سے بے انصافی  
پر آمادہ نہ کر دے عدل کو ہاتھ سے نہ دکر وہ  
لِلنَّفْسِیْ  
پر میز نگاری سے زیادہ قریب ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہر شخص قانون کے دائرہ میں رہ کر قانون کے ذریعہ جو زیادتی اس  
کی گئی ہے اس کا بدلہ لے سکتا ہے

فَنَسِ اَعْدَاۤیْ عَلَیْكُمْ فَاَعْدُوا  
جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا عُنْدِي عَلَيْكُمْ  
 بھر بھی عفو و درگزر اور مرحمت و مغفرت کا درجہ بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا  
 بڑا اجر ہے:-

وَمَنْ صَبَرَ وَخَفِيَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ  
 عَزْمِ الْأُمُورِ  
 اور درحقیقت جس نے صبر کیا اور سبک دیا  
 تو بے شبہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے  
 فَمَنْ عَفَىٰ وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ  
 اور جس نے معاف کیا اور صلح کی راہ اختیار

کی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے

خود جناب رسول اکرم صلعم کی حیات طیبہ اس آیت مبارکہ کی علی تفسیر ہے۔ دشمنوں نے  
 آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، آپ کو گالیاں دیں، آپ کو دیوانہ و مجنون کہا، آپ  
 کا مذاق اڑایا، آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے، آپ کے جسم اطہر پر نجاست چھینکی، آپ  
 کی پیشانی اوز کو زخمی کیا آپ کے قتل کی سازش کی اور آخر کار محض اس جرم میں کہ آپ خدا  
 کے گھر میں خدا کا نام کیوں لینے ہیں آپ کو راتوں رات مکہ سے نکل کر مدینہ جانے پر مجبور  
 کر دیا اور پھر وہاں بھی جین سے نہ بیٹھنے دیا۔ بار بار قتل کی سازشیں کی گئیں، عہد نامے  
 توڑے گئے، بدر، احد اور خندق کے سر کے برپا کئے گئے لیکن جب قدرت کے امتحان  
 کی مدت ختم ہوئی اور رب العزت کے دست انتقام کو جنبش ہوئی یہی مجبور و مقہور ستم  
 دیدہ و جفاکشیدہ ”مہاجر“ اسی کعبہ میں جہاں سے انھیں رب کعبہ کا نام لینے اور اس کی  
 بارگاہ نیاز میں سر جھکانے کی بھی اجازت نہ تھی اس شان سے مجلس آراہوا کہ ہزار ہا گردین  
 اس کے سامنے عاجزانہ بھی ہوئی تھیں ہزار ہا زبانیں اس کی عظمت و سطوت کا اعتراف  
 کر رہی تھیں اور ہزار ہا کان اپنی نسمت کا فیصلہ سننے کے لئے اس کی جنبش لب پر گئے ہوئے



تھے، تو تمہیں معلوم ہے کہ اس نے اپنے جان و مال، عزت و آبرو، دین و ایمان کے دشمنوں کے متعلق کس فیصلہ کا اعلان کیا؟ اس نے اعلان کیا:-

لَا تَنْتَرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْ هَلَبُوا  
آزاد ہو جو جاہلوں کو  
فَانْتُمْ لَطَفَاءُ  
آزاد ہو جو جاہلوں کو

استیلاء کامل کے بعد یہ پہلا پیغام امن و سلام تھا بھرچتے الوداع کے مشہور خطبہ میں جو امت کے نام آپ کا آخری پیغام تھا آپ نے جنگ کے دیونا اور انتقام کے بھوت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باہر زنجیر کر دیا آپ نے فرمایا:-

الان كل شئ من امر الجاهلية  
سنو، میں جاہلیت کی تمام زمین اپنے پاؤں  
تحت قدمي موضع دماء الجاهلية  
نئے کھل دیتا ہوں اور انتقام خون کی رسم بھی  
موضع واد دماء من  
اپنے پاؤں سے کھلتا ہوں اور سب سے  
دماء فادام ابن سبيعة  
پہلے اپنے بھائی ربیعہ بنی کے خون کے مطالبہ کو ختم کر رہا ہوں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خلق عظیم اور ذکر جمیل آج نیزہ سو سال گزرنے کے بعد بھی دنیا کی امن پسند اور صلح جو قوموں کے لئے ایک مثلاً و نمونی ہے۔ ہر قوم و ملت کا جھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا آدمی اس روشنی میں اخلاق و انسانیت اور صلح و امن کی گرم شدہ منزل کا سرسبز پاسکتا ہے چنانچہ اگر ہر امن پسند اور صلح جو کے لئے فتنہ فاجر و علی اللہ جس کسی نے عفو و صلح کی راہ اختیار کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، کی بشارت سنائی گئی تو آپ کو دان لک (اجر) غیر محسوس دانہ (علی خلق عظیم) آپ کے لئے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ منقطع ہونے والا نہیں کیونکہ آپ کا اخلاق نہایت بلند ہے، کی کرامت عطا فرمائی گئی۔ اس لئے کہ:-

من سن سنة حسنة فله اجر من  
جس کسی نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اسے ان  
عمل بجا  
سب لوگوں کے برابر ثواب ملے گا جو اس طریقہ کو اختیار کریں گے

فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ بخلفہ محمد و بآئدک وسلم

## نانا راؤ پیشوا

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

نانا راؤ پیشوا کا نام مہاراجہ دھند و بہت تھا۔ مرہٹہ سردار مادھو نرائن راؤ بہت

کے صاحبزادے تھے پیشوا خاندان سے تعلق تھا۔

دہلی کی ہندوستان آیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کے حکمرانوں کو کمزور کر دیا جائے

تاکہ انگریزی طاقت سے ٹکر نہ لے سکیں۔

اس نے ”عہد معاہدہ“ مدد کا طریقہ اختراع کیا جو راجہ اسے قبول کر لے وہ ہمیشہ

کے لئے ختم اور جو نہ قبول کرے اس پر انگریزی فوج کشی مگر اس کا مطلب دکھاوے کا یہ تھا

کہ جو حکمران اسے قبول کرے انگریز اس کے معاون ہوں گے فوجی مدد دیں گے۔ دشمن

کا مقابلہ ہو یا خود ملک کے اندر چھپلش یا بغاوت۔ اس مدد کے بدلے حکمران کا فرض تھا کہ

وہ ملک کا کچھ حصہ کمپنی کو نذر کرے اور معاون انگریزی فوج اپنے ملک میں رکھے اگر مدد قبول

کرانے والوں میں ٹھیکڑا ہو تو کمپنی بیچ بنے گی اور اس کا فیصلہ ماننا پڑے گا وغیرہ یہ تھا

لارڈ دہلی کا جال پیشوا سلطان کے سامنے یہ جال بھینگا گیا مگر اس نے اپنی جان پر کھینا

گوارا کیا اگر نظام اور مرہٹہ دہلی کا ساتھ نہ دیتے تو پیشوا سلطان فرنگیوں کو خلیج بنگال میں

ڈھکیں چکا تھا۔ پھر انہوں کی عذاری سے سلطان میدان جنگ میں آیا نظام انگریز کے

دوست بن چکے تھے مرہٹوں کی خلش دلائی کو باقی تھی۔ اس وقت باجی راؤ پشیوا مرہٹوں کا سردار تھا دلیزی کے ارادے نے مرہٹوں کو فکر مند کیا وہ متفقہ تقدیر آزمائی پر آمادہ ہو گئے مگر مہاراجہ کاٹھوار اور ہنگر شریک نہ ہوئے۔ انگریزوں نے پشیوا پر حملہ کیا مہاراجہ دولت راؤ سندھیا پشیوا کی مدد کو آیا مہاراجہ ہنگر یزدوں سے جا ملا نتیجہ یہ ہوا کہ پشیوا اور سندھیا شکست کھا گئے اور مجبوراً عہد معادنت "قبول کرنا پڑا باجی راؤ جب پونا پہنچا تو اس کا مزہ چکھنا پڑا پھر اس نے کرڈلی دلائی کا بھنڈا گردن سے نکالنا چاہتا تھا سندھیانے بھولندہ کو مدد کے لئے پونا بلایا۔ مگر فوج کے افسر ویرجی تھے دلائی نے پوری قوت مرہٹوں کے مٹانے کے لئے لاکھڑی کی مقابلہ ہوا اور دین انسر تک حرامی کر گئے نتیجہ مرہٹوں کی شکست تھا سلسلہ میں سندھیا اور بھولندہ نے انگریزوں سے صلح کر لی ۱۸۱۸ء میں باجی راؤ سر جان میکم کی سپردگی میں آ گئے اور پونا چھوڑ کر بھوارا کانپور میں اقامت پائی ہوئے ۸ لاکھ روپیہ منشن مقرر ہوئی باجی راؤ کے کوئی اولاد زینہ نہ تھی اس نے اپنے عزیز دامادھو زاین راؤ بھٹ کے صاحبزادے دھوند دہنت کو گودے لیا دامادھو زاین کا وطن "برہم دتا" تھا دھوند دہنت کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔

باجی راؤ نے ان کو متبشی کیا اور رسوم بھی ادا کی گئیں نام ناناراؤ رکھا گیا۔

متعلیم و تربیت | باجی راؤ نے ناناراؤ کو اعلیٰ تعلیم دلوائی انگریزی میں معقول استعداد تھی کتب بینی کا بڑا شوق تھا تاریخ سے دلی لگاؤ تھا۔

۱۰۔ وائل عمری میں انگریز حکام سے گہرے تعلقات تھے بڑے بڑے ڈنر ان کے یہاں ہوتے اور افسران نہیں شرکت کرتے تھے

۱۱۔ کانگریس کے ساتھ سال صفحہ ۸۸ ۱۲۔ مسلمانوں کا دشمن مستقبل

۱۸۵۷ء میں باجی راؤ نے ناناراڈ کو اپنا گدی نشین کیا اس کے ایک سال بعد ۱۸۵۷ء میں وہ انتقال کر گئے یہ زمانہ لارڈ ڈلہوزی کا تھا۔ ناناراڈ کے کلکٹر کانپور ملنے والے تھے انھوں نے عظیم اللہ خاں کی تعریف کی چنانچہ نانا صاحب نے ان کو بلا یا کچھ عرصہ میں تعلقات بے حد قائم ہو گئے

عظیم اللہ خاں کانپور مشن کالج میں مدرس تھے۔ تھے عزیب گھرانہ کے جس انگریز کے یہاں ان کے باپ ملازم تھے اس نے ان کا رحمان طبیعت دیکھ کر شن اسکول میں داخل کر دیا تھا۔ ماسٹر گنگا دین وہاں مدرس تھے ان کی توصیہ بھی زیادہ ہونے لگی محمد علی خاں جی گرین ہم سبق تھے فارغ التحصیل ہو کر کالج میں ہی منسلک ہو گئے عظیم اللہ خاں کو نوکری چھڑوا کر اپنی ریاست کا سربراہ کار کر دیا۔

بنشن کی ضبطی | لارڈ ڈلہوزی نے جہاں ریاستیں ضبط کیں وہاں برہمن ہاتھ مارا نانا صاحب کو قبیہ تسلیم ہی نہیں کیا اور بنشن باجے راڈ کی ضبط کر لی ۸ لاکھ روپیہ کی کمی کا الزما صاحب نے بہت لیا عظیم اللہ خاں نے یہ سنجہ ناناراڈ کے سامنے رکھی کہ میں انگلستان جا کر ڈائریکٹر کے سامنے لارڈ ڈلہوزی کا فرمانہ حکم سامنے رکھوں گا امید ہے وہاں ہماری استدعا منظور ہو جائے چنانچہ نانا صاحب نے ۵ لاکھ روپیہ اور اپنے بھائی بالا صاحب کو کھلے اور محمد علی خاں عرف جی گرین کو عظیم اللہ خاں کے ساتھ انگلستان روانہ کیا یہ جب وہاں پہنچا شاہد ارہوٹل میں مقیم ہوا اور بڑے پیانہ پر دارالامرا کے لارڈس کی دعوتیں کیں اور روپیہ منسل بانی کے بہا یا مشہور وکیل کے گئے ان کے ریشہ ٹھاٹھ نے ”انڈین پریس“ کے نام سے شہرت عظیم اللہ کو دی۔

۱۸۷۱ء جی گرین (مصنف علی گڑھ)

عظیم اللہ خاں ایک حسین افغانی تھا جو ان العمر امرائے انگلستان کی صاحبزادہ جھک پڑیں خط و کتابت ہونے لگی یہ دامن بچا گیا۔ اس زمانہ میں ستارہ کے راجہ کی طرف سے رنگو جی پاپو جی آئے ہوئے تھے وہ بھی ناکامیاب ہوئے اور عظیم کی تمام ماسعی خاک میں مل گئیں ۵ لاکھ روپیہ برباد گیا عظیم اللہ براہ قسطنطنیہ ہندو ۱۸۵۹ء میں روانہ ہوا قسطنطنیہ میں کچھ عرصہ قیام کیا وہاں سے کریمیا گیا ان دنوں وہاں اور انگریزوں میں جنگ ہو رہی تھی ۱۸ جون ۱۸۵۹ء کو انگریزوں نے حملہ کیا شکست یا ہوئے یہ کریمیا میں لندن ٹائمز کے نام نگار سر ولیم ہاورڈ رسل کے خیمہ میں مقیم تھے وہاں سے لوٹ کر قسطنطنیہ آئے جس ہوٹل میں ٹھہرے چند روزی انصران بھی مقیم تھے۔ ان تبادلہ خیالات ہوا۔ انھوں نے کہا ہم انگریزوں کا جہ ہندوستان سے کیوں نہیں کا اگر انقلاب کی تیاری کر دو ہماری حکومت ساتھ دے گی۔ چنانچہ ان کی رضامندی سے ہوئے کچھ روزی پہنچے لگتے ایک نے ہندوستان آکر اپنا نام عبداللہ بیگ رکھا عظیم اور محمد علی خاں روہیل کھنڈی ہندوستان واپس آئے مگر روسیوں کی باقوں کا اثر سے ہوئے تھے اناراد سے تمام رد واد سفر بیان کی ناکامی کو منشن کے بند ہونے کی اور انگریز کی بے انصافی کی خلش تھی ہی وہ عظیم اللہ کے ہم رائے ہو گئے اور کمپنی کے راج کو نرم ہند سے کھونے کے درپے ہوئے رنگو جی پاپو جی ستارا واپس آیا اس نے اپنے علاقہ میں انگریز کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔

انگریزی سیزاری کا سبب | انگریز نے جنگ پلاسی کے بعد سے روپیہ کی نوٹ کھسوٹ اور انگلستان کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے ہندوستانی صنعت کی پامالی۔ ریاستوں

لے دی وزارت دی کریمیا از ولیم رسل لے محمد علی خاں جی گوہرین مصنف جلد انمبر ۲ صفحہ ۱۴۱

حاکم اس سے بڑھ کر ہندو مسلمانوں کے مذہبی رسوم میں مداخلت ہندوستان  
اس کا شمار تو ہو چکا تھا ایک لے دے کے مذہب رہ گیا تھا اس پر بھی ڈاکہ ڈلنے لگا  
بائی مشنریوں نے رسائل بازی شروع کر دی ہر مذہب پر حملہ کرنے لگے ہندو  
مذہب کے خاتمہ کے خواب نظر آنے لگے خیال یہ تھا اگر یہ لوگ عیسائی ہو گئے تو  
ہندوستان کا دھامی پٹہ انگلستان کے حق میں ہو جائے گا مسلمانوں سے حکومت لے  
لیے اور ان پر عتاب کی نظر تھی بھی زیادہ مکہ بھول گارساں دتاسنی  
”جامع مسجد دہلی کو گر جابنانے کے منصوبے ہو رہے تھے“

عیسائی مناد سے علماء بھر پڑے رسالہ بازی کا جواب رسالہ سے دینے لگے  
مسلمانوں میں انگریز سے منافرت دن بدن بڑھنے لگی ہندو ہندوؤں نے بھی اپنی مقدس  
ایوں سے انگریز کے خلاف اشلوک پیش کرنا شروع کیا

مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ (نواب جنپاٹن مدراس کا تخت جگہ نے  
ج تخت کو چھوڑ کر کوچہ نقر میں قدم رکھا پیری مریدی کا شغل اختیار کیا اور حیات  
مکرانہ مٹی گواہ اراکرم شاہ قلندر سے خلافت لی اور نصاریٰ سے جہاد کی  
ذمت لے کر دئی آئے یہاں مفتی صدر الدین خاں آزدہ سے مل کر آگرہ گئے مفتی  
ام اللہ خاں بہادر گوباموی وکیل صدر نظامت کے یہاں مقیم ہوئے ان کا گھر  
ارکا مرکز تھا مجلس علماء کی تشکیل کی وعظ اور تذکیر کا سلسلہ جاری کیا مسٹر جوزف  
نسبی مبلغ عیسویت شاہ صاحب کے ہمنوا ہو گئے بابو بیٹی پرشاد وکیل الہ آبادی  
مدنی بقول مولوی طفیل احمد مشکوری دس دس ہزار ہندو مسلمان شاہ صاحب

تاریخ بناوت ہند

کے دغظ میں شریک ہوتے اگر وہ سے کانپوہ آئے عظیم اللہ خاں ان سے ملے بھر لکھنؤ ہو کر فیض آباد گئے۔

جی ڈبلونا رسترنڈین ہوئی میں چارلس نال کے حوالہ سے لکھتا ہے

”اودھ کے باغیوں کی سجادیز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا

اس مولوی کو انگریز حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصہ سے جاتے تھے

شمالی مغربی صوبہ جات میں ظاہر ہند ہی تبلیغ کی خاطر پھر چکے تھے لیکن فرنگیوں

کے لئے یہ راز ہی رہا اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصہ تک وہ اگر وہ میں مقیم

رہا حیرت انگیز افر شہر کے مسلم باشندوں پر مخاشہ کے مجسٹریٹ ان کی جملہ

نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے عرصہ بعد اس کا یقین ہوا کہ وہ برطانوی حکومت

کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم

میں ملوث نہ پایا گیا وہ آزاد رہے اور لکھنؤ اور فیض آباد گئے جس وقت بعد

کی بغاوت رونما ہوئی . . . . . ایک طاقت ور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔“

اسی طرح ہندوستان میں اور حضرات بھی انگریز کے خلاف عوام کو تیار کر

رہے تھے اس کا افسرکاری ملازمین پر بھی پڑ رہا تھا۔

نانا راؤ اور عظیم اللہ نے دقت کا اندازہ کر کے بھڑ میں ایک جماعت کی تشکیل

کی جس میں مرہٹہ سردار تانسیا ٹوپی، مینا بائی، تانسیا ٹوپی کے والد سری بانڈو راگ لاد

بہت اور البرٹ میکس فرانس کا جرم پیشہ اور مسٹر گارڈن اور مولوی عبداللہ صدیق

اور مساعہ عظیماد وغیرہ شریک ہوئے میکس انگریزی فوج میں ملازم تھا مگر وہ برٹش حکومت

کا تختہ الٹ کر بھر فرانس کا اقتدار ہندوستان پر قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

نانا راؤ نے مرہٹوں اور مسلمانوں کی سادھو اور نفرا کی صورت میں ٹولیاں  
 کانپور سے پونا تک بھیجی شروع کر دیں خود نانیا ٹوپی جو گلیا نہ لباس میں طوفانی دورا  
 کرتے ہوئے افواج سرکاریں بد دلی بھیلا آئے اور عظیم اللہ خاں نے رجواڑوں  
 اور نوابوں کے پاس سفیر روانہ کئے۔ نانا صاحب اور عظیم اللہ نے جاترا کے نام سے  
 ملک کا دور کیا۔ واجد علی شاہ سے ملے وہ توکانوں پر ہاتھ رکھ گئے۔ البتہ علی نقی  
 خاں ہمنوا تھے۔ دلی گئے نانا صاحب خود بادشاہ سے ملے مگر انہیں سکت نہ تھی مگر  
 نانا صاحب اور عظیم اللہ بہت نہ ہارے۔ مولوی احمد اللہ شاہ سے مشورہ ہو چکا تھا  
 بندت کی اسکیم مرتب ہو گئی ملک اعاز ۱۸۵۵ء میں مشل بارود بن چکا تھا شتاب کی  
 دیر تھی بارک پور میں فوجی سپاہی مشکل پائے نے انگریزی اقتدار کے خلاف آواز اٹھائی  
 فوجی آئین کی رو سے اس کو گولی کا نشانہ بنا پڑا ہمارا ہی برخاست کر دئے گئے اس طرف  
 سے افواج سرکاری میں ہیجان پیدا ہو گیا اس کے بعد میرٹھ میں فوجی کمانڈر کی وجہ سے  
 فوج بگڑ گئی شعلے بھڑک اٹھے دور دور اس کی بیٹیں پہنچیں۔ دلی۔ لکھنؤ۔ کانپور نے ریڑ  
 اڑ لیا مولوی احمد اللہ شاہ فیض آباد میں گرفتار کئے گئے نئے جھوٹ کر لکھنؤ آئے اور  
 نصف علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور نواب واجد علی شاہ کے صاحبزادے مرزا برہیس قدیر  
 عمرانی حضرت محل تحت پر شہادے گئے راجہ جواہر سنگہ راجہ مان سنگہ نواب موخاں کی  
 کار فرمائی کو دخل تھا۔

کانپور میں منشی رسول بخش کا کردی جو تحریک انقلاب کے ایک رکن تھے ان کی کارگزاری  
 کی اطلاع مسٹر کارنگی کو مل گئی دھوکہ سے بلا کہ ۲۲ نفوس کے بھانسی پر چڑھا دیا لکھنؤ  
 سے کانپور خیر بھنجی میسر اسد میں کے ساتھ توپ خانہ تھادہ غفہ سے بے تاب ہو گیا اور



نیچلے حکام کے نذر آتش کئے اب اس کے ساتھ شہر کے انقلابی شریک ہو گئے۔  
انقلابی تحریک کچھ قبل بھوٹ پگلی ملک گو تیار ہو چکا تھا مگر بعض علاقے ہمارے نہیں ہوئے  
تھے جس کا اثر بعد میں بڑا ہوا۔

سرکاری فوج جو حریت نواز ہو چکی تھی سیدھی کانپور سے بھڑ بھڑی دہاں سب  
سردار جمع تھے اس واقعہ کے گزرنے سے ان کی اسکیم میں کمزوری واقع ہو گئی تھی مشورے  
ہو رہے تھے کہ فوج نے جاتے ہی ناماراؤ پیشوا کو سلامی دی۔ اور تخت نشین کیا۔ ایک کانسل  
کی تشکیل ہوئی۔ عظیم اللہ خاں۔ تانیا ٹوپی۔ مینا بائی۔ میکسر فرانسسی بالاصاحب گوکھلے  
وغیرہ۔ ناما صاحب نے اس وقت دربار کیا۔ عظیم اللہ خاں نے تمام ہندوستان کا  
راجہ ناما صاحب کو قرار دیا اس رائے کو ہر ایک نے بطیب خاطر منظور کیا دوسرے دن  
ناما صاحب نرک اہتمام کے ساتھ کانپور رونق افروز ہوئے اور عظیم اللہ خاں دبا  
کیا گیا تمام علاقہ شہر اور فوجی امیران شریک دربار ہوئے عظیم اللہ خاں دیوان بنائے  
گئے۔ ناما صاحب نے سبز جھنڈا لہرایا اور تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ

بہادر شاہ دہلی کا یہ جھنڈا ہے اور میں ان کا نائب ہوں بادشاہ ہمارے دی ہیں  
دربار میں سنا چکا گیا عظیم اللہ کی منشا کے خلاف ناما صاحب کا عمل تھا عظیم اللہ اور  
تانیا ٹوپی تمام ہندوستان میں پیشوا کا راج چلوا رہے تھے مگر وقت کا لحاظ کر کے خاموش  
ہو گئے اور ایک تقریر معرکہ کی دربار میں ہر شخص جان بازی اور سرفروشی کے لئے تیار ہو گیا  
ناما صاحب نے فوج کا وزیر جنگ تانیا ٹوپی کو مقرر کیا اور ان کی نائب مینا بائی تجویز ہوئیں  
بارہ ہزار فوج سوار پیدل مع توپ خانہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔

۱۸۵۷ء کا بغاوت

کانپور کی سرکاری فوج کا کمانڈر جنرل دیلر تھا وہ یہ رنگ دیکھ کر سنبھلا  
 میں قلعہ بندی کر کے بیٹھ گیا۔ منیاہائی فوج کو لے کر حملہ آور ہوئی ۲۸ دن متواتر  
 مقابلہ ہونے لگا۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان پہنچا تاہم آخر میں جنرل دیلر نے  
 منیاہائی سے کہا ہم ہتھیار ایک شرط پر ڈالنے کو تیار ہیں کہ ہم سب انگریزوں کو  
 الہ آباد جانے دیا جائے منیاہائی نے تانیا ٹوپی سے کہا اور عظیم اللہ خاں سے مشورہ  
 ہوا بھرنانا صاحب کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش ہوا چنانچہ افسران ناماراؤ اور جنرل دیلر  
 میں عہد و میثاق ہوا دیلر مدد دیگر انگریزوں کے کشتیوں پر سوار کر دیئے گئے جنرل  
 دیلر کی کشتی آگے بڑھی مگر فوجی افسروں کو یہ صورت ناگوار گذری ادھر مانا صاحب  
 گولے کھلے اور البرٹ میکسور اور مانا صاحب کی دانشہ عظیمہ جولا پر شاد نے کشتیوں پر فوجیوں  
 سے بندو قوں کی بارگودادی۔ عظیم اللہ خاں نے اپنی وعدہ خلافی کا بڑا اثر لیا اور وہ  
 مانا صاحب سے یکر بیٹھے۔ جو انگریز بچ سکے وہ الہ آباد چلے گئے۔

کانپور میں نواب محمد علی خاں عرف نئے نواب قراہت دار نواب معتمد الدولہ  
 جو انگریز سے لگٹھے ہوئے تھے ان کا گھر لوٹ لیا گیا۔ پھر شہر میں امن قائم ہو گیا  
 مرہٹہ سردار تانیا ٹوپی رانی جھانسی کی امداد کے لیے گئے مانا صاحب بھور میں مقیم  
 ہو گئے اور انگریز کی طرف سے ان کو غفلت سی رہی۔ کامیابی پر محض قص و سرود  
 نے انگریز کو موقعہ دے دیا چنانچہ جنرل سر ہنری ہیلو لاک اور جنرل سر جیمس اوڈم  
 فوج گراں لے کر بھور پر حملہ آور ہوا۔ جان نثار اس معرکہ میں زیادہ کام آئے مانا صاحب  
 کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی پڑی اور مقابلہ سے ہٹ گئے مگر ان کا خاندان محلات

لے تاریخ بغادت ہند

بھڑور میں گھر گیا۔ نانا راؤ گنگا سے اتر کر نچ پور چوراس پہنچے اور مقیم ہو گئے اور میریلا  
خالی ہا کر انگریزی فوج نے بھڑور پر قبضہ جمالیا لوٹ شروع ہوئی محلات کو تو لوہوں سے  
اڑا دیا جو اس میں تھے وہ بھی خطرے میں مبتلا ہوئے مینا بائی کو گرفتار کر لیا اور محلات  
میں آگ لگا کر اس میں جھونک دی گئی۔ جبریل ہیگ نے مین ہزار انقلابیوں کو دار پر  
چڑھا دیا۔

نانا راؤ نے نواب عالیہ حضرت محل والدہ نواب برص میں قدر بہادر کے باز  
لکھنؤ اپنا دکیل روانہ کیا نواب عالیہ نے راجہ جے لال سنگھ کلکٹر کو حکم دیا کہ ۱۲ اونڈ  
اور ۲۱ چکرے ۱۰ اکڑیاں بچیس ہاتھی لے کر نچ پور چوراسی جاؤ اور نانا صاحب کا  
احترام اور ان کا حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے لکھنؤ لے آؤ چنانچہ نانا صاحب  
ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ کو لکھنؤ میں داخل ہوئے ۱۱ صرب نوپ کی سلامی دی گئی۔  
۲۵ ہزار روپیہ دعوت کے اور خلعت قبائے زریں بشمشیر دسہ ملائے دروا  
نورتن۔ مرصع۔ و دشالہ رومال۔ اسب موساز نقرہ و ہودج نانا راؤ کی خدمت  
میں حضرت محل کی جانب سے نذر کیا گیا۔

نانا راؤ سے عظیم اللہ خاں آکر ملے پھر مولوی احمد اللہ شاہ کے کیمپ میں  
صاحب گئے شاہ صاحب کے یہاں کا دربار جانناؤں اور سرفروشنوں کی محفل  
نانا صاحب کو شاہ صاحب نے گلے سے لگایا اور پہلو میں جگہ دی۔ جبریل سخت خا  
اور شہزادہ فیروز شاہ سے بھی ملاقات ہوئی پھر نانا صاحب بریلی میں نواب خاں  
خاں کے پاس گئے۔ موخاں کی تنون مزاجی سے حضرت محل نے لکھنؤ چھوڑا شاہ

لہ قیصر التوا ربخ حصہ دوم صفحہ ۲۰۱ لہ ایفا

میں ہیٹ کر شاہجہاں پور پہنچ گئے یہاں نواب قادر علی خاں ناظم شہر نواب بہادر  
خاں کی طرف سے تھے

نواب تفضل حسین خاں رئیس فرخ آباد جنرل اسماعیل خاں یہاں آگئے شاہ  
صاحب نے تمام منتشر فوج کو بھر کچا کیا ۲۸ مارچ ۱۷۵۷ء کو بھوپور بہ کے قریب  
انگریزی فوج سے سخت مقابلہ کیا سرکانش کمبل جو لکھنؤ میں شاہ صاحب سے  
شکست کھا چکا تھا وہ فوج گراں لے کر شاہجہاں پور آگیا سب کے مشورے سے  
محمدی پور کی گڈھی پر قبضہ کیا اور حکومت فاکیم کی فوج کے جنرل بخت خاں مقرر  
ہوئے۔ قاضی سرفراز علی گور کہ پوری قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے ناٹاراؤ پیشوا  
دہان اور شاہزادہ فیروز شاہ وزیر اور کونسل میں ڈاکٹر وزیر خاں نواب تفضل حسین  
خاں نواب مومو خاں مولوی عظیم اللہ خاں مولوی لیاقت علی آباد نواب خان بہادر  
خاں وغیرہ تھے سکے مضروب ہوا۔

سکہ وزیر ہفت کشور فاد مخراب شاہ حامی دین محمد احمد اللہ بادشاہ  
نور شاہزادہ فیروز شاہ اور شاہزادہ مرزا کو چک برادر اور طہر بہادر نے چیمگیو بنیاں شروع  
کردی تھیں فیروز شاہ خود بادشاہت کے خواب دیکھ رہے تھے یہاں بھی دو ملاؤں  
بن مرغی حرام ہو گئی حضرت محل برہیں قدر کو لیکر بنیاں لگی مومو خاں چلنے ہوئے  
شاہ صاحب اپنے مرید رام بدو سنگہ رئیس پوٹن کی دعوت پر پوٹن آئیں گئے  
ہو کے سے تنہا پر گولیاں برسائی گئیں یہ ہرجون ۱۷۵۷ء کا واقعہ تھا۔

ڈاکٹر وزیر خاں اور شاہزادہ فیروز شاہ سندیلہ گئے تمام ساتھی منتشر ہو گئے

۱۱ فیبرالوار پنج جمعہ دوم ۱۱ مئی کے چند مہار صفحہ ۱۱

نانا راؤ اور عظیم اللہ بھی نینال کی طرف چلتے ہوئے گورنمنٹ نے گرفتاری کا انعام مقرر کیا چند مشکل مرہٹے شب میں پکڑے گئے اور پھانسی پر لٹکا دئے گئے نانا راؤ پیشوا اور عظیم اللہ نینال کی زانی میں ۱۸۵۹ء تک لوگوں کو نظر آئے۔

نانا راؤ کے حالات انگریز موزمین نے بہتے لفظوں میں بڑھا چڑھا کر لکھے ہیں۔ جمی کہ گارسان دتاسی اپنے خطبات میں ایک جگہ کہتا ہے۔

”مدر کے مگر خراش اور اندوہ گیس مناظر کے بڑے بانوں میں نانا صاحب ایک تعصب کی آگ میں بجھا ہوا ہندو تھا یہ شخص پیشوا یا جی راؤ کا بے پالک (مبتنی) تھا نانا صاحب نے سبھور میں سکونت اختیار کر لی تھی یہ مقام کانپور کے پاس ہے بسا ہے کہ یہ خوشوار انسان انگریزی تقریر و تحریر میں بدطولی رکھتا تھا اس شخص نے شکسپیر کے مشہور ڈرامہ ہملت کا ترجمہ بھی کیا تھا۔“

مگر ذمہ دار برطانوی سرکاروں نے خود تسلیم کیا ہے کہ نانا صاحب کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہ تھا جو کچھ کیلوہ اپنا ملک انگریز سے نکالنے اور بچانے کے لئے کیا چنانچہ گیرٹ اور تھامپسن کی مشہور تصنیف ہندوستان میں برطانوی حکومت کا عروج اور تکمیل “ میں یوں لکھا ہے

”کانپور میں بچوں اور عورتوں کا قتل ایک مجبوزانہ فعل تھا لیکن اس کا باغی فوجیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی ان افواہوں کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ عورتوں پر مظالم اور عصمت دری کے واقعات ہوئے حقیقت

ملہ بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۲ لے خطبات گارسان دتاسی صفحہ ۲۲۶

یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی شہادت نہیں ملتی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قتل عام  
دہشت زدگی بھیلانے یا خود اپنے ہاتھوں کیا گیا ہو اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ  
سب کچھ ان وحشیانہ سزاؤں کے بعد ہوا جو اگینارڈ کے سنتریوں نے  
الہ آباد اور بنارس میں ہندوستانی فوجوں کو دیں۔  
دفات انیال کی ترائی میں نانا صاحب نے اواخر ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا۔

۱۰ فقیر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۸

عالم با حق

**حصہ اول** | اس حصہ میں ان تمام علمائے اہل سنت کے مفصل حالات زندگی اور کارنامے درج ہیں جنہوں نے محضہ کے جہادِ آزادی سے لے کر تخریبِ دارالعلوم دیوبند تک - وطن و ملت کی آزادی کے لئے جدوجہد کی اور اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔  
یہ حصہ ۱۶۵ عنوانات اور ۴۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم | اس حصہ میں دوسری جنگ عظیم سے لے کر جہانگاہی کی قربانی تک کے تمام سیاسی حالات اور اس دوران میں جن علمائے حق نے آزادی وطن اور اس کے بعد ملک میں تمام امن و اتحاد کے لئے انتھک کوششیں کی ہیں ان کا مفصل تذکرہ درج ہے۔

قیمت حصہ اول ۳۰ روپے صفحات مع خوبصورت گردپوش

قیمت حصہ دوم ۷۳۶  
مکتبہ برہسان اردو بازار جامع مسجد دہلی

# آئینہ نامہ

مولفہ مولانا فضل امام عمری خیر آبادی

(از جناب مکیم محمد بہاؤ الدین صاحب صدیقی)

(۱۱) لاحسن لکھنوی | از علامہ لاکمال الدین در علم منطق و حکمت بے نظیر بودہ شرح سلم بغایت خوب نوشتہ است و متن در منطق مسی بعارج العلوم و متن در علم فلسفہ بغایت العلوم بطور شمس باز غہ تحریر فرمودہ و مطالب عالیہ در اں درج کردہ و میرزا ہد رسالہ و میرزا ہد لال و میرزا ہد شرح موافق نیز خواشی دارد شرح مسلم شروع فرمودہ بود نا تمام ماند۔

(۱۲) علامہ برکت اللہ آبادی | نیز از شاگردان مولوی کمال الدین اند جامع فضائل و عادی فواصل بود و رسالہ در تحقیق و مرتبہ علم در سالہ در مدونہ و قدم و حاشیہ مبسوطہ بر میرزا ہد شرح موافق تحریر فرمودہ از دیدن اں کتب احوال جلالت شان و جامعیت مولوی در یافت می گردد۔

(۱۳) مولانا مولوی حمد اللہ سیدی | از علامہ لاکمال الدین است مگر فاسخہ فراغ از مولوی نظام الدین خواندہ در فنون عقل و نقل سرآمد زمان بودہ از تصانیف او شرح تصدیقات مسلم است و حاشیہ شمس باز غہ کہ بغایت متین نوشتہ است۔

(۱۴) فامنی محمد مبارک گوہر پاموی | از ہن رسا و طبیعت عالی داشت و در امور

عامہ دہلی مشہور ہوئے اور اس کے کہ حاشیہ بر میرزا ہندوشت دسلم را شرح کرداں ہوئے  
 متبع طرز میرزا فردا دادا است در عبارت شرح سلم پیروی میرزا اختیار کردہ و اُن کتاب  
 ثابت متین واقع شدہ است قاضی شاگرد ملا قطب گوپا موی است و بعضی کتب  
 از شاہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی افذکر وہ۔ مدتہا در شاہجہاں آباد ماندہ ہیں جادائی  
 حل را البیک اجابت گفت۔ لغش اور انگو پامو بردند۔

(۱۵) مولوی باب اللہ جونپوری | شاگرد مولوی احمد اللہ سندھی در خوش ذہنی وقت  
 ہی مسلم روزگار بود و طریق تعلیم خوب میدانست ہر چند تصنیف نکرده مگر بعض جا حواشی  
 نشتہ است ہرچہ نوشتہ است خوب نوشتہ است۔

(۱۶) مولوی عبداللہ سندھی | در اوائل از تلامذہ ملا کمال الدین بود و در طلبہ کہ در مدرسہ  
 جامع بودند علم امتیازی افزاشت و نظریہ خوش ذہنی و حدت طبع و تیزی فہم ملا نظر تربیت  
 بالمش بیشتر بود چون شمس باز غہ رسید برائے مصلحت و وقت فراغ از مولوی احمد اللہ  
 بدہ غنظتہ تدریس اور اوائل بسیار ہوئے آخر مائل بفقر شد و درس و تدریس بگذاشت۔  
 (۱۷) مولوی احمد اللہ سندھی | از تلامذہ ملا احمد اللہ است بر سلم شرح دہرہ میر  
 ابد حواشی نوشتہ است۔

(۱۸) استاد الاساد مولانا مولوی محمد علم الشہیر بالعالم سندھی | فلسفہ جلیل الشان  
 عالمی ماہر البرہان بودہ در جودت ذہن و حدت طبع و کشف معضلات و حل دقائق  
 بنا و اثبات و اقراں ممتاز و قائل بودہ نمید ملا کمال الدین است در حدت سن از تحصیل  
 ب درسی فراغت کردہ برائے بہرہ ساندن مایہ توکل شاہجہاں آباد آمد و جامع مسجد وارد  
 مصباح آن برائے ملاقات شاہ باسط کہ در حضرت محمد شاہ بادشاہ تقرر داشتند و



عرائض غریب و فضلہ معرفت ایشان بقطعی رسیدند تشریف برده شاہ باسط را برادر  
زادہ بود کہ فضیلت جید داشت معمول شاہ باسط این بودہ کہ اگر فاضلے برائے ملاقات  
ایشان می آمد برادر زادہ خود را طلبید امتحاناً باد مباحثہ گمانیدند شاہ صاحب موافق دستور  
برادر زادہ خود را طلبیدند و در میان مولوی صاحب بحث واقع شد و بطول کشید آخر برادر شاہ  
بی الزام خوردند و صحبت فیما بین کوک نشد مولوی صاحب از اخبار فراموشہ بکان آمدند از فرط علو  
نفس و سمو بہمت و مزید استخفاف فرمودند و بدل خود قرار دادند کہ من بعد حاجت دنیاوی پیش کس  
نبرند و در گوشہ توکل بنشینند دو چار روز در شاہجہاں آباد ماندہ معاودت بوطن فرمودند و در سنہ  
مربع نشین چار ہاش توکل شدند مدت العمر برائے تلاش دنیاوی خود از مکان رہنخواستند و  
بدرس و افادہ علوم و افاضہ فنون اشتغال ورزیدند و در ادب و تعلیم جناب حضرت مولوی صاحب  
در عہد خود نظیر نداشتند و از فیض تربیت جناب ایشان اکثر مردم بزرگوار رسیدند و احوال  
حال بر اکثر کتب درسیہ تعلیقات و حواشی تحریر فرمودند و در مسودات خود از ہر جا کہ یافتند  
جمع فرمودہ ہمہ باراشتند انجہ کہ از تصانیف مولوی صاحب کہ مردم نقل برداشتہ بودند  
کہ مولوی صاحب را وقت شستن مسودات بہت نامد باقی ماند چند رسائل و چند حواشی است  
منجد آں حاشیہ صدر ادر سالہ مسمی لفظ اللیب در مسائل متفرقہ و حاشیہ دار و رسالہ اشکیا  
و تعلیقات بر میرزا بدلا جلال و دیگر چند کتب است عمر مولوی صاحب پہل و پنج سال  
رسیدہ بود و چون وقت ارتحال جناب مولوی صاحب قریب شد مولوی صاحب تلامذہ  
و دیگر بزرگان طلب فرمودہ استشہاد کردند و فرمودند کہ نمایان گواہ باشند کہ من بزرگ ہستی  
و طریقہ حسنی و عقاید نسفی از بس عالم رحلت میکنم و ہماں وقت این بیت فرمودند  
ما بین دو حرف آمد این راہ اللہ محمد و محمد اللہ

پس کلمہ شہد و طیب بر زبان رانہ بادل بیدار بحالم بقاشتا نشند۔

(۱۹) استاد مولانا مولوی عبدالواحد خیر آبادی | از فاضلان تحریر و عالمان خوش تقریر پیوند

سیت نقل و کمالش با کثافت عالم رسیده و کفر مستعدان از فیض تربیت جناب ایشان  
بدارج عالیہ ارتقا کرده اند از پرده سجائے در زبان مولوی صاحب برکتے داده بود کہ ہر کہ در سلک  
شاگردانش السلاک یافتہ از علم پہرہ کافی و خط شافی با و عطامی شد حسن تقریر او شاں بمبر تہ بود  
اکثر عامی و بازاری تقریر مطالب غامضہ می فرمودند و ذائقہ علمی را در ادا دل دہلی نمیہید۔ علم  
وسعت اخلاق و دیگر صفات حمیدہ و ملکات پسندیدہ القاف داشتند۔ شاگرد داشتند  
مولوی محمد علم سندی و مولوی محمد علم مغفور و میر در را با خباب استادے محبتے و انس خاص بود  
جناب استاد کی اکثر کتب درسی از مولوی صاحب خواندہ یعنی کتب از مولوی دہاج الدین  
بن مولوی قطب الدین گوپاموی افذ کردہ و قدرے صدرا با اتفاق مولوی غلام طیب در خیر  
باد از مولوی احمد اللہ خیر آبادی ابن حاجی صفت اللہ فرا گرفته فراغ از مولوی محمد علم مرحوم  
بود در ۱۲۱۸ ہجری از بنگھان رحلت فرمودند عزیزے در تاریخ وفات گفتہ است قطعہ

روز جمعہ کہ بود حبارم عید از جہان سوتے جنت المادوی

رفت و آمد نوزید از رضوان رضی اللہ عنک زود بیا

انا مولوی عبدالحی لکھنوی ابن مولوی نغام الدین ابن لایط الدین | از اساطین علمائے کبار است۔ در

دریں آخر زمان عدیل و مثیل مولوی نیست براکثر کتب حواشی و شرح و تعلیقات تحریر  
بودہ از انجملہ حاشیہ صدر او حاشیہ میرزا بہ شرح مواقف است کہ بغایت مبسوط و منفع  
ست است و شرح مسلم و شرح مسلم و شرح تحریر اصول و حواشی بر زادین و شرح شہنوی  
لنا دم در فادسی در ابتداء در لکھنوا فاضلہ علوم می کرد بعد ازاں بسببے از اسباب از لکھنوا

برآمدہ چندے در راہ پور ماندند و انتخابہ افادہ و افادہ پر دہشتہ پس ازاں بہ بنگالہ تشریف بردند  
و چند سال در بنگالہ نشر فائدہ فرمودہ یہ کہن تشریف بردند و اب محمد علیاں صاحب صوبہ لکناٹ  
مقدم اور اگر اسی داشتہ با قولع احمد امین پیش آمد و یک ہزار روپیہ در مایہ مدد خیر ذات سوائے  
مصارف طلبہ مقرر کرد و نا حال در کہن تشریف می دارند قوت حافظہ جناب مولوی صاحب  
بدرجہ آنست کہ عبارت اکثر کتب دینی از براست ایزد تعالیٰ نقل ظلیل ایشان بر مفاہی مستفیدان  
مخلد و مستدام گردد۔

سید اللہ بہرگامی | در علم و فضل نظیر نداشت۔ در علم لغت و دیگر علوم سرآمد روزگار بوده از  
تفانیان داناد اللیان است در نحو کہ بتاگردے سبقاً سبقاً از ظہر قلب بے مراجعت کتب  
نوشته میداد و قاتح آن کتاب امنیت الحمد لله الذی جعل الکلمۃ لفظاً معنی الا بمان  
ثلا لید بہ فعل الی اسم الکفر و حرف العصیان و حساباً بالسیبر است در علم حساب کہ اکثر  
مسائل را حادی است و ”وجیز“ است در فرائض کہ تمامی کتاب یک جلد است و قاضی  
الغفرار در فارسی ترجمہ ساخت و نام خود در آن نہ نگاشتہ۔

علامہ ابو العزیز غفرہ ہرگامی | از اساطین علماء و اراکین فضلایہ در جمیع علوم دستگاھے طبع و قدرے  
تمام داشتہ۔ برہایہ و مطول و ملاحلال و دیگر کتب حواشی نوشته بود بیشتر تلف شدند زلفی جناب  
استادی مولوی سید عبدالواہد رحمہ اللہ شنیہ ام کہ میفرمودند کہ حاشیہ علامہ کہ بر ملاحلال بوده دیدہ ام  
بنایت متبن نوشته بودند و ازاں حاشیہ مبلغ علم ملامعلوم می شد درینو لا از کتب لانسانے یافتہ  
نیشود و طارست بحال الغفائالت بها الغول یک رسالہ در تحقیق حلیہ خبریہ متضمن جواب شبہ ہذاہم  
محو راں اسباب ہم دیدہ است الحق بنایت خوب و بہر تہ متبن است۔ نقل است گویند کہ  
محب اللہ بہاری صاحب سلم برائے سبق پیش ملا آمدہ بود چون کہ ام وقت خالی نبود و از استجا

برخاسته نزد مولوی قطب الدین سہالی رفت سبق شروع کرد و نیز نقل می کند کہ ملا قطب الدین بارادہ مباحثہ و مذاکرہ نزد ملا ہرگام نشر لہیف بردہ بودند مگر اتفاق نشدہ علامتہ عکس کثیر شدہ ام حالہ ہوس درس تدریس نداشت و شہادت سن دارید و جوانید وقت افادہ است و مباحثہ اگر الزام عائد بطرف من شد مرا خود ہوس درس و تدریس درسی نیست آہنگ دیگر درس است و اگر الزام بطرف شمار سید موجب سقوط اعتبار شامین الطالبیہ خواہد گردید و اخلاص در امر درس شمار خواہد داد و فیض عظیم سید سوزید خواہد شد چون قطب الدین ابن سخن شنیدہ فرمودند کہ مراد عمیہ تمذ است نہ داعیہ برابری اگر استفادہ خواہم کرد کتاب در میان خواہم نہاد آخر کہ آن دو بزرگوار بکمال خلوص و اتحاد و فرط اخلاص و محبت دو چہار روز با ہم صحبت داشتند - ملا از استادان مالگیریاد شاہ اند و در تالیف فتاوی عالمگیری شرکت داشتند و خوانق عادات و کمالات باطنی ملا بسیار نقل می کنند - مزار متبرک ایشان در ہرگام است -

(۲۳) ملا عبدالواحد ہرگامی | جدا علائے محررا و راق فلسفے متبحر بودند بر کافی شرح مبسوط

ویر تحریر اقلیدس حاشیہ و تعلیقات متفرقہ بردایہ و فتنہ بودند چون در عہد بہادر شاہ گردی تمام اسباب آہالی قصبہ بتاراج رفت و راجہ تان و دیگر مردم انشراح کتب و غیرہ آتش دادند ہمہ کتب خانہ سوخت و برباد شد آن مسودات نامندہ استادی مولوی سید عبدالواحد فرمود کہ من خواشی ملا بر تحریر اقلیدس نوشتہ دیدہ ام و بغایت خوب نوشتہ اند و آن کتاب محشی بخواشی ملا عبدالواحد ہرگامی در گوہر مودر کتب خانہ ملا قطب بود و شاید الحال ہم باشند و ہرگام وفات یافت و بہا بنجا مدفون شد -

(۲۴) مولوی محمد مداح ابن عبدالواحد ہرگامی | جد حقیقی ابن محرراست حافظ کلام مجید و

عادی اکثر فنون بردہ بدرس اشتغال نہ نمود و عنقوان شباب مائل توکری شد و در عہد

محمد شاه بادشاه صاحب جاگیر و منصب بوده میل فاطرش بطرف تصوف بیشتر بود و اوراق  
بوسیده بطور مسوده اقتاده بودند دیده ام و کتاب فارسی در تذکره بزرگان داولیا تحریر  
فرموده است آن کتاب بدستخط خاص او نزد محرر موجود است عبارت سیلکس و ششمین  
نوشته اند در حیدرآباد انتقال فرمودند و مزارش بهمانجا است -

(۲۵) مولوی محمد عظیم هریری فاضل ذکی الطبع بودند در علم فقه هم قریب بسیار  
کرده بودند بر میرزا بدشیر شرح تهذیب بعضی بعضی حواشی ایشان دیده شد از لحاظ آن جز  
ذین دعت طبع مولوی میتوان یافت که بچه درجه بوده است -

(۲۶) مولوی احمد عظیم خیرآبادی شاگرد مولوی محمد اعلم و معاصر استاد مولانا عبدالواحد  
است ذین رسا و فکر وقت آشنا داشت مولوی محمد برکت وقت رحلت خود پسر و برادر  
زاده خود را وصیت تحصیل پیش مولوی موصوف کرده بودند مولوی در طب مهارت کلی  
پیدا کرده بود در عتقوان شباب به بیمارستان دق از غیباں رحلت فرمود -

(۲۷) مولوی محمد عظیم مدنی از ملازمه مولوی قطب الدین گوباروی است - بر سلم  
دزادین حواشی و تعلیقات تحریر فرموده است دبیر صدر اسم حاشیه دارد -

(۲۸) مولوی احمد قزنجی بر صدر اسم حاشیه نوشته است خالی از فوائد نیست و شاگرد ملا  
نظام الدین است -

(۲۹) مولوی دباح الدین بن مولوی قطب الدین گوباروی صاحب ذین ناقد و درک صاحب  
دگر عین و عذر و قین بود طبع دباحش بدقائن علمی خوب می رسید در علوم اصول نظیر خود اندیشه  
در هدایه دلی مشهور بوده خلق کثیر در حلقه درس او حاضر شده استفاده علوم می کردند و کثرت  
در مجلس عرس در بیگانه که جمع از فضلا و علماء منتقد بوده از مولوی محمد حسن لکهنوی و

مولوی صاحب در فن اصول مباحثه شده بود چوں سخن بطول کشید دو وقت نماز رسید مقدمه تا صا  
مانده هر دو صاحبان بر فاسقستند -

حضرت شاه عبدالعزیز دہلوی ابن شاه ولی اللہ محدث اکابر اہل علم کا پر - در علم حدیث و فقہ  
اصول و تمامی علوم عربیت خاصہ لغت مشہور اند و خباب شاہ مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب  
بر صغیر سن حفظ کلام مجید کردہ و خود قرائت آموخت و در سیزده سالگی از استقصیل علوم رسمی  
از لغت حاصل کردہ و چند گاہ بر مسند مدرسین متکلم شدہ و خلق را با فاضلہ علوم و اشاعت  
تواریخ و حدیث بہرہ مند ساخت از چند بے سبب عروض بیماری با طاعت و حالت کتاب  
بنی در مولوی صاحب نیست اگر از دین و حافظہ اش حکایت کردہ شود سامان کہ بہرہ  
اہل ملازمت شریفش نشدہ اند غالب است کہ محمول بر حسن ظن و اعزاق نماید تمام علوم و  
سائر فنون چہ عقلی و چہ نقلی بہرہ ازیں اند و در جمیع علوم مولوی صاحب را مرتبہ عقل مستفاد ہم  
رسیدہ روزے یک انگریزے برائے ملاقات مولوی صاحب رفتہ بود ذکر در سفر دیا و بیچھے  
بزار کہ سفائن را در آنجا خطرہ ہا است افتاد مولوی صاحب عرض و طول آن جزیرہ دخم و پنج  
زیراد غیرہ بیان نمط بیان کردند کہ فرنگی در حیرت افتاد کہ کلمات نفسانی و کتابت فاضلہ انسانی  
بناب ایشان چند نیست کہ خامہ مقصدی تحریر یکے از ہزار نمیتواند شد - مصنفات عالیہ  
مولوی صاحب برائے ہر کسے کہ اقتباس انوار حضوری و صحبت مہدی را ادراک نہ نمودہ و دل  
و شن است از جلد تصانیف متنے است در علم کلام و متنے در علم بدیع و بیان و معانی و  
زائجہ تفسیر فارسی است کہ فریب مدح و ذمہ در سپارہ تحریر فرمودہ و ابی تفسیر در حالت یدہا  
استیلائی صنعت کہ طاعت و شستن نداشتند تصنیف فرمودہ اند از شاگردے کہ نمازہ لکبر  
سلام مشرف شدہ بود فرمودند کہ انچہ گویم بخویس پس او شستن شروع میکرد و مولوی صاحب

فرمودن آغاز می کرد باین طور در چند ماه الی تفسیر دومیم سپاره را ارتقام شد و از حمید فوائد مولودی صاحب قصائد عربی است که جلالتِ شان الی قصائد سهرکس که از علم عربیت بهره و از مکارم عرب آشنائی داشته باشند می تواند دریافت کرد درجه درجه بلاغت و اتقان است و در علم حدیث خود نظیر مولویا صاحب در پیچ جانوده باشد و صفحه اثنا عشریه در بحث امامت از مصنفات ایشان است و برادر صغیر مولوی شاه عبدالغفر نیز صاحب الثبائیل مانند برادر بزرگ خود هادی فضائل و مستجمع فاضل اند امروز در علم ریاضی کم کسے بوده باشند که مسامحت با مولویا صاحب تواند نمود و دیگر برادر مولوی شاه عبدالغفر دیندگی و علم و اخلاق عدیل خود ندارند و در زهد و تقوی و طهارت بے مثل اند علم حدیث و احوال . . . . .

... همه از بر است کتب حدیث و فقه را بیشتر درس میگویند و درس منقول را گذاشته اند -

امام اعظم ابو حنیفہ کو فی اہل بیت شائش اڑاں افزوں است کہ در حیطہ غضبہ و رایدہ امام شافعی گفتہ کہ الناس فی الفقہ عیال ابو حنیفہ تولد نہ نفس در سہ ہشتاد و ہجری واقع شد و ہفتاد و سالہ عمر یافتہ و در سنہ یکصد و پنجاہ ہجری از بنیان رحلت فرمود قطعہ تاریخ وفات

سال ہشتاد و حنیفہ زاد + دادہر علم و علم فقہ بلاد + در صد پنچہش وفات رسید + سال عمرش رسید تا ہفتاد و  
 اہم ملک | در سنہ نو و پنج منولہ شدہ و در سنہ یکصد و ہشتاد و دو و ازین جہاں بقالم بقا شافت و عمر مبارک  
 او ہشتاد و ہشت سالہ بود۔

ام شافعی | ولادت اور درس لیکھدوسہجیری بودہ و درس لیکھدوسہ شناد و شست رحلت کرو و بچاہ و دوسال درس جہاں ماند۔

امام محمد بن حنبل | در سه یکصد و پنجاه تولد یافته و در سه یکصد و نود و چهار بر ارض حنبلت خرامید و سنین  
عمرش بحبل و چهار رسیده  
قطعه

سال شهادت بوضیف بزاز + ده و دو بعد از آن شده مالک : منظر شافعی صد و پنجاه + چارده بعد احمد مالک

# ادبیت

## نذر سید الشہدا

(جناب شفیق مدنی جو پوری)

انت کہنی دلاذی دامامی ساقی	فالے بانک رجمان مرامی ساقی
اعتمادی در جائی بسلامی ساقی	عین پیلے کفنی فوق عظامی ساقی
فاسقنی الیوم نکاس الکرم والنعم	ذاب فی ہجرک لہمی وعظامی ساقی
نکتہ ارمن یقع و یبسع الخبث	انت کالیدر علی کل مقام ساقی
بتیک الاطہر لمجاہ شفیق ابدآ	بلغ اللہ صلاتی وسلامی ساقی
ایک آگاہ مقام رسن و دار قوی	راز ایشار قوی معنی ایشار قوی
بارک اللہ کہ در سبکی و خشک لہی	اسد اللہ قوی جعفر طیار قوی
فرش تا عرش مثال کف ید پیش نظر	ایکہ از جملہ مقامات خبردار قوی
تن بہ خاک است و سر پاک تو بر نوک علم	در جہان شہدا یوسف بازار قوی
منزل عشق و من مضطر و حیراں مددے	کہ قدیم راہ مراتب فدا سالار قوی
ہر جگہ بے سر و ساماں ہیں مسلمان آجا	قوم کو یاد نہیں نکتہ تران آجا
مسجد و مدرسہ و خانقہ و صحن حرم	ہر جگہ ہو ترے جلوں سے چراغاں آجا
آکہ فدام بڑی دیر سے نکتے ہیں تجھے	ترا کابل ترا ترکی ترا ایراں آجا
راکب دوش نبی حائل اسرار علی	روشن بارگہ بود ذر و سلمان آجا
بس گئے بدعت سرایہ سے ناوا رکودل	اے حسینؑ ابن علیؑ سوئے غریباں آجا



# تبصرے

**بزم تمغوریہ** | از جناب سید مصباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم۔ اے ضخامت ۴۴۴ صفحہ  
کتابت و طباعت بہتر تقطیع کلاں قیمت معہ ۱۰ روپے :- دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

تمغوری سلاطین جہاں تیغ زن و کشور کشا تھے۔ شعر و ادب اور علم و فن کا بھی شگفتہ ذوق رکھتے اور اس کے قدردان تھے یہاں تک کہ ان کی خوانین بھی علمی و ادبی ذوق میں مردوں سے کم نہیں تھیں لیکن یہ بڑے انوس کی بات ہے کہ ان کی شمشیر زنی کے واقعات سے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر بھرے ہیں۔ مگر ان کے ان علمی و ادبی کارناموں کو اس طرح پر مرتب نہیں کیا گیا کہ جس کو دیکھ کر ان سلاطین کی تصویر کا دوسرا روشن رخ بھی بیک وقت سامنے آسکتا بڑی خوشی کی بات ہے کہ دارالمصنفین اعظم گڑھ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اس کے ایک تجربہ کار و لائق رفیق نے بڑی محنت و جستجو اور کاوش و تحقیق کے بعد ایک ایسا خوشنامہ مرتع بنا کر پیش کر دیا جس میں ان ارباب اورنگ و گنگیں کی بزم آرائیوں کی تصویریں چلتی بھرتی نظر آتی ہیں۔

اس کتاب میں فاضل مولف نے بابر دہلی تمغور سے، اے کہ بہادر شاہ ظفر تک کے تمام سلاطین مغل اور مرزا کا مران (ہمایوں کے بھائی) سے لیکر شاہ عالم کے (سے) مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ تک شہزادگان عالی تبار اور بابر کی مشہور معروف بی بی گلبدن بیگم سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر کی بیٹی بدر النساء تک تمام سراپدگیاں محفاتی شہزادیوں کے ادبی کارناموں اور ان کی فنی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے پھر سلاطین کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان کے دربار سے متعلق بڑے بڑے شاعروں اور ارباب کمال کا بھی تذکرہ آگیا ہے فاضل مصنف نے محض اشعار یا چند واقعات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک مورخ اور نقاد کی حیثیت سے اس زمانہ کے علمی ماحول اور سلاطین کی تعلیم و

ترتیب پر روشنی ڈالنے کے بعد کلام کے مختلف نمونے پیش کئے ہیں اور اس پر تبصرہ کر کے اس کی معنوی اور لفظی غریبوں کو اجاگر کیا ہے۔ البتہ شہزادوں اور شہزادیوں کا تذکرہ بہت مختصر ہے اور اس پر ایک مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ بہر حال یہ کتاب زمان و دیان۔ ترتیب و تدوین۔ کاوش و تحقیق کے اعتبار سے نہایت دلچسپ۔ پرازمعلومات اور فائدہ بخش ہے۔ تاریخ اور ادب کے طلباء اور اساتذہ اس سے یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

**لکھنؤ کی آخری شمع** | از مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی تقطیع خورد و فحاشات ۹۲ صفحات کتابت طبعات بہتر قیمت درج نہیں۔ پتہ ایجوکیشنل بک ہاؤس مول لائن شمشاد بلڈنگ علیگڑھ۔

مردا فرحت الشیبیگ دہلوی مرحوم نے دہلی کی آخری شمع لکھی تھی مفتی صاحب نے اسی طرز پر لکھنؤ کی آخری شمع کا حال سنایا ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے جادو نگار قلم سے دہلی کی بزمِ آخر کے نقشہ میں جو رنگ و روغن بجا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ارباب ذوق اسے پڑھیں اور سر دھننے میں مفتی صاحب نے بھی دامن علی شاہ مرحوم کے عہد کا ایک آخری بزمِ مشاعرہ۔ جلال بارہ درمی میں خود جہان عالمِ اختر بیا کی زیر صدارت منعقد ہوئی تھی۔ اس کی داستان اس انداز سے سنائی ہے کہ اس عہد کے عام ادبی مذاق۔ رنگینی طبع۔ زندہ دلی اور سرسری درندی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے مفتی صاحب نے اس مشاعرہ میں انا لیس شعرا کی نشست دکھائی ہے جن میں لکھنؤ اسکول کے شاعروں کے ساتھ مرزا غالب اور ذوق بھی شریک ہیں مشاعرہ طرعی ہے اور طرح بھی نہایت عجیب و سنحلاخ۔ بھر بھی بعض بعض شاعروں نے خوب اشعار کہے ہیں۔ پورا معاملہ پڑھنے کے بعد صرست ہوتی ہے کہ ہائے بزمِ لکھی آسمان کو کھسکا!

**سیاسیت کے اصول** | از میرزا غلامی صاحب کوثر بی۔ اے تقطیع خورد و فحاشات ۱۸۰

صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت پر۔ پتہ اردو محل حیدر آباد دکن۔

یہ کتاب اگر بہ ابتدائی ہے لیکن اس میں سیاسیات کے مبادی سے متعلق اصولی مباحثہ مثلاً مملکت کی ماہیت۔ مملکت کا آغاز و ارتقا اس سلسلہ میں مملکت سے متعلق مختلف نظریے اور افکار قانون کی تعریف اور اس کے ماخذ۔ مملکت کی تنظیم۔ حکومت کی قسمیں اور مملکت کا مقصد۔ یورپ اور ایشیا کے مختلف دستوری نظام اور ان کے خاکے یہ سب اختصار مگر جامعیت کے ساتھ سہل اور عام فہم زبان میں بیان ہو گئے ہیں اردو زبان میں سیاسیات کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ کتاب بڑی مفید ہوگی۔

**تعمیر** | قطع متوسط اخباری۔ ضخامت دس صفحے کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ چھ روپیہ پر۔ پتہ۔ ادارہ تعلیمات اسلامی نمبر ۴۸ امین آباد پارک لکھنؤ۔

یہ پندرہ روزہ اخبار رندۃ العلماء لکھنؤ کے دو سانسدہ مولانا سید ابوالحسن علی اور مولانا عبد القدوسی کی زیر ادارت چھ ماہ سے نکلتا شروع ہوا ہے۔ اخبار کا مقصد مسلمانوں کو مسلمان بنانا اور اسلام کی تعلیمات سے ان کو آشنا کرنا ہے اب تک اس میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ استدلال سے زیادہ خطابی اور اقناعی طرز کے ہیں سب اسی مقصد کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ موجودہ حالات میں جبکہ اسلام سے بہت دور جا پڑنے کے باعث مسلمان حد سے زیادہ خوف زدہ بزدل اور کمزور ہو گئے ہیں اور خدا سے اپنا رشتہ استوار کرنے کے بجائے ادا طاقتوں کا سپہا بننے کے خواہ ہو گئے ہیں انھیں اس اخبار کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے اور اصلاحی معانی کے علاوہ ہر نمبر میں مصالح ادبیات کا عصر بھی شریک ہوتا ہے جس سے ذوق کی نگلنگی اور تروتازگی کا سامان ہم پہنچ رہا ہے۔

# بُرْهَان

جلد سبست دوم شماره (۲)

فردری ۱۹۴۹ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

مہرست مضامین

- |     |  |                                      |
|-----|--|--------------------------------------|
| ۶۶  | سعید احمد                                  | ۱۔ نظرات                             |
|     | جناب مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی      | ۲۔ تدوین حدیث                        |
| ۶۹  | جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن                 |                                      |
| ۹۷  | جناب مفتی نظام الدین صاحب شہابی اکبر آبادی | ۳۔ ابوالنصر حسین الدین اکبر شاہ ثانی |
|     | جناب مولوی امتیاز علی صاحب عری             | ۴۔ ایک گمنام شاعر                    |
| ۱۱۸ | ناظم کتب خانہ رام پور                      |                                      |
| ۱۲۷ | جناب اسماعیل صاحب شاہجہانپوری              | ۵۔ ادبیات                            |

# نظریات

باخرا اصحاب کو معلوم ہے، کلکتہ میں کلکتہ مدرسہ کے نام سے تقریباً پونے دو سو برس سے مشرقی و مغربی علوم و فنون کی ایک درسگاہ تھی جس کو دارن ہسٹنگز نے سن ۱۷۸۴ء میں قائم کیا اور مشرقی علوم کی درسگاہ ہونے کی حیثیت سے پورے ہندوستان میں یہ پہلی درسگاہ بھی تھی۔ کو انگریزوں نے ان علوم کی سرپرستی کے خیال سے بنایا تھا۔ ڈاکٹر ڈینی سن راس اور ڈاکٹر اسپرنگر ایسے فاضل مشرق اس کے پرنسپل رہے ہیں۔ آخری انگریز پرنسپل سسٹنبار نے تھے۔ ان کے بعد جو ہندوستانی مسلمان پرنسپل مقرر ہوئے وہ بھی علم و فضل کے اعتبار سے نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ یہ درسگاہ گورنمنٹ کی تھی جس کے تمام وسیع اخراجات کا بار بنگال گورنمنٹ برداشت کرتی تھی یہاں کے فارغ التحصیل طلباء کی امتحانی سزات کا اعتبار گورنمنٹ کے ہاں بھی تھا اور ان کے ذریعے یہ لوگ علمی و تعلیمی رتی بھی کرتے تھے اور دعاشی اعتبار سے باعزت زندگی بسر کرنے کے قابل بھی ہوتے تھے اگرچہ گورنمنٹ کی سرپرستی کے باعث عام مسلمانوں نے اس سے محبت نہ کی اس نظر سے نہیں دیکھا جس سے کہ وہ اسی قسم کی دوسری آزاد درسگاہوں کو دیکھتے تھے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کلکتہ مدرسہ کا فنی پورے مشرقی ہندوستان میں عام تھا۔ طلباء یہاں عربی اور دینیات بھی پڑھتے تھے اور انگریزی کے بڑے بڑے امتحانات بھی پاس کرتے تھے۔ اس چیز نے مشرقی ہندوستان کی سوسائٹی پر ایسا خوشگوار اثر ڈالا کہ آج بھی مغربی بنگال میں عموماً اور کلکتہ میں خصوصاً عربی اور فارسی کا حسب سابق چرچا ہے اور اردو بھی یہاں ایسی زبانوں میں حال نہیں جیسی کہ وہ اپنے دس میں ہے۔

تقسیم ہندوستان کے وقت کلکتہ مدرسہ کا پورا اسٹاف خود بخود اٹھ کر مشرقی بنگال چلا گیا اور اس شان سے گیا کہ یہاں بالکل چھاؤں سے گلیا حد یہ ہے کہ کبھی کے نازک باقی نہیں رکھے۔ ان کے بس میں نہ تھا ورنہ مدرسہ کی عمارت کو بھی سر پر اٹھا کر لے جاتے یا کچھ اور نہیں تو اسے منہدم ہی کر جاتے۔

اس صورت حال پر ایک سال گزر چکا تھا۔ اور مدرسہ کی عمارت ایک طرف بی محظوف کی مانند اپنے دیوانہ کر جانے والوں کے ظلم و ستم کی شکوہ سنج بنی کھڑی تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ العالی اور اکابر جمعیت ہند کی تحریک دایا پر مغربی بنگال کی گورنمنٹ نے اس درسگاہ کو بھڑاس کی اسی دیرینہ شان و روایات کے ساتھ از سر نو جاری کرنے کا عزم کر لیا اور اس سلسلہ میں اس کی پرنسپل شپ کی پیش کش خاک را قم المحروف کو کی۔

قارئین برہان جانتے ہیں کہ اصلاح تعلیم کے سلسلہ میں ایک مخصوص نقطہ نظر رکھنا ہوں اس بناء پر یہ خیال کر کے کہ میں یہاں اپنے اس نقطہ نظر کی عملی تشکیل میں کر کے اور اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کو وقت کے مطالبات کے مطابق بنا کر کوئی مفید خدمت کر سکوں گا میں نے یہ پیش کش بخوشی قبول کر لی اور ۲۲ فروری کو کلکتہ پہنچ کر اپنی اس عہدہ کا جارج بھی لے لیا

کل کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوگا۔ بہر حال اس وقت صورت یہ ہے کہ تعلیمی خدمت کے جذبہ نے مجھ کو برہان سے ایک ہزار میل دور کی مسافت پر پہنچا دیا ہے۔ احباب کو مختلف ذرائع سے اس کا علم پہلے ہی ہو گیا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں دفتر برہان میں کثرت سے خطوط موصول ہوئے اور انہیں تشویش دے دینے کے اظہار کے ساتھ دریافت کیا گیا کہ مدبر برہان کا اب کیا ہوگا؟ ”واقعہ یہ ہے کہ برہان کی نسبت سے مجھ کو اپنے وجود کی اہمیت کا پہلی مرتبہ علم انہیں خطوط سے ہوا ورنہ من آنم کہ من داتم!!

ان دوستوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ کے حسن ظن اور میرے متعلق

اس درجہ توجہ فرمائی کہ دل سے شکر گزار رہوں۔ رہا برہان۔ تو حقیقت یہ ہے کہ یوں تو اگرچہ ندۃ المعصنین اور برہان کا قیام و بقا اہل اُس کی ترقی و اشاعت پر سب چیزیں بڑی حد تک برا در محترم مولانا مفتی متین الرحمان صاحب عثمانی ناظم ندۃ المعصنین کی ہی کوششوں اور اُن کے حُسن تدبیر کا نتیجہ ہیں لیکن ستمبر ۱۹۷۷ء کے ہنگامہ میں بربادی کے بعد ادارہ کی نشاۃ ثانیہ تو سراسر انہیں کا کارنامہ ہے۔ اس سلسلہ میں موصوف نے جس جہرت انگیز اولوالعزمی محبت بلند اور استقلال و استقامت کا ثبوت دیا ہے وہ بے شبہ ہمارے بہت سے قومی کارکنوں کے لئے لائق تقلید ہے۔ میں صرف ایک طالب علم کی حیثیت سے نعتیں تحریر یا کاموں میں ان کا رفیق ہوں۔ اور جہاں کہیں بھی رہوں گا میری ان کے ساتھ یہ نفاقت برابر قائم رہے گی۔ اب ادارت برہان سے متعلق مقامی امد کی نگرانی عزیزِ مکرم خواجہ احمد فاروقی ایم اے اور کرمی مفتی انتظام اللہ شہابی کرتے رہیں گے۔ ان دونوں حضرات نے میرے کچھ بغیر ہی ازراہ محبت و سہمدردی برہان کی یہ مدد کرنے کا پختہ وعدہ کیا ہے اور ان کی مستندی و خلوص سے توقع ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیتے رہیں گے۔

برہان کے دوسرے اربابِ قلم دوستوں سے توقع ہے کہ میری عدم موجودگی میں آپ برہان کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھیں گے اور اس کی بقا و ترقی کو اپنا علمی اور اجتماعی فریضہ تصور فرمائیں گے۔

اب آئندہ برہان سے متعلق تمام خط و کتابت دفتر برہان دہلی کے پتہ پر کیجئے اور صرف اہم علمی کن میں برائے تبصرہ اور دینی و اسلامی مقالات برائے اشاعت مجھ کو پتہ ذیل پر بھیجئے:

”پرنسپل مکتبہ مدرسہ ولزلی اسکوائر کلکتہ“

# تدوین حدیث

## تدوین حدیث کا ماحول

(۲)

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ  
دینیات جامعہ عثمانیہ ریہ آباد دکن

ہو سکتا ہے کہ دعویٰ کی اس کلیت میں اغراق کا پہلو پیدا ہو گیا ہو جیسا کہ ابن صلاح نے  
اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، اور ابراہیم سختی، عامر شعبی وغیرہ عربی النسل علما کا تذکرہ  
رکے عبدالرحمن کے اس دعوے پر تنقید بھی کی ہے لیکن کلیت نہ سہی اکثریت کا نوکسی  
روح انکار نہیں کیا جاسکتا خصوصاً لفظ ”الموالی“ کے اطلاق میں اس وسعت کو اگر پیش  
طرک رکھا جائے جو اس زمانے میں لفظ موالی کے استعمال میں پائی جاتی تھی۔

یہ الموالی کا لفظ عربی زبان کا عجیب لفظ ہے مسیوین معانی کے ساتھ یہ بھی عربی زبان کے ان الفاظ  
سے جو جن سے دو متضاد معانی سمجھے جاتے ہیں یعنی اسی موالی کے معنی جہاں غلام کے ہیں، وہاں  
آقا کو بھی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہنے والے خداداد تعالیٰ کو بھی موالی تعالیٰ کہتے ہیں۔ پھر غلام  
و دشمن موالی کے تحت میں داخل ہیں یعنی ایک تو براہ راست غلاموں کو بھی موالی کہتے ہیں نیز  
غلام کی تاریخ کے چند عجائب میں ایک طرف یہ ہے کہ آزاد ہونے کے ساتھ ان آزاد یوں سے استفادہ  
تھے ہوئے جو مفتوح اقوام کے افراد کو اسلام نے دے رکھا تھا۔ بہت جلد ان آزاد ہونے  
بقیہ بر صفحہ آئندہ



میرا مطلب یہ ہے کہ جیسے موالی کا اطلاق ان غیر عربی لوگوں پر ہوتا تھا ان کے آباد اجداد غلام ہونے کے بعد آزاد ہو جانے تھے اسی طرح موالی بر کے لوگ بھی شریک تھے، جن کا نسلا کسی عربی قبیلہ سے تعلق نہ ہوتا تھا، اور وہ عرب سے باہر کسی ملک میں ہوتا۔ اسلامی علاقے کے امن و امان، عدل و انصاف کا شہرہ من کر مسلمان ہونے کے بعد عربی قبائل کی آبادیوں مثلاً کوفہ بصرہ وغیرہ بنانا چاہتے تو کسی عربی قبیلہ سے دوستی اور باہمی امداد و معاونت کا معاملہ اور مردہ بڑے بھر جس قبیلہ سے ان کا تعلق ہوتا اسی قبیلہ کی طرف ان کو منسوب بھی تھا امداد اسی قبیلہ کے موالی میں وہ شمار ہونے تھے اسی طرح جس عربی مسلمان ہو غیر عربی آدمی اسلام لانا، تو جو قبیلہ اس عربی النسل آدمی کا ہوتا تھا اسی قبیلہ اس نو مسلم عجمی مسلمان کو بھی منسوب کر دیتے تھے اور یوں اسی قبیلہ کے موالی کو داخل کر لیا جاتا تھا کہتے ہیں کہ امام المحدثین امام بخاری جو نسلا ترک تبار وہ انجمنی کی نسبت کے ساتھ جو مشہور ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے جیسا کہ سب

(سلسلہ معتمد گذشتہ) والے غلاموں کی معاشی حالت اتنی بلند ہو جاتی تھی کہ چند ہی دن بعد غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح یہ غلاموں کے غلام جو موالی کہلاتے تھے اسی طرح آزاد ہو کر غلام خریدتے اور آزاد کرتے اس سلسلہ میں ابن سعد بطریق نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن حنین جو زہری وغیرہ کے اساتذہ میں ہیں لوگ عثمان بن عباسی کے موالی میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت حضرت عباسؓ پانچویں درجہ کے آقا میں جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے شمس نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا نے متقب نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا اور شمس نے سہل نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا نے حنین نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا تھا مگر بولنے میں لوگ حنین کو حضرت عباسؓ کا موالی تھے ص ۵۵ ج ۵ ابن سعد

یا لکھا ہے -

بجدہ کان مجوسیا امام بخاری کے دادا مجوسی داکش پرست  
لمع علی الیمان بن پارسیتھے، پھر یان بن افنس الجعفی کے ہاتھ  
نس الجعفی ص ۲۶۷ پراسلام لائے اس لئے وہ بھی جعفی کی نسبت  
سے مشہور ہوئے۔

سینف کے متعلق بھی ان کے پوتے اسماعیل بن حماد کا یہی دعویٰ تھا۔

بہر حال اسلام کی دھڑ سے جو مولیٰ ہوتے تھے ان کو مولیٰ الاسلام کہتے تھے  
باہمی کے معاہدہ کی دھڑ سے مولیٰ کہلانے والے مولیٰ الحلف سمجھے جاتے تھے  
دادے مولیٰ کو مولیٰ العتاقہ کہتے تھے۔ نو دی نے لکھا ہے کہ گو مولیٰ کے لفظ  
سب ہی پر ہوتا ہے، لیکن

لی عتاقہ هو الغالب مولیٰ کے لفظ کا اطلاق زیادہ تر مولیٰ عتاقہ

تقریب ص ۱۶۷ ہی پر کیا جاتا ہے یعنی آزاد شدہ غلام ہی

مفہوم اس لفظ کا زیادہ عام اور غالب ہے۔

ل سے میری غرض یہ ہے کہ اسلام کی ان ابتدائی صدیوں میں "مولیٰ" کی عجیب  
طاقت دینی علوم کی حفظ و نگہ رانی تبلیغ و اشاعت کے لئے قدرت کی طرف  
ہا ہو گئی تھی اس میں گو زیادہ تعداد تو ان ہی لوگوں کی تھی جنہوں نے باجن کے  
سے غلامی کے بعد آزادی حاصل کی، اور اسلام کے عطا کردہ حقوق سے  
ہوتے ہوئے حکومت و قوت کی بے اعتنائیوں کے باوجود مسلمانوں میں  
امیاز حاصل کر لیا تھا لیکن یہ خیال صحیح نہ ہو گا کہ سب ہی غلام اور غلاموں

کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بلکہ ایک گروہ ان میں دوسری شہم کے موالی کا بھی تھا چونکہ سلا عرب قبائل سے ان بے چاروں کا بھی رشتہ نہ تھا اس لئے حکومت کا نقطہ نظر ان کے ساتھ بھی فریب فریب وہی تھا جو غلاموں کے ساتھ اور غلاموں کی نسل کے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ اگرچہ اس نقطہ نظر کے قایم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی، جتنا ان کو گراتا جا رہی تھی۔ اسلام ان کو اسی قدر بلند و برتر کرنا چلا جاتا تھا آپ ہی خیال کیجئے کہ جہاں حال یہ ہو کر سبھا کا رہنے والا نو مسلم جس کا نام بشیر تھا بخارا سے بہ تواتر روزگار مسلمانوں کی نئی فوجی جھانڈنیوں اور نئی آبا دیوں کی طرف رخ کرتا ہے حالات مساعدت کرنے میں بنی امیہ کے طاعنہ حجاج بن یوسف اس کے پکائے ہوئے کھانے کو پسند کرتا ہے۔ حجاج کے باورچی خانہ میں اس کا تقرر ہو جاتا ہے کو ذمہ اس طریقہ سے اس بے چارے کو قیام کا موقع مل جاتا ہے ساتھ اس کے اس کا لڑکا ہشیم نامی بھی ہے۔ ہشیم کو ذمہ کے تعلیمی حلقوں میں آنا جانا شروع کرتے ہیں غریب باورچی اپنے بچے کے اس علمی ذوق کو پسند نہیں کرتا۔ چاہتا تھا کہ تجھ سے طباطبائی کے کچھ گرسکھے یہ اس بچے کے لئے زیادہ مفید ہو گا جیسا اسی عرصہ میں ہشیم بیمار پڑنے میں اسی زمانہ میں واسطہ کے قاضی ابوشعبہ کے حلقہ درس میں ہشیم آمد و رفت رکھتے تھے بیمار ہو جانے کی وجہ سے حلقہ درس میں شریک نہ ہو سکے تو قاضی صاحب نے ساتھیوں سے پوچھا وہ نوجوان ہشیم کیوں نہیں آ رہا ہے۔ لوگوں نے علالت کی خبر دی۔ قاضی پر ہشیم کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اتنا اثر تھا کہ اسی وقت ہشیم کی عبادت کے لئے روانہ ہوئے بشیر باورچی گھر ہی میں تھا اطلاع دی گئی کہ قاضی ابوشعبہ تمہارے بچے کی عبادت کے لئے آئے ہوئے ہیں گھر کر باہر نکلا دھنی شہر کے قاضی کو دروازے پر کھڑا پایا

ن کی خواہش پر اندر سے گیا جب عیادت کر کے قاضی رخصت ہوئے تب بشر نے  
نہیم کو خطاب کر کے کہا کہ

یا بنی قذکنت امنعک من یطی! تجھے علم حدیث کے سیکھنے سے  
طلب الحدیث فاما الیوم میں روکا کرتا تھا، مگر آج کے دن کے بعد  
فلا صار لقا ضی یحیی نہیں، شہر کا قاضی، میرے دروازے پر  
الی بابی متی املت انا هذا؟ آنے لگا تجھے اس کی کہاں امید تھی؟  
خطیب مکتب ج ۱۲

ر بادرجی کے اسی لڑکے کا ذکر اس وقت تک حافظ حدیث کے سلسلے میں ان الفاظ  
، ساتھ کیا جاتا ہے جیسا کہ الذہبی نے ان ہی الفاظ سے ان کا تذکرہ شروع کیا ہے  
الحافظ الکبیر، محدث حدیث کے بہت بڑے حافظ اپنے وقت  
العصری ۲۲۹ ج اندر ذکر انھما کے محدث،  
مابت ہو کہ اس بادرجی کے لڑکے کا حافظ اتنا قوی تھا کہ عبداللہ بن المبارک جیسے  
مخاطب ناقد کو کہنا پڑا

من غیر الدھر حفظہ زانیہ یعنی بڑا بے کی دھبے سے کسی کا حافظ  
نہم یغیر حفظہ شیم ۲۲ متاثر بھی ہو گیا ہو لیکن نہیم ان لوگوں میں  
ہیں جن کے حافظ میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔

اور یہ بھٹس قدرت کی وہ فنی کا دروایاں جن کے ذریعہ سے اپنے آخری پیغمبر کے  
تعلقہ معلومات کی حفاظت و اشاعت کے لئے غیر معمولی صلاحیتوں کے رکھنے والے  
راغوز اور دلوں کو مختلف گوشوں سے اکٹھا کر کے اسی خدمت میں ان کو رہ مشغول

کر رہی تھی حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ جو بڑے بچے اور بڑھنے کے لئے  
 پیدا کئے گئے تھے دنیا میں بڑھنے سے ان کو روکا جاتا تھا تو وہ قدرتاً دین اور دنیا  
 کو لے آکر آگے بڑھ جاتے تھے بصرہ کے ایک تابعی بزرگ جن کا نام فرقہ تھا اپنے  
 شاگردوں کو خطاب کر کے کہہ فرماتے بھی تھے۔

ان ملوککھ لقیاتلو ککھ  
 تمہارے سلاطین تم سے دنیا کے متعلق  
 علی الدیناخذ عہم الدینا  
 جھگڑتے اور لڑائیاں کرتے ہیں، پس کتاب  
 ص ۱۹۶ ج ۲ صفحہ الصفرة ابن جوزی  
 سہ ہے کہ ان کو اران کی دنیا کو ان ہی کے لئے

چھوڑ دو۔

انتہا اس ذوق کی یہ تھی کہ مولیٰ میں وہی نہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، بلکہ جو  
 نہیں ہوئے تھے ان کے اندر بھی اس علم کے طب اور حصول کا جذبہ بھڑک اٹھا تھا  
 میں یہ کہنا چاہتا ہوں جیسا کہ پہلے لکھی کہ ہے کہ اسلامی شہروں کے امن و امان  
 فراعنالی و فراخی کے چروچوں کو سن سن کر عرب کے باہر کے لوگ بھی عرب میں آکر آ  
 ہو رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایک عیسائی طبیب جو شام کا رہنے والا  
 اس نے طبابت کرنے کے لئے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کیا اور مشہور قرشی خاندان  
 آل جبر بن مطعم سے مولاۃ کا رشتہ اس نے قائم کر لیا تھا یہ پہلی صدی ہجری کے ابتدائی  
 کا زمانہ تھا نام اس عیسائی طبیب کا عبدالرحمن اور کنیت اس کی ابو داؤد تھی ابن سیرین  
 نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں قیام کے باوجود آخر وقت تک عیسائی ہی رہا۔ کوہ صفا  
 طرف حرم کی مسجد کا جو مینار تھا، اسی مینار کے نیچے اس کا مطب تھا کعبہ سے اس  
 کے باوجود کفر پر اس کا اصرار عجیب تھا کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے بطور ضرب المثل

یہ نفرہ مشہور ہو گیا تھا کہ

اکفر من عبد الرحمن یعنی فلاں آدمی عبد الرحمن نصرانی سے بھی زیادہ کافر ہے

بہر حال خود تو یہ عیسائی ہی رہا اور مرا بھی اسی حال میں لیکن مسلمانوں کے ساتھ میری  
سہنے کا یہ اثر پڑا کہ اس کی زندگی ہی میں اس کے بچے سب مسلمان ہو چکے تھے بلکہ بعض  
روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے باپ ہی کے اشارے سے وہ مسلمان ہوئے  
تھے کھانا ہے کہ بچپن ہی میں اپنے بچوں کو

یعلیٰ علیہم الکتابۃ والقلآن کھانے کی اور قرآن و فقہ کی تعلیم دینا تھا  
والفقہ

یہ بھی لوگوں کا بیان ہے کہ

و یحییٰ علی الادب و لزوم اپنے بچوں کو اس کا شوق دینا کہ ادب سیکھو  
اہل الخیر من المسلمین اور مسلمانوں میں جو نیک کردار مہتیاں میں  
ابن سعد ۲۹۵ ج ۲ ان کی صحبت اختیار کرو،

اسی عبد الرحمن نصرانی کے بچوں میں داؤد جس کی وجہ سے اس نے اپنی کنیت ابو داؤد  
رکھی تھی۔ علاوہ دوسرے اسلامی علوم کے خصوصیت کے ساتھ حدیث میں خاص  
امتیاز انھوں نے حاصل کیا تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ

و کان کثیر الحدیث ۳۶۵ حدیث کا کافی ذخیرہ ان کے پاس تھا

وقت کے مستند ائمہ اور شیوخ سے داؤد نے اس علم کو حاصل کیا تھا حافظ ابن حجر نے  
ان کے اساتذہ میں ہشام بن عروہ ابن جریج سمر ابن قتیب عمرو بن دینار وغیرہم کا نام لیا  
ہے اور داؤد کے شاگردوں میں نوہم دوسروں کے ساتھ امام شافعی اور عبد اللہ بن مبارک

مسیحی شہنشاہوں کو بھی پاتے ہیں۔ جو داؤد کے استناد و مبادلت شان کے لئے کافی ہو  
ابن حبان نے ان کی توثیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

کان متقنا من فقہاء اہل بڑے سنجیدہ آدمی تھے کہ کے فقہاء میں ان

مکہ تہذیب ص ۱۹۲ کا شمار تھا

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کثیر الحدیث ہونے کے ساتھ ”فقہ“ میں بھی ان کی قابلیت مسلم  
تھی سیرت ذکر دار کے لحاظ سے یہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر نے ابراہیم بن محمد الشافعی کے  
حوالے سے نقل کیا ہے، کہ

ما رأیت احداً اعبداً من بنی فضیل بن عیاض سے زیادہ عبادت گزار

فضیل بن عیاض ولا ادع اور داؤد بن عبدالرحمن (النفرائی) سے زیادہ

من داؤد بن عبدالرحمن پر سبزیگار اور ابن عیینہ سے زیادہ حدیث کے

ولا ادراس فی الحدیث من فن میں ہوشیار آدمی نہیں دیکھا۔

ابن عیینہ (۶)

فضیل بن عیاض اور ابن عیینہ جیسے اکابر کے ساتھ داؤد کا تذکرہ خود ہی بتا رہا ہے کہ اس

لحاظ سے بھی مسلمانوں کا کیا مقام تھا۔ اور اس قسم کے واقعات مثلاً ابن سعد نے دمشق

کے محدث عبدالرحمن بن مہیرہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ خواب میں ایک دفعہ سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ان کو نصیب ہوئی خیال گذرا کہ اس سے بہتر موقعہ اور کیا

ملے گا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے عبدالرحمن نے فائدہ اٹھایا جا ہا۔ لیکن

کس چیز کی دعا کرائی جاتے؟ جب یہ سوال ان کے سامنے آیا تو اس وقت دنیا اور

آخرت کی باتوں میں سے ایسی بات جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی

جائے ان کی سمجھ میں یہی آئی جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا  
یا نبی اللہ ادع لی اکون عقولا اے اللہ کے نبی! میرے لئے دعا فرمائیے  
محدثین ودعاة لہ ابن سعد کہ حدیث کی سمجھ مجھ میں پیدا ہو جائے اور  
ص ۱۶۳ ج ۷ قسم دوم اس کاثرٹ میں بن ہاؤں (یعنی حدیثیں مجھے محفوظ  
ہو جائیں)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں طلب حدیث کے متعلق لوگوں کے دل و دماغ کی  
کیا نوعیت تھی۔ گویا کہا جاسکتا ہے کہ بیداری قوم بیداری خواب میں بھی اسی کا ذوق ان پر  
مسلط رہتا تھا۔

طلب حدیث میں سفر | لوگ سوچتے نہیں وہ ان کی معلومات کی جستجو اور تلاش میں لوگوں کا  
یہ حال تھا کہ نہ وقت کی ان کو پرواہ ہوتی تھی نہ مال کی اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی جو  
دی جاسکتی تھی دینے والے دے رہے تھے عبدان بن کاندکرہ شروع کرتے ہوئے  
الذہبی نے لکھا ہے کہ ”الحافظ الامام رحلتہ الوقت“ خود اپنا حال بیان کرتے تھے  
کہ اپنے سیکڑوں اساتذہ میں سے صرف ایوب کی حدیثوں کی تلاش میں

دخلت البصرة ثمانی عشرہ شہر بصرہ کا ٹھارہ دفعہ میں نے سفر  
مرۃ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳ ج ۲ کیا۔

ابو حاتم رازی جو عل کے امام ہیں، لکھا ہے کہ محل دھوا مرد یعنی سبزہ  
آغاز ہونے سے پہلے ہی طلب حدیث میں وطن سے نکل پڑے۔ برسوں سفر میں رہتے  
وطن واپس لوٹتے اور پھر روانہ ہو جاتے، خود ان کا بیان الذہبی نے نقل کیا ہے کہ  
اول ما رحلت انتمت سبع پہلی دفعہ گھر سے جب طلب حدیث میں نکلا تو



سنین تذکرہ ص ۲۵۱۲۲ تورات سال تک سفر ہی میں رہا  
 کہتے تھے کہ شروع میں کتنے میل جدا اس کا خیال رکھا تھا۔ تین ہزار میل تک تو میں گنتارا  
 لیکن پھر گنا چھوڑ دیا۔ پیدل کنفی لمبی لمبی مسافتیں اس راہ میں انھوں نے طے کی تھیں  
 اس کا اندازہ اسی سے کیجئے خود ہی بیان کرتے تھے کہ

خروجت من البحرین الی مصری بجرین سے مصر پیدل گیا پھر مد سے طرطوس  
 ماشیا ثم الی الراملة ماشیا کاسفر بھی پیدل ہی کیا، اس وقت میری عمر  
 ثمر الی طرطوس دلحی میں سال کی تھی۔

عشرون سنة (۲۰)

اطلس اٹھا کر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ بحرین (عرب) سے مصر، مصر سے مد (فلسطین)  
 اور مد سے طرطوس کا فاصلہ کتنے ہزار میلوں کا ہے خدا ہی جانتا ہے کہ اس قسم کے  
 سنگ و میل والے سفر میں کن کن حالات سے لوگوں کو گزرنا پڑتا تھا۔ خصوصاً اس زمانہ  
 میں جب مواصلات کے موجودہ ذرائع سے دنیا بھر دم بھتی ان ہی ابو حاتم رازی نے  
 ایک سفر کا فقہ یہ بیان کیا ہے جسے ذہبی نے نقل کیا ہے، میں اسی سے ترجمہ کرتا ہوں  
 ابو حاتم کہتے ہیں۔

میں اور میرے چند رفقاء جہاز سے اترے، خشکی پر پہنچنے کے بعد دیکھ  
 تو زاد راہ ختم ہو چکا ہے۔ کیا کرتے، ساحل سے پیادہ باہم لوگ روانہ ہوئے۔  
 دن تک چلتے رہے لانا کل شنیثاً (قطعاً اس عرصہ میں کچھ نہ کھایا)، آخر ایک رفیق  
 زیادہ سن رسیدہ اور ضعیف العمر تھے بے ہوش ہو کر گر پڑے، لاکھ ہم لوگوں نے  
 کہ مھنجوڑا، ہلایا لیکن کسی قسم کی جنبش اور حرکت ان میں محسوس نہ ہوئی، مجبوراً

چارے کو اسی حال میں چھوڑ کر آگے بڑھے تھوڑی دیر چلنے کے بعد چکر آکر آخر میں بھی گھر پہنچ گیا، اب ایک رفیق اکیلا رہ گیا، ساحل سمندر کے کنارے کنارے یہ سفر موبہا تھا، مجھے چھوڑ کر وہ آگے بڑھا، دور سے اس کو سمندر میں ایک جہاز نظر آیا۔ دریا کے کنارے جا کر اس نے رد مال ہلانا شروع کیا۔ جہاز داڑے متوجہ ہوتے اور چند آدمی اس سے اتر کر اس رفیق سے ملے، حال پوچھا پیاس سے اس کا برا حال تھا، پانی کی طرف اشارہ کیا جہاز والوں نے اس کو پانی پلایا جب کچھ اس کے ہوش بجا ہوئے، تب اس نے کہا کہ میرے اور دو رفیقوں کی غذا کے لئے خبر لیجئے۔ جہاز داڑے اس کی راہ نمائی میں اس جگہ پہنچے جہاں میں گرا پڑا ہوا تھا منہ پر چھینٹے دئے گئے اس وقت مجھ کو ہوش آیا۔ مجھے پانی پلایا گیا پھر اس بیچارے ضعیف العمر آدمی کے پاس لوگ پہنچے ان کو بھی ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔“ ص ۱۳۲ ج ۲ تذکرۃ الحفاظ۔

رحلات اور اسفار طویلہ کے یہ قصے کیا کسی ایک دو آدمی تک محدود ہیں جانتے داڑے جانتے ہیں کہ ”رہلت“ یعنی طلبِ مہمیت میں سفر کرنا اس علم کے لوازم میں سے تھا جس کے بغیر کوئی محدث محدث بن نہیں سکتا تھا کسی بڑے ممتاز آدمی کا حال تھا کہ دیکھئے ایک طویل فہرست ان کے رحلات کی آپ کو نظر آئے گی امام بخاری ہی ہیں یہ لکھنے کے بعد کہ بچپن ہی میں امام بخاری نے عبد اللہ بن المبارک کی کتاب میں زبانی یاد کر لی تھیں اللہ سبحانی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ

مرحل مع امہ واختہ سنۃ	اپنی والدہ اور ہمیشہ کے ساتھ سنۃ ہجری
عشر دماشتین بعد ان سمع	میں سفر کیا یہ سفر امام نے ان مدتوں کے
مہدیات بلدہ من محمد	سننے کے بعد کیا تھا جنہیں اپنے شہر بخارا کے

بن سلام والمسندي لمحمد  
بن يوسف البيكدي وسمع  
بلخ من مكي بن ابراهيم و  
وبغداد من عفان ومكة  
من المقرئ، وبالبصرة من  
ابي عاصم والافراسي  
وبالكوفة من عبد الله ومسي  
وبالشام من ابي المغيرة والقفطي  
وبعقلان من آدم ومحبص  
من ابي اليمان، وبدمشق  
من ابي مسهر

عمار محمد بن سلام مسندي محمد بن يوسف بيكندي  
سے وہ روایت کرتے تھے امام نے بلخ میں  
مکی بن ابراہیم سے بغداد میں عفان سے مکہ میں  
مقرئ سے بصرہ میں ابو عاصم اور الانصاری  
سے کوفہ میں عبد اللہ اور موسیٰ سے شام میں  
ابو المغیرہ و قفطی سے عسقلان میں آدم سے  
حمص میں ابو الیمان سے دمشق میں ابو مسہر  
سے مدینہ سنیں۔

ص ۱۲۲ ج ۲ تذکرۃ الحفاظ

حالانکہ یہ فہرست قطعاً غیر مکمل ہے اس میں نہ مدینہ کا نام ہے اور نہ یمن کا اور نہ  
بہت سے دوسرے شہروں کا جہاں امام بخاری حدیث ہی کی جستجو میں گئے، تاہم اس فہر  
فہرست میں بھی آپ کو بخارا اور بیکندرجہ امام بخاری کا وطن ہے، اس کے سوا بلخ، بغداد  
مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، دمشق جیسے شہروں کے نام درج ہیں جن  
میں نہ ہزار ہا ہزار میل کے فاصلے ہیں۔ الخطیب نے امام کے علمی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے  
لکھا ہے۔

مرحل فی طلب العلم الی سائر  
علم کی طلب میں تمام (اسلامی) شہروں کا لام

محمد ثانی الامصاص ص ۱۲۲ ج ۲ بخاری نے سفر کیا۔

امام بخاری کے بعد اسی طرح حافظ ابو زرعہ کے تذکرے میں ذہبی ہی لکھتے ہیں کہ  
 حرمین عراق شام جزیرہ خراسان مصر میں دیکھو مٹے رہے جیسا کہ میں نے کہا کسی محدث  
 و حافظ کا تذکرہ اٹھا کر دیکھ لیجئے ان مقامات اور بلاد کی ایک طویل فہرست آپ کو مل جائے  
 گی، جہاں ان کی علمی تشنگی ان کو لئے لئے بھرتی تھی۔ غریب الوطنی کی عام صعوبتوں کے سوا  
 جن سے پر دہی مسافر کہ بہر حال دو چار سی ہوتا پڑتا ہے۔ اس قسم کے لمبے لمبے سفر، اور  
 سفر ہی نہیں بلکہ طلب علم کے لئے چونکہ سفر کیا جاتا تھا، اس لئے لازماً ایک ایک جگہ میں  
 ان لوگوں کو مہینوں اور لمبا اوقات برسوں سہر کرنے پڑتے تھے آج بھی تعلیمی سفر اختیار کرتے  
 والے طلبہ جو امریکہ و یورپ جاتے ہیں، دو دو بیار چار سال بعد وطن واپس ہوتے ہیں، تو  
 اندازہ کرنا چاہئے، اس زمانہ کا اور طلب علم کے اس حال کا کسی موقع پر ذکر آچکا ہے کہ ایک  
 ایک حدیث کے لئے مدینہ سے مسر کا لوگ سفر اختیار کرتے تھے، یا کسی شہر میں سال  
 سال بھر اس لئے پڑے رہے کہ جن سے حدیث کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ وہاں  
 موجود نہ تھے۔ خصوصاً حفاظ کا جو یہ عام دستور تھا کہ روزانہ دس پارچہ حدیثوں سے زیادہ  
 نہیں بیان کرتے تھے اسی سے اندازہ کیجئے کہ لوگوں کو ایک ایک استاد کے پاس کتنے دن  
 ٹھہرنا پڑا ہوگا علی الخصوص ذخیرہ حدیث کے پڑے سرمایہ داروں کے پاس یحییٰ بن سعید  
 القطان خود اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ صرف ایک استاد کے پاس  
 ان کو دس سال گزارنے پڑے خطیب نے بحسنہ یہ الفاظ ان سے نقل کئے ہیں۔

لَرَمَتْ شُعْبَةَ عَشْرَ سَنَةٍ <sup>۱۳۷</sup> شُعْبَةَ کے پاس میں دس سال تک ٹھہرا ہوا

موطار کے نسخہ خاص کے راوی یعنی امام مالک سے یہ الفاظ نقل کیا کرتے تھے کہ

کان الرجل یختلف الی الرجل  
آدمی کا قاعدہ تھا کہ ایک ایک استاد کے  
ثلاثین سنة فیتعلم منه سنة  
پاس تیس تیس سال تک آمد و رفت رکھتا تھا  
علیہ الادب  
جب علم سیکھتا تھا۔

یہ غماہران الفاظ سے امام مالک نے خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے یا ہو سکتا ہے کہ اس  
زمینے کا یہ عام حال ہو کہ لوگ ایک ایک استاد کے پاس تیس تیس سال تک آمد و رفت  
کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، خود امام مالک ہی کے متعلق نافع بن عبد اللہ کے حوالہ سے سرحلیہ  
ہی میں یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ

جالست مالکا اربعین سنة  
میں امام مالک کے پاس چالیس یا پچیس سال  
اوجمسا وثلثین کل یوم اکبر  
تک ٹھہرا رہا روزانہ صبح کو بھی حاضر ہوتا  
واہجر اسروح مت  
دو پہر کو بھی پچھلے پہر بھی۔

زہری کہا کرتے تھے

مسنمت من کبتی رکیبة سعید  
سعید بن المسیب کے زانو سے زانو ملا کہ  
بن المسیب ثمان سنین  
میں نے آٹھ سال گزارے ہیں۔  
اور اس پر بھی یہ حال تھا کہ بعض دفعہ جیسا کہ زہری سے لوگ نقل کرتے ہیں کہ

تبع سعید بن المسیب فی  
ایک حدیث کی تلاش میں سعید بن المسیب  
طلب حدیث ثلثة ایام  
کاجچھاپیں نے تین دن تک کیا رغابتا بن دن  
کے فائدہ پر کہیں سعید تھے۔

اللہ اکبر! ان لوگوں کے ذوقِ حبیب کا یہ حال تھا جیسا کہ عکرمہ مولیٰ بن عباس اپنے متعلق کہتے  
تھے کہ ایک قرآنی آیت کے شانِ نزول کی تلاش میں جو وہ سال سرگرداں رہا آخر اس کا بہتہ

جلا تجوڑا (رفع القدر شوکانی علیہ السلام)

ایک عجیب واقعہ! خدا اس راہ کے وارستہ مزاجوں کے شوق بے پروا کو ملاحظہ فرمائیے حافظہ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں ایک دلچسپ قصہ نقل کیا ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ ایک صاحبِ جزن کا نام غالب القطان تھا، نصرہ کے رہنے والے تھے، تجارت کا کاروبار کرنے تھے تجارت ہی کے سلسلہ میں ایک دفعہ کوفہ پہنچے۔ اگرچہ حدیث کے باضابطہ طالب العلم نہ تھے لیکن اس علم کا گوشت ذوق رکھتے تھے۔ خیال گذر کہ جب تک کوفہ میں قیام ہے، محدث کوفہ اعمش کے حلقہ میں حدیثوں کے سنتے گا اگر موقع مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ یہی سوچ کر اعمش کے حلقہ میں آمد و رفت کرنے رہے کہتے ہیں کہ کام جس کے لئے آیا تھا جب ختم ہو گیا تو جس دن کی صبح کو کوفہ سے روانگی کا ارادہ تھا، میں نے اس صبح کی رات اعمش ہی کے پاس گزاری۔ تہجد کے وقت میری بھی آنکھ کھل گئی، اس وقت اعمش قرآن کی ایک آیت کا بار بار اعادہ کر رہے تھے، اور اس آیت کے متعلق کچھ کہتے بھی جا رہے تھے، جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس آیت کے سلسلے میں کوئی خاص علم دینی حدیث ان کے پاس ہے

جب رخصت ہونے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت رات قرآن کی جس آیت کو بار بار دُہرا دُہرا کر آپ پڑھ رہے تھے اور اسی کے ساتھ کچھ فرماتے جاتے تھے کیا اس باب میں آپ تک کوئی حدیث پہنچی ہے؟ میں آپ کے پاس قریب قریب ایک سال سے آ جا رہا ہوں، لیکن اس حدیث کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا، مطلب

لے یہ سورہ آل عمران کی آیت: شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدِيمُ الْقَائِمُ بِالْعِزِّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ التَّوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُصَلِّى عَلَى الْمُتَّقِينَ (۱۶)

یہ تھا کہ اب جاریہوں اس حدیث کو بھی سنا دیجئے، غالب کہتے ہیں کہ یہ سننے کے ساتھ ہی  
اعمش کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ خدا کی قسم ایک سال تک تو اس حدیث کو تم سے میں  
نہیں بیان کروں گا، پس یہی سننے کی بات ہے آئے ہوئے ہیں تجارتی اعراض سے طلب  
علم مقصود بھی نہیں ہے، لیکن ایک حدیث کے سننے کا شوق غالب میں پیدا ہو گیا، چوں  
کہ اعمش کی زبان سے قسم نکل گئی تھی اس لئے شوق کی تکمیل کی اس کے سوا اور کوئی دوسری  
شکل نہ تھی کہ اعمش کی قسم کی تکمیل کے انتظار میں کاروبار کے نفع و نقصان سے قطع نظر کر کے  
پورا سال کو ضمیمہ گزار دیں، یا پھر اس شوق ہی سے دست بردار ہو جائیں بات کوئی بڑی بھی  
نہ تھی، ایک حدیث کا معاملہ تھا، اور وہ بھی تفسیری حدیث کا، جس کی محدثین کی ہنگاموں میں اتنی  
اہمیت بھی نہیں، مگر یہاں تاریخ کا یہ وہ دور تھا جس میں ایک ایک بات جو کسی نہ کسی حیثیت  
سے پیغمبر کی طرف منسوب ہو، اس کی قدر و قیمت کا یہ حال تھا کہ غالب القطن کہتے ہیں کہ  
فاصلت و کثرت علی بابہ ذللت میں ٹھیکہ داروں کی داسی کا ارادہ ملتی کر دیا  
اور غرض کہ وہ دوا سے پران دن کی جباریخ  
تھی اسے لکھ دیا۔

اور ہفتہ دو ہفتہ بیٹے دو بیٹے نہیں کامل بارہ بیٹے اس انتظار میں گزارنے رہے کہ سال کے پورا  
ہونے کی تاریخ کب آتی ہے وہی کہتے ہیں کہ

فلما مضت السنة قلت يا ابا محمد      جب سال گذر گیا تو میں نے عرض کیا کہ اے ابو محمد  
قد مضت السنة      واعمش کی کیفیت تھی، سال گذر گیا داب وعدہ  
بجرا کیجئے

آخر اعمش سے اس حدیث کو سن لینے کے بعد وہ گھر الیں لوٹے۔ میں نہیں سمجھتا

کہ اس روایت پر مزید کسی اصناف کی ضرورت ہے حافظ ابو عمر بن عبد البر نے محض دو ہی کسی عام معمولی تاریخی روایت کی حیثیت سے اس قصہ کا تذکرہ اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے بلکہ باضابطہ مسلسل سند جو غالب قطان پر جا کر منتهی ہوتی ہے اس سند کے ساتھ اس واقعہ کو انھوں نے خود قطان کی زبانی نقل کیا ہے۔ جہاں تک سند کے روادہ نہیں میرے خیال میں سب ہی متہجو اور صاحب حیثیت لوگ ہیں۔

اس عہد کے واقعات اس سلسلہ میں جو پیش آئے ہیں سب کا استیعاب مقصود نہیں ہے بلکہ چیدہ چیدہ حیزروائیتیں میں نے اس لئے درج کی ہیں کہ جس زمانے میں حدیث کے ساتھ قلوب کے تعلقات کی یہ نوعیت ہو، ایک ایک حدیث کے لئے مکانی ہوں یا زمانی ہر قسم کے فاصلے صفر کی حیثیت اختیار کئے ہوئے نئے عجز کرنا چاہتے کہ حفظ حدیث کے متعلق جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں کیا کسی حیثیت سے کبھی ان پر تعجب و تحیر درست ہو سکتا ہے جب حدیث کے مقابلہ میں اس علم کے حاصل کرنے والے کسی دوسرے کام پر کام آدہ کی دوسری ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے اور یہ حال تو ان کی جفاکشی اور وقتی قربانیوں کا تھا۔ اسی راہ میں قربانی کرنے والوں نے جو مانی قربانیاں پیش کی ہیں، وہ ان سے کیا کچھ کم تھیں۔ امام احمد بن حنبل کے ایک سنادی الحدیث جن کا نام ہشیم بن حبیل تھا، اور بڑے بڑے حفاظ وقت سے شرف تلمذ کئے تھے، ان کے اساتذہ میں سعید بن عیینہ، حماد بن سلمہ، عبد اللہ بن المنثی الانصاری جیسے اکابر شریک ہیں بہر حال ان ہی ہشیم بن حبیل کے تذکرے میں خطیب نے لکھا ہے

افس الہشیم بن حبیل نے طلب الحدیث ہشیم بن حبیل علم حدیث کے طلب میں دو



مورین تاریخ بغداد ۵۶۷ دغہ افلاس اور بے لڑائی کے شکار ہوئے

یعنی ایک پیہ بھی گرہ میں نہ رہا سب خرچ کر ڈالا

ہیشم کا اصل وطن بغداد تھا، شاید مالی دفتروں کی وجہ سے یا واللہ اعلم کس وجہ سے شام کے شہر انطاکیہ میں آکر بعد کو مقیم ہو گئے تھے ۳۱۸ھ میں وفات ہوئی۔ امام مالک کے مشہور استاذ ربیعہ الزائے کے متعلق امام مالک ہی کا قول حافظ ابو عمرو بن عبد البر نے نقل کیا ہے۔ یعنی امام مالک یہ فرماتے ہوئے کہ

”اس علم میں (حدیث میں) کمال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ آدمی ناداری

اور نفقہ کا مزہ چکھے“

نظیر میں اپنے استاد ربیعہ کا حال بیان کرنے کہ

اسی علم کی تلاش و جستجو میں ان کا حال یہ ہو گیا تھا کہ آخر میں گھر کی چھت کی کڑیاں

تک ان کو سنجی پڑیں اور اس حال سے بھی گذرنا پڑا کہ مزید (جہاں حض و خاشاک

آبادی کی ڈالی جاتی ہے) سے منقہ یا کھجوروں کے ٹکڑے جن جن کر کھاتے مٹا جاتے

گھر کی کڑیوں کے بیچنے کے سلسلے میں قصہ قاضی ابو یوسف کا یاد آتا ہے جس کا ذکر

خفیی طبقات کی کتابوں میں کیا گیا ہے یعنی امام ابو یوسف پر ایک زمانہ وہ بھی گذرنا تھا کہ کھائے

جب کچھ نہ رہ گیا تو سسرال کے گھر کے چھپر کی کڑی نکال کر بازار بھیجی تاکہ جو پیسے اس سے

ہوں ان سے خوراک کا سامان کیا جائے۔ بظاہر بی بی صاحبہ جو شاید گھر کی مالک تھیں انھوں

نے تو اہانت دے دی تھی۔ لیکن قاضی صاحب کی ساس کو اپنے سواد مند لائق کماؤ دار

کی اس حرکت کی جب خبر ہوئی تو کہتے ہیں کہ بڑی بی سے نہیں رہا گیا اور کچھ بول اٹھیں لکھا

ہے کہ قاضی صاحب کی غیرت میں اسی واقعہ سے حرکت پیدا ہوئی، پھر علم نے جہاں تک

ان کو پہنچا یا اس سے کون ناواقف ہے حافظ ابو عمر دین عبدالبر نے بھی کامنی صاحب کا ایک لطیف نقل کیا ہے خود کہتے تھے کہ۔

”میرے ساتھ پڑھنے والوں کی یوں نوکافی جماعت تھی لیکن بھائی جس بچکار کے دل کی دباغت دجی سے کی گئی تھی، نفع اُسی نے اُٹھایا“

پھر خود ہی دل کی اس دباغت کا مطلب یہ بیان کرتے کہ

ابوالعباس (سفاح) عباسی کے ہاتھ میں خلافت کی باگ جب آئی (اور

کوفہ کے قریب ہی ہاشمیہ میں اس نے قیام اختیار کیا تو اس نے مدینہ منورہ سے اہل علم و فضل کو وہیں طلب کیا (وہیں نے اس موقع کو غنیمت خیال کیا، اور ان لوگوں کے پاس استفادے کے لئے حاضر ہونے لگا میرے گھر کے لوگ میرے کھانے کا انتظام یہ کر دیتے تھے کہ چند روٹیاں ٹھوک لی جاتی تھیں اور وہی کے ساتھ بندہ کھا کر سویرے درس و افادے کے حلقوں میں حاضر ہوجاتا لیکن جو اس انتظار میں رہتے تھے کہ ان کے لئے ہر سیر یا عصیدہ تیار ہوئے تب اس کا ناشتہ کر کے جاتیں گے ظاہر ہے کہ ان کے وقت کا کافی حصہ اسی کی تباہی میں صرف ہو جاتا تھا اسی لئے جو چیزیں مجھے معلوم ہو سکیں ان

سے یہ عصیدہ اور ہر سیر والے حضرات محروم رہے۔ ص ۹۷ جامع

بیرہ تو ایک ذیلی قصہ تھا، میں ذکر ان محدثین کی مالی قربانیوں کا کر رہا تھا۔ فنِ رجال کے امام الامامہ یحییٰ بن معین کے حال میں لکھا ہے کہ ان کے والد نے جو اس زمانہ کے کسی والی کے سکرٹری تھے، کافی سرمایہ حاصل کیا تھا، جس وقت ان کی وفات ہوئی تو دس لاکھ پچاس ہزار درہم صاحبزادے کے لئے چھوٹ کر رہے، بے چارے کا خیال ہوگا کہ اس روپے

سے بجلی عیش و آرام کی زندگی بسر کرے گا، لیکن کسی قصبہ یا محلہ کے رئیس بن کر مرجائے خدا نے ان کو اتنا چھوڑا بنا کر پیدا نہیں کیا تھا، رہتی دنیا تک ان کا نام عظمت و احترام سے لیا جائیگا کہ اللہ کے آخری رسولؐ کی حدیثوں کو اغلاط اور آلودگیوں سے پاک و صاف کیا۔ قسمت میں نوان کے یہ لکھا ہوا تھا۔ یہ سارا سرمایہ جو باپ سے ان کو ملا تھا، جاتے ہیں اس کا استعمال بجلی نے کیا لیا خطیب نے اپنی متصل سند سے روایت درج کی ہے کہ

نافقہ کلہ علی الحدیث حتی لم یبق (سارے دس لاکھ درم کی ساری رقم بجلی

لہ نعل یلبسہ م ۱۸ ج ۱۲ بن معین نے مسلم حدیث کے حاصل کرنے

میں خرچ کر ڈالی ذبت یہاں تک پہنچی کہ

آخر میں ان کے پاس چل تک باقی نہ رہا

جسے وہ پہنتے (یعنی ننگے پاؤں پھرنے لگے)

ادریہ فقہ کو آخر میں اتنا بھی نہ رہا کہ چل خرید کر پہن سکیں، ایک بجلی بن معین ہی

کے ساتھ مختص نہیں ہے، یہی امام بخاری کیا امام بخاری یوں ہی ہو گئے تھے ان کے ایک

رفیق درس عمر بن حفص الاشقر کے حوالہ سے خطیب نے لکھا ہے کہ

بصرہ میں ہم محمد بن اسمعیل (یعنی امام بخاری) کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے

(یعنی استاذوں سے سن کر حدیث روایت کرتے تھے چند دفعوں کے بعد محسوس ہوا کہ بخاری

کئی دن سے درس میں نہیں آ رہے ہیں تلاش ہوئی کہ بچارے کے ساتھ کیا عاوذ پیش

آیا۔ جہاں مقیم تھے ڈھونڈتے ہوئے ہم لوگ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک اندھیری کوٹھری

میں بڑے ہیں بدن پر لباس نہیں ہے (یعنی جس لباس کو پہن کر لوگ باہر نکلا کرتے تھے

دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ

تد لعد ما عندہ ولحدین حدہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب ختم ہو چکا کچھ  
 شیئی باقی نہ رہا جس سے لباس تیار کرتے۔

آخر ہم لوگوں نے مل کر رقم جمع کی اور عزمید کہ کپڑا لاتے۔ تب پہن کر بھاری  
 رقم لوگوں کے ساتھ درس گاہ آنے جانے لگے صبح ۱۲ تاریخ بغداد

یہی حادثہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ پیش آیا، مکہ معظمہ میں سفیان بن عیینہ کے  
 جس زمانہ میں پڑھتے تھے، ان کے رفقاء کا بیان ہے کہ ایک دن دیکھا کہ خلاف معمول  
 حد بن حنبل درس سے غائب ہیں، حال دریافت کرنے کے لئے ان کی فرود گاہ پہنچے  
 رچھے بیٹھے تھے، معلوم ہوا کہ سارا کپڑا ان کا چوری گیا۔ اور دام بھی گرہ میں نہیں ہیں۔  
 وایت کے بیان کرنے والے صاحب جن کا نام علی بن الجهم تھا، کہتے تھے کہ میں نے امام  
 خدمت میں اشرفی پیش کی، عرض کیا کہ چاہے ہدیہ قبول فرمائیے یا قرضاً لیجئے۔ لیکن انھوں  
 نے لینے سے انکار کیا۔ تب میں نے کہا کہ معاوضہ لے کر میرے لئے کچھ کتابت ہی کر دیجئے  
 رہا براہی ہو گئے۔ علی بن جهم نے بطور تبرک امام کے دست مبارک کے اس مخطوط کو  
 لہجھوڑا چھوڑا، لوگوں کو دکھاتے اور لکھنے کی شان نزول کو بھی اس کے ساتھ بیان کرتے

ابن عساکر ۵۳۳ ج ۲

امام احمد کے واقعات اس سلسلے میں اتنے ہیں کہ سب کے درج کرنے کی یہاں

جس گھر میں امام صاحب رہتے تھے ایک بڑھی دہاں رتبی تھا وہی یہ قصہ بیان کرتی تھی کہ امام احمد بن حنبل  
 ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے کہ پیچھے کسی نے کپڑے ان کے چوائے، جب امام آئے تو  
 ذکی خبر ہوئی بڑھیا کا بیان ہے کہ اس شخص نے کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھا کہ ہیں یا نہیں صرف ان  
 دروں کو دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ جو طاق پر بچ کر رہ گئے تھے۔ ۱۲

گنجائش نہیں ان کے اپنی استاذ عبدالرزاق لوگوں کو یہ قصہ سنایا کرتے تھے کہ جب امام احمد بن حنبل میرے پاس (حدیث پڑھنے کے لئے) یہاں میں آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ میں کوئی کاروبار ملک نہیں ہے، پھر میں نے چند اشرفیاں پیش کیں لیکن لینے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اسی زمانہ میں اسحاق بن ابراہیم بھی عبدالرزاق ہی کے پاس امام احمد کے ساتھ صیغہ بنا کر گئے تھے اسکان نے ایک طویل قصہ کا ذکر کرنے ہوئے اسی میں بیان کیا ہے کہ ازار بند بن گیا کہ امام احمد میں اپنی عزت ان ہی ازار بندوں کو بیچ کر بوری کیا کرتے تھے۔ و دسروں نے لاکھ کچھ قبضہ کر لینے پر اصرار کیا۔ لیکن ہمیشہ انکار کر دیا کہے میں کہ حبیہ کام سے فارغ ہو کر میں سے امام بیچ گئے تو نابائی کے کچھ روپیے حضرت پرہ گئے۔ جو ناپاؤں میں تھا اسی کو روپیے کی جگہ نابائی کے حوالے فرما دیا خود پیدل روانہ ہوئے اور اڑھائی بار لادنے والے اور اتارنے والے مزدوروں میں شریک ہو گئے، ہر مزدور کا مٹی مٹی وری زادہ کا کام دینی تھی ران سارے واقعات کا ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے (۱) دیکھو ص ۳۴

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا واقعات میں گو حضرت امام کی سیر حشی، بند نظری کی شہادتوں کے عناصر زیادہ شریک ہیں لیکن اسی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے کہ جس قسم کی زندگی سے اپنے آپ کو ان بزرگوں نے رضا مندر کیا تھا۔ ان کی طرف محنت و جفا کشی کے جو واقعات بھی منسوب کئے جائیں ان میں شک کرنے کی کیا کوئی وجہ ہو سکتی ہے؟ علم حدیث میں لوگ کہتے ہیں کہ شعب بن النہاج امیر المؤمنین تھے جاتے تھے، ہم ان کی سوانح عمری میں پڑھتے ہیں کہ ستر چھتر کی عمر گزارنے کے باوجود اپنے آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی سناٹا نہ کر میں اٹھانا پسند نہ کیا، ذہبی نے لکھا ہے

ما اکل شعبة من كسبه قط ۱۵۱ ج ۱ اپنی کمائی سے شعب نے کبھی نہیں کھایا

ان کو یہ کرنا چاہئے تھا یا نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہ الگ سوال ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ایسا آدمی حدیث ہی میں کیا جس علم میں بھی جاسے امیر بن سکتا ہے۔ قلاب کی اس فارغ البالی کا کوئی ٹھکانا ہے ان ہی شعبہ کے متعین اوقظن کے اس عنوان سے ذہبی نے نقل کیا ہے کہ

ماسر آیت شعبۂ قدر من کج الاخذت میں نے شعبہ کو رکوع میں جب کبھی دیکھا تو اندر سبھی ولا یعجل ان قلت انسی یہی خیال گذرنا تھا کہ بھول گئے ذہبی رکوع میں ہیں، شاید اس کا خیال دماغ سے ان

۱۸۲ ۱۸۳

کے نکل گیا، اسی طرح جب کبھی سجدے میں دیکھا تو خیال کیا کہ بھول گئے۔

بظاہر اس حال کا تعلق نقلی غاروں سے معلوم ہوتا ہے اسی کے ساتھ ان ہی محدثین کے اس عام نقطہ نظر کو بھی سامنے رکھ بیٹھے، جو ان میں سے کسی ایک کی طرف نہیں بلکہ متعدد بزرگوں کی طرف منسوب ہے۔ مثلاً حافظ البخاریہ معانی بن عمران الموصلی سفیان ثوری جہیں "یا قوتہ اعلاء" کہا کرتے تھے، ان ہی معانی سے پورے چھنے واسے نے پوچھا کہ رات بھر غاروں میں مشغول رہنا یا حدیث کے لکھنے، یاد کرنے میں رات گزارنا۔ ان دونوں مشغلوں میں آپ کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں حافظ ابو عمرو بن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ جواب میں معانی نے کہا ہے کہ

اے ابو عمرو میں شعبہ اپنے طریقہ کار کی خود خدمت کیا کرتے تھے شاگردوں سے کہتے کہ ہماری طرح رہن جانا کہ میں اپنے بھائیوں کے سینہ کا بوجھ بنا ہوا ہوں۔ لکھا ہے کہ حماد اور دیش رانامی شعبہ کے دو بھائی تھے۔ عمران کا کام کرتے تھے وہی ان کے اردن کے اہل دیال کے معارف کے متکفل تھے شعبہ کی طرف یہ قوی جو منسوب کیا گیا ہے کہ جو طلب حدیث میں مبتلا ہوا فرقہ میں مبتلا ہوا اس کی وجہ بھی غائبی ہے کہ خود اس کے شکار ہوئے اپنا حال بیان کرتے ہوئے کبھی شعبہ بھی کہنے کہ اسی طلب حدیث کے قطعہ میں اپنی والدہ کا شہادت دینا میں کبھی بیٹا پڑا صلیح اذکرہ

حدیث تکتبہ احب الی من قیلک حدیث کا کھنا میرے نزدیک اس سے زیادہ  
من اول اللیل الی آخرہ ص ۲۲ جامع بہتر ہے کہ رات بھر ادل سے آؤنک تم نمازیں  
پڑھتے رہو۔

اور یا تو تہ العلماء کا جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ کوئی ذاتی مذاق نہ تھا۔ امام احمد بن حنبل بھی لوگ  
سے یہی فرماتے کہ

”علمی اشتغال میں رات کے کسی حقہ کو سبر کرنا میرے نزدیک احياء شبہ  
نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے“

سائل نے دریافت کیا کہ علم سے آپ کی مراد کیا ہے، فرمایا کہ اپنے دین کے علو  
کو بڑھانا، اس نے کہا کہ کیا اسی نماز روزہ حج نکاح و طلاق وغیرہ کے متعلقہ معلومات  
آپ علم کہتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں! یہی زہری تو اسی بنیاد پر کہتے تھے کہ دین میں سمجھ پیدا کر۔  
کی کوشش اس سے زیادہ بہتر عبادت اور کیا ہو سکتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ جب خود غور  
صحبت یافتوں کا فتویٰ تھا۔ ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ

”فقوڑی دیر بیٹھ کر دین کے سمجھنے میں دینی تفقہ میں سبر کرنا میرے نزدیک  
بکر نمازوں میں جاگنے سے بہتر ہے“

اس باب میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کا ایک ذخیرہ کتاباً  
میں پایا جاتا ہے، بلکہ خود قرآن میں اسی اصول کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے۔ اسی لئے امر  
شافعی کا تو عام فتویٰ تھا کہ علم کا حاصل کرنا فاعلی نمازوں سے بہتر ہے۔ مصر کے امام ابن دہ  
امام مالک کے ارشد تلامذہ میں ہیں، وہی کہا کرتے تھے کہ امام مالک کے سامنے میں پڑ  
رہا تھا اتنے میں ظہر یا عصر کا وقت آگیا کتاب بند کر کے میں (نفل کی) نیت سے اٹھا۔ ا

سمجھ گئے اور فرمانے لگے کہ

”تعب ہے جس چیز میں تم مشغول تھے کیا اس سے بھی وہ کام زیادہ بہتر ہے جس کو اب کرنا چاہتے ہو“

پھر فرمایا کہ ”نیت“ درست ہو تو وہ بہتر ہے جس میں تم مشغول تھے“

ماظ ابن عبد البر نے اس قسم کے بیسیوں اقوال صحابہ تابعین اور ائمہ کے نقل کئے ہیں، میری غرض ان کے ذکر سے اس وقت یہ ہے کہ اب وہ غلط ہو یا صحیح، اس سے بحث نہ کیجئے بلکہ یہ دیکھئے کہ جن کے قلوب میں اس علم نے اپنی اتنی گہری جگہ بنالی تھی کہ دنیا تو خیر دنیا ہی ہے وہ فرائض کے سوا سارے دینی مشاغل پر بھی اس علم کی مشغولیت کو ترجیح دیتے تھے جب نوافل میں ان کے استزاق اور کیسوٹی کا یہ حال تھا کہ سجدہ میں گئے تو سجدہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں رکوع میں ہیں نور کو رکوع سے سر اٹھانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ حتیٰ کہ دیکھنے والا بے چارہ اس صلاطہ میں مبتلا ہو جاتا کہ بھول گئے ان ہی لوگوں کے متعلق سوچئے کہ اس علم کی طلب و تلاش میں ان کی کوششوں کی کیا کیفیت ہوگی جو نفلی نمازوں کو اتنا وقت دوں سکتا ہو، غور کرنا چاہئے کہ جو چیز ان کی نگاہوں میں ان نمازوں سے بھی بہتر تھی اس کے لئے جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے کیا اس میں کوئی دقیقہ کوشش کا انھوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دین ہی جس کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے اس کے نزدیک دینی معلومات کی ظاہر ہے کہ کیا وقت ہوگی لیکن جو دین کو ایک واقعہ یقین کر چکا ہو اسی قسم کا واقعہ جیسے دین کے انکار کرنے والوں کی نگاہوں میں ”دنیا“ ایک واقعہ ہے پھر اس دنیا دہنی زندگی کا وہ وقفہ جسے شکم مادر سے نکلنے اور شکم قبر میں جانے کے درمیان آدمی گزارتا ہے، اسی زندگی میں نفع پہنچانے والے معلومات کی جستجو اور تلاش میں جب وہ سب کچھ کیا جاسکتا ہے



جس کا تاشا آج ہم ان ممالک میں کر رہے ہیں جہاں انسانی زندگی اسی وقفہ تک محدود سمجھی جاتی ہے تو آپ کو جدوجہد کے اس سلسلہ پر اور ان کے نتائج پر کیوں تعجب ہو جاتا ہے، جو دینی معلومات کے حاصل کرنے والے بزرگوں کی طرف کئیوں میں منسوب کئے گئے ہیں بزرگوں کی وہی جماعت جس میں اس یقین کے پیدا کرنے میں پیغمبروں نے کامیابی حاصل کی تھی کہ اسی دو شکلی وقفہ میں ان کی زندگی گھٹ کر ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ آدمی جس زندگی کو چاہتا ہے کہ کبھی ختم نہ ہوا انھوں نے یقین دلایا ہے کہ واقعہ بھی یہی ہے دین چوں کہ اسی ختم نہ ہونے والی لامحدود زندگی کے متعلق معلومات کا نام ہے اس لئے زندگی کو لامحدود یقین کرنے والوں میں اس زندگی کے متعلق معلومات کے جاننے کی تڑپ اگر پیدا ہوئی تو آپ ہی بتائیں کہ اس کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا، جس حد تک اس لامحدود زندگی کے یقین کی قوت بڑھتی چلی جاتی تھی اسی نسبت سے ان معلومات کی تلاش و جستجو کے جذبہ میں شدت پیدا ہو رہی تھی جن سے اس زندگی کے نفع و ضرر کا تعلق تھا جن معلومات سے دو شکلی وقفہ والی زندگی کے مشکلات کے حل میں مدد ملتی ہو یا سہولتوں میں اضافہ ہوتا ہو، جیسے آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان لوگوں نے گھسے دالے سمزدردوں میں گھس رہے ہیں پہلے دن کو کھود رہے ہیں اور پھر کچھ ان کے امکان میں ہے سب کچھ کر رہے ہیں تو لامحدود زندگی کو واقعہ یقین کرنے والوں کے متعلق جب یہ سنایا جاتا ہے کہ الدین کے یقین و اعتماد کا جو اصلی سرچشمہ تھا اور جس کی زندگی کا ہر پہلو الدین کے لئے نئے انکشافات کی حیثیت رکھتا تھا، ان ہی انکشاف کی راہوں میں انھوں نے وہ سب کچھ کا دیا جسے وہ لگا سکتے تھے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس کے خلاف کسی قوت کے قائم کرنے کی وجہ یہ کیا ہو سکتی تھی یہی امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ جن کے سجدوں اور رکوع کی کیفیت آپ سن چکے۔ ان ہی کے متعلق اگر یہ بھی سنایا جاتا ہے کہ

کان لا یرضی الا ان لیسع الحدیث جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
عشرین مرتبہ کسی حدیث کو شعبہ میں مرتبہ نہیں من لیتے  
تھے انھیں چین نہیں آتا تھا۔

جس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یعنی ایک ہی استاذ کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو اسی استاد  
سے میں دفع جب تک نہیں من لینے تھے ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی، اور حدیثیں یہ بھی کرتے  
تھے ہشتم کے حالات میں خطیب نے لکھا ہے کہ ان کے شاگرد ابراہیم بن عبد اللہ الہمدانی کہا  
کرتے تھے

ما من حدیث ہشتم ازد سعتہ شیم سے جو حدیثیں میں روایت کرتا ہوں ان  
میں ما بین عشرین مرتبہ الی سے ان حدیثوں کو کم روایت نہیں سے  
ان دنوں دسرتہ ص ۱۰۰ تاریخ بغداد میں ہشتم میں نے سنا ہے۔

اسی طرح من بن عیسیٰ کا بھی دعویٰ تھا کہ امام مالک سے جتنی حدیثیں وہ روایت  
کرتے تھے ان کے متعلق کہتے تھے کہ

قد سمعتہ من سخر ادا اکثر من میں نے امام مالک سے یہ حدیثیں تیس مرتبہ  
نلتین مرتبہ ص ۱۰۰ حدیث لا دیاع سنی میں، یا اسی کے قریب قریب

اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو شعبہ جب تک کم از کم میں استاذوں  
سے نہیں من لینے تھے ان کو اطمینان نہیں ملتا تھا جیسا کہ معلوم ہے یہ بھی محدثین کا عام مذاق  
تھا، یحییٰ بن معین کو تو اس پر اتنا اصرار تھا کہ لوگوں سے وہ کہا کرتے تھے۔

لو لکھتے الحدیث من ثلاثین جب تک کسی حدیث کو تیس ذریعوں سے ہم لوگ  
دجھا ما عقلنا ۵۱ نہیں لکھتے اس وقت تک اس حدیث کا صحیح مطلب

سمجھ میں نہیں آتا۔

اس زمانے کے حساب سے ٹھیک اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ ایک ہی واقعہ ہونا ہے مختلف نیوز ایجنسیاں اپنے اپنے الفاظ اور اپنی اپنی تعبیر میں اس واقعہ کی خبر اخبار دیا کو بھیجتی ہیں۔ جو لوگ سیاسی کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں یا تحقیقی اخبار نویسی کا کام کرتے ہیں، یا صحیح واقعات کے علم کا جن لوگوں کو ذوق ہوتا ہے وہ بجنسہ ایک ہی واقعہ کی خبر کو مختلف اخباروں میں پڑھتے ہیں اور نیوز ایجنسی کی تعبیروں کو ملانے کے بعد واقعہ کی اصل نوعیت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اخباروں کا مطالعہ ان ہی التزامات کے ساتھ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے علم اور ان کے فیصلوں کی نوعیت عام اخباریوں سے کھنڈ کوئی نسبت رکھتی ہے۔

میساکہ میں پہلے بھی کہیں بیان کر چکا ہوں کہ حدیثوں کی تعداد بتاتے ہوئے عام کتابوں میں لاکھوں لاکھوں تک ان کے شمار کو پہنچا دیا گیا ہے۔

(باقی آئندہ)

۱۔ مثلاً بہت سی باتیں کسی ایجنسی کی خبر میں جھن رہ جاتی ہیں۔ دوسری نیوز ایجنسی کی خبر میں اسی اجال کی تفصیل ہوتی ہے بعض دفعہ نامہ نگار میں سلیقہ اس کا نہیں ہوتا کہ اگر کی بات اور عام باتوں میں تیز کر سکے لیکن ہوسٹیا نامہ نگار بھی ہوئی خبروں میں اسی کا انتخاب کرتا ہے یا اسی پر زیادہ زور اپنے بیان میں خرچ کر دیتا ہے بعض دفعہ خبر کی نوعیت کا اظہار ایک ایجنسی کا نامہ نگار کرتا ہے اور دوسرا چھوڑ دیتا ہے جن کی نظر سب پر ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ کس حد تک خبر قابل اعتماد ہو سکتی ہے بلکہ مختلف اخباروں کے پڑھنے سے ان لوگوں کو اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے کہ بعض بالکل بے بنیاد جھوٹی خبریں اخباروں میں کسی خاص غرض سے جو شائع ہو جاتی ہیں محتاط اخبار یا ایجنسیاں ان کے ذکر سے پرہیز کرتی ہیں لیکن بعض اخباروں یا ایجنسیوں کو اسی میں فزہ آتا ہے ۱۲

# ابوالنصر حسین الدین اکبر شاہ ثانی

از جناب مفتی انتظام الدین صاحب شاہی

محمد اکبر شاہ شاہ عالم کے منجھے بیٹے تھے بدھ کے دن ۷ رمضان ۱۰۰۰ھ کو کنن پور زبادان میں ”مبارک محل“ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

”مبارک محل“ خاندان سادات سے تھی۔ ذی الحجہ ۱۰۰۰ھ میں شاہ عالم نو

نجیب الدولہ کے پاس قیام پذیر تھے وہیں ان سے عقد کیا تھا۔

واقعات | شاہ عالم کو ان سے بہت محبت ہو گئی تھی جہاں دار شاہ کو بڑا چاہا نواب اور

اور انگریزوں نے ازراہ مصالحت ان کو نہ آنے دیا۔ سن ۱۰۰۰ھ میں مرہٹوں نے اکبر شاہ ثانی کو

دلی عہد مقرر کر دیا۔ نواب غلام قادر خاں دلی سے جب میرٹھ بھاگا تو ان کو بھی ساتھ

لیتا گیا اور بیدار بخت کے بجائے بادشاہ بنایا۔ مرہٹوں نے غلام قادر کو شہید کیا تو شاہ

عالم بھر کالی ہوئے جہاں دار شاہ کے انتقال کے بعد ہی دلی عہد قرار دئے گئے۔

شادی | ۱۰۰۰ھ میں شاہ عالم نے ان کی بڑی دھرم دھام سے شادی کی تھی۔ ۱۰۰۰ھ میں

نہجت خاں ذوالفقار الدولہ وزیر نے دو لاکھ دھن کو تحفے میں لاکھوں روپیہ کا سامان پیش کیا تھا

ان کی اولاد میں بڑے ابو ظفر بہادر شاہ تھے جو ایک راج پوت خاتون کے بطن سے دوسرے

۱۰۰۰ھ شاہ عالم نامہ میں ۶۳ و دیباچہ تادیرات شاہی میں ۵۳

مرزا جہانگیر جو ممتاز محل کے بطن سے ۱۶۲۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔

جلوس ”شاہ عالم“ ۱۹ نومبر ۱۸۵۶ء میں انتقال کر گئے تو محمد اکبر شاہ ثانی کی اس وقۃ ۴۶ سال کی عمر تھی

پیدادہ دار اکبر شاہ ثانی | غرضیکہ ۱۸۵۶ء میں محمد اکبر شاہ ثانی زریب افروز تخت سلطنت ہوئے پھر تو سرور بادشاہ دربار کرتے رزیدنٹ ددیگر حکام کمپنی اور امرائے سلطنت باریاب ہوتے لال پردہ سے باہر رد و بدوئے تخت تین جگہ مجبور ہوتا تھا عمدہ وحشی و چوہدار و عصا بہ نقطہ نگاہ رد و بدو مہابی بادشاہ یا حضرت جہاں پناہ سلامت مجبور کیا کرتے تھے جب بادشاہ سے کچھ کلام کرتے تھے۔ اراکین خلافت بادشاہ کو یہ لفظ کرامت پیر و مرشد قبلہ عالم جہاں پناہ سے مخاطب کرتے۔

سواری | عیدین پر بادشاہ فیل پر سوار ہو کر عازم عید گاہ ہوتے باقی رنگارنگ اور زور تھول سے سجا ہوتا لالہ موہن لال ملک الشعراء متخلص بہ منعم نے صفت فیضان شاہی میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔

فیل مستش چو ستد الوند      زدہ پہلو بہ آسان بلند

خط شجرف بر جبین خوش رنگ      جوں شفق جانب قلم و رنگ

جس امیر کے دروازہ سے سواری گذرتی حاضر ہو کر نذر پیش کرنا باشارۂ چشم قبول ہوتی  
نبدان اٹھا لیتا مسٹر اجیلہ سہسین صاحب بہادر جن کو ناظم الدولہ سیف الملک خطاب  
تھا اور سرچارلس مکلف صاحب مخاطب بہ منتظم الدولہ مختار الملک ساتھ سواری کے  
ہوتے والی پر بادشاہ خلعت فاخرہ سے ہر ایک کو حسب مراتب نوازتے۔

دعوتِ تخت نشینی | رسم تخت نشینی کے بعد ہی بادشاہ مرحوم کے بڑے لڑکے مرزا جوان بخت

کی بیوہ شہزادی قسطن سلطان بیگم (جناب بیگم) نے گورنمنٹ میں درخواست دی جس میں  
پنے بیٹے خرم بخت کے لئے تخت کا دعویٰ کیا۔ محروم الارث ہونے کی بنا پر خارج  
رہ گیا۔

وائف اکبر شاہ کی تخت نشینی پر گورنر جنرل نے جو تہنیت نامہ بھیجا اُس میں بادشاہ کو یقین  
لایا کہ آپ کی خدمت و اقتدار اور امن و اطمینان کی حکومت برطانیہ ضمانت کرتی ہے۔  
”بادشاہ نے گورنر جنرل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ خواہش کی مرحوم

شاہ عالم اور لارڈ دلہی کے درمیان جو عہدہ بیان ہو چکا ہے۔ اس کی رد سے  
شاہی وظیفہ میں اضافہ کیا جائے۔ اس یاد دہانی کی ضرورت اس لئے پیش آئی  
کہ سلطنت کے اخراجات بڑھ گئے ہیں۔“

غیہ دلی عہدی اکبر شاہ غانی کی منظور نظر بیگم ممتاز محل کی یہ سہی تھی کہ بادشاہ کا تیسرا بیٹا  
راجا جہانگیر دلی عہدی کے منصب پر فائز ہو مگر گورنمنٹ نے فیصلہ کر دیا کہ شہزادہ ابوالخضر  
مست اکبر میں لہذا وہی دلی عہد قرار دے دیئے گئے۔ اکبر شاہ نے جہانگیر کے لئے  
دلی دقیقہ اٹھانہ رکھا مگر ان کی چلی چلائی کچھ نہیں۔

دشاہ کی دلی عہدی پر غلطی بادشاہ سلامت شاہزادہ ابوالخضر سے بے مدد خفا اور ناراض رہتے  
رہے جب حاضر ہوتے مودب گھنٹوں باپ کے سامنے کھڑے رہتے مگر ممتاز محل کا  
باد اکبر شاہ پر ایسا تھا کہ وہ جہانگیر پر مشابہ تھا گورنمنٹ نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ  
”بادشاہ کے دلائل جہانگیر کی دلی عہدی کے معاملہ میں خاطر خواہ اثر نہ ڈال

سکے بادشاہ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ صرف ہماری کاوشوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے کہ

لہذا دیا چرام مومن راستے ابد ذکر محمد دار

کمال اطمینان و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہو مناسب ہے کہ بغیر چون و چرا کے گورنمنٹ کے مشورہ پر عمل کر دو جو کہ ہمیشہ تمہاری خیر خواہی میں ہوتے ہیں و ظیفہ شاہی کے افادہ کی درخواست درخیز اعتنا بھی گئی ۱۱

کیونکہ گورنمنٹ جو رقم ادا کرتی تھی وہ حقیقتاً اس رقم سے زیادہ ہی نہ تھی جو بادشاہ کو مرہٹوں کے زوال سے پہلے ملتی رہی تھی بلکہ موجودہ حالات کے تقاضے سے یہ رقم ان کے آرام اور شاہانہ طور پر زندگی بسر کرنے کے لئے کافی تھی۔

خطہ [گورنمنٹ برطانیہ کو خط لکھا تھا کہ بہت ممکن ہے کہ وظیفوں کا افادہ بادشاہ کے لئے ایسے ذرائع مہیا کر دے جو ان کے مفاد اور تقاضے کے لئے ہنر و رسائی ہوں بادشاہ سے بار بار درخواست کی گئی کہ وہ گورنمنٹ کے حکام سے مشورہ پر عمل پیرا ہوں اور جیسا وہ کہتے ہیں کرے ۱۲

خط و کتابت [گورنمنٹ کی خط و کتابت ریڈیٹ کے توسط سے بغیر نالینڈ کی گئی اور ریڈیٹ کو ہدایت کر دی گئی کہ بادشاہ کے خطوط جو گورنمنٹ کو بھیجے جائیں وہ ان کی دیکھ بھال خارج کر لیا کرے ریڈیٹ کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اگر ان باتوں سے حسب دلخواہ نتیجہ نہ ملے تو وہ اشارۃً بادشاہ کو متنبہ کر دے ۱۳

پالیسی کی تبدیلی [سرچارلس ٹسکامٹ نے جو اس وقت دہلی میں نائب ریڈیٹ تھا گورنمنٹ کے نرم طریقہ عمل کو نالینڈ کیا۔ اس کے خیال میں اس سے بادشاہ دہلی کو قوت ملے اور اس طرح اس اختیار کرنے کا بہانہ ملے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ "بادشاہ اپنے نام نہاد اختیار پر بھولا بیٹھا ہے ۱۴

۱۵ راجہ رام موہن رائے از مجہ دار

مستر سیٹھن جیسے حراج کا آدمی جس رکھ رکھاؤ اور فیاضی کے ساتھ اس عزیز کھڑ  
تلی سے پیش آتا ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے زعم باطل میں ترقی کی کالہ  
اُنٹے ریزیدنٹ کے طرز عمل کے متعلق سرچارلس ٹنکاف اپنے ایک دوست کو لکھتا ہے:-

”میں سیٹھن صاحب کی خاندان شاہی کے ساتھ بالیسی سے زیادہ متفق نہیں  
ہوں یہ اخلاق کی بستی اور طرز عمل کی کمزوری کی وجہ سے ہے کہ ایک نامور گروے چٹے  
خاندان کا اتنا لحاظ اور پاس کیا جائے جو ظاہر دارانہ طور پر درست ہے اور نہ جس کو مروت  
جانتی ہے اس سے برطانوی گورنمنٹ کے نائیدے کا اقتدار مٹا جاتا ہے۔ حالانکہ  
حقیقتاً دہلی پر اسی کی حکومت ہوئی چاہئے علاوہ ازیں اس شاہی عظمت اور حکومت  
کے جذبات قوی ہو رہے ہیں۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ یہ جذبات دائمی طور پر محفوظ  
ہو جائیں یہ نتیجہ میری آنکھوں کے سامنے سب سے مرتب ہو رہا ہے یہ ایک کھلی حقیقت  
ہے کہ یہ ہماری نیت نہیں ہے کہ بادشاہ کو کل شاہی اختیارات از سر نو عطا نہیں لہذا  
ہم کو ایسے طرز عمل پر کام زن نہیں ہونا چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ بادشاہ حکومت کا  
بغیر خواہ دیکھنے لگے۔ . . . . . ہم بادشاہ کے شاہی اقتدار کی کوششوں کو  
فرار و ک دینا چاہئے اور وہ مدد بھی بتا دینی چاہئے جس سے نام نہاد بادشاہ کے  
ساتھ ادب اور اطاعت کے معاملے میں ہم آگے نہیں بڑھیں گے۔“

اگر اس مقصد کے لئے شاہ کے خالی نام کو بھی مٹا دینا ضروری ہو تو اس کے  
یئے بھی تیار ہوں۔ حالانکہ میں چاہتا تھا کہ اس نام کو سر دست اس کے پاس چھوڑ  
دیا جائے۔“

لے دیا جہ راہرام موہن رائے صفحہ ۹۷



مقبور شاہ عالم کی قبر کا مسد | بادشاہ نے ریزیدنٹ کو اپنی مالی دشواریوں کے متعلق لکھا اور گورنمنٹ سے استدعا کی کہ اس کے والد مرحوم کی قبر پر ایک یادگار نصب کی جائے اور مزید گزارش کی کہ اس یادگار کو برقرار رکھنے کے لئے کچھ جائیداد اور روپیہ اس نیک مقصد کے لئے وقف کر دیا جائے۔

ریزیدنٹ نے گورنمنٹ کو اپنے نجی نوٹ میں لکھا کہ بادشاہ کی مندرجہ بالا مشکلات روپیہ کی کمی کی وجہ سے اتنی نہیں جتنی کہ اس کی بد نظمیوں سے ہیں اور بادشاہ کی آخری درخواست بھی قابل منظوری نہیں ہے۔

ریزیدنٹ کو ہدایت کی گئی . . . . . بادشاہ کے کل ناجائز مطالبات کا السداد کرے خواہ وہ بادشاہ کی دماغی پیداوار ہوں یا دوسروں کے مشورہ کا نتیجہ۔  
دندشاہ جی | مگر اکبر شاہ نچلے ۲ بیٹے دند بھیجنے کی سوچی پہلے گورنمنٹ نے انکار کیا پھر رضامندی دے دی اس پر شاہ جی اور راجہ شیرعل بادشاہ کی طرف سے پریسیدنسی بھیجے گئے یہ دند شاہ جی کے نام سے موسوم ہے۔

گورنمنٹ کے ایرانی سفیر نے دند سے ایک ملاقات کی جس کے نتائج سے ایک سال بعد ۸ مارچ ۱۸۵۷ء کو ریزیدنٹ متعینہ دہلی کو مطلع کیا گیا ایرانی سفیر نے تجویز کیا تھا۔  
”کہ یہ ضروری ہے کہ دندشاہ جی ناکام ہو کیونکہ بادشاہ کے نجی نمائندہ کی بات تسلیم کر لینے کی صورت میں ریزیدنٹ کا اقتدار ختم ہو جائے گا جو کہ اسبندیدہ ہے۔“

چونکہ بادشاہ کی درخواستوں کو کئی بار ٹھکرایا جا چکا تھا اس لئے گورنمنٹ کے خیالات ریزیدنٹ کے پاس روانہ کر دیئے گئے تاکہ بادشاہ کو ان سے آگاہ کیا جاسکے

ایرانی ناظم نے تحریر کیا ہے کہ شاہ جی کا پہلا عمل اس شرط کی خلاف ورزی تھی

جو گورنمنٹ نے عاید کی تھی یعنی وہ گورنر جنرل کے لئے ایک اعزازی خلعت لے گیا جس کی بادشاہ سے مانگت کر دی گئی تھی کیونکہ گورنر جنرل کو خلعت دینے کے یہ معنی ہوتے تھے کہ گورنمنٹ برطانیہ ظاہری رسوم کی پابند ہے اور اطاعت گزار ہے شاہ جی نے اس امر کے اعلان کرنے میں بھی کچھ پس دیش نہیں کیا کہ یہ تجاویز نہ صرف خاص سرداروں اور شاہزادوں کے لئے اس قسم کے اعزاز عطا کرنے کی تمہید ہیں بلکہ برطانوی گورنمنٹ کی اطاعت کے بعد اگر کوئی انکار کر دے تو مجرم اور مستوجب سزا ہو گا۔ لیکن ان تمام بیجا تجاویز کو گورنمنٹ نے رد کر دیا آگے چل کر حکام نے یہ فیصلہ کیا کہ خط اور خلعت اور وہ تمام خطوط و تحائف جو بادشاہ کی ماں اور بیگم نے شاہ جی کے معرنت گورنر جنرل کو بھیجے تھے ایرانی دفتر کے توسط سے وصول کئے جائیں اور اسی کے ساتھ ہی سائفریز ڈینٹ کو ہدایت کی گئی کہ اگر شاہ جی بادشاہ سلامت سے گورنمنٹ کے بارے میں کوئی شکایت کرے تو اس کی تردید کرے تاکہ بادشاہ کے دل میں حکومت کے خلاف کوئی میل نہ آئے۔

غرضیکہ اسی طرح شاہ دہلی کی شہنشاہیت کے اداء کو روک دیا گیا۔ دیگر عرصہ تیار مختلف فائدے کے لئے دی گئی تھیں مثلاً اضافہ وظیفہ شاہی کا پرانا مطالبہ کہ وہ ایک لاکھ تیس ہزار ماہوار تک بڑھا دیا جائے حق انتخاب و لیعہد ساز و سامان، لوازمات شاہی کا مہیا کرنا، ولیعہد کے وظیفہ کا اجراء۔ امراء و شہزادگان کی تدریس گزرائے کی پُرانی رسموں کی بحالی۔ اگرے کی ضبط شدہ اراضی کی واگذاری اور ان انتظامی شرائط کی پابندی جو لارڈ ولزلی نے ۱۸۵۸ء میں کی تھی ان مطالبات سے اکثر کی منظوری سے حکومت نے انکار کر دیا گورنمنٹ کو امید تھی کہ مذکورہ بالا دفعہ کے تا کامیاب نتائج بادشاہ کو اس کے ناجائز مطالبات ترک کرنے کی ترغیب دینے

میں مالدن میں آئے اور بادشاہ کو ایسی راہ پر لگادیں گے جو شاہی خاندان کی مجبوریوں کے حسب حال ہو بہر کیف شاہ صاحب کے وفد کی ناکامیابی بادشاہ کے دل پر خاطر خواہ اثر پیدا نہ کر سکی وہ مایوس نہ ہوئے اور دوبارہ گورنمنٹ سے بلا تعین مقدار وظیفہ بڑھانے کی درخواست کی اور ریزیڈنٹ نے قناعت کرنے کے لئے کہا مگر وہ کوششیں میں ناکام رہیں اور آخر شاہ بادشاہ کے شدید اصرار پر اس نے درخواست آگے بڑھا دی۔

اس عرضداشت میں ادل توشاہ جی کے وفد کا تذکرہ تھا پھر گورنمنٹ برطانیہ کی ان خدمات کا اعتراف کیا گیا تھا جو انھوں نے خاندان شاہی کے ساتھ کیا تھا اور بعد میں یہ تشریح تھی کہ مرحوم بادشاہ کے لوازمات برقرار رکھنے اور دوسرے امور کے باعث میں سخت مالی الجھن میں مبتلا ہوں اس لئے حکومت برطانیہ کو ازراہ عنایت میرے آڑے وقت کام آنا چاہئے۔ بادشاہ کے مراسلہ کی بنیاد جنرل لیک کے مراسلہ پر تھی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ شاہی خاندان کی کفالت کے انتظام محض عارضی ہیں آئندہ جنگ کے اثرات دائل ہوتے ہی اطمینان بخش انتظام کر دیا جائے گا۔

ریزیڈنٹ نے ان دلائل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کا فیصلہ گورنمنٹ پر چھوڑا اور یہ فیصلہ کیا کہ گورنمنٹ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ بشرط لگا دے کہ کسی شہزادہ کو بھی مسلح آدمی رکھنے کی اجازت نہیں اس بشرط کا اشارہ بالخصوص شاہنوازہ جہاں گیر کی طرف تھا جس کے شکوہ کے سامنے خود ولیعہد کی شان ماند پڑ گئی تھی جبکہ اس کے داماد میں ولیعہد کی کا سودا سمایا ہوا تھا۔

زمانہ نے بادشاہ کے ساتھ سازگار کی لارڈ منٹو کو بادشاہ پر رحم آیا اور اس نے تمام مراسلات کا جائزہ لیا مندرجہ بالا چار پڑتال کا ایک خاکہ یادداشت کی فیکل میں بورڈ

کو بتاریخ سرجون سلطانہ روانہ کر دیا گیا جس میں شاہی وظیفہ کو ۱۲ لاکھ سالانہ بڑھا دینے کی سفارش کی تھی۔ گورنمنٹ کے ذریعے ریزیڈنٹ متعینہ دہلی کو ان جملہ شرائط سے مطلع کر دیا جس پر وہ فوراً کاربند ہونا چاہتی تھی اس فیصلہ کی ابتدا اسی طرح کی گئی کہ تمام خطہ کتاہت کے صحیح معانیہ اور واقعات حاضرہ کے جائزہ نے ان دلائل کو جواب تک بادشاہ کے وظیفہ کی زیادتی کے مطابقت کو ناجائز سمجھتے رہے بدل دیا ہے گورنمنٹ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر بادشاہ کو صحیح راستہ پر لگانا چاہا تاکہ وہ اپنی حالت اور حکومت برطانیہ سے اپنے تعلقات کا بہتر اندازہ کر سکے انھوں نے اس سلسلہ میں اپنا یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ گورنمنٹ نے دلیہد کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ہی اس کا مشاہرہ دینا منظور کر لیا ہے لیکن دلیہد بادشاہ کے بڑے بیٹے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا شہزادہ جہانگیر کے حافظ رسالہ کی برطرفی کا حکم بھی دے دیا گیا تھا۔

گورنمنٹ نے احتیاطاً ریزیڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ بادشاہ پر یہ واضح کر دے کہ اگرچہ گورنمنٹ نے شاہی وظیفہ میں اضافہ اولیں یادداشتوں کے وقت سے کیا ہے مگر بایں عہدہ گو وزیرجل بہ اجلاس کوئل یہ مناسب سمجھتا ہے کہ بادشاہ ان شرائط کی تعمیل وظیفہ میں ترقی کے وقت سے کرے۔ انھوں نے یہ بھی ریزیڈنٹ کو بتلایا کہ شاہی وظیفہ کے ازدیاد پر شاہ حاجی کے دند کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔ ریزیڈنٹ مذکورہ بالا فیصلہ پاتے ہی بوجہ چنڈ بادشاہ کو اس سے مطلع نہ کر سکا ایک وجہ یہ تھی کہ اس خبر کی وصول یابی کے ایک ہفتہ قبل محل میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا بادشاہ نے محل کے بھانگوں پر قبضہ کا حکم دے دیا مرزا جہانگیر نے جارحانہ اقدام کیا اس کشمکش میں شہزادے کی محافظ فوجوں کی کچھ جانیں بھی ضائع ہوئیں نتیجہ کے طور پر بادشاہ کا دل اس سے بہت مشوش ہوا اور اس خیال سے کہ مبادا عوام کے دل میں ایہ خیال پیدا ہو جائے کہ بادشاہ کے لئے یہ فیصلہ ایک

قسم کی مفاہمت بلکہ یہ کہ شاہزادہ جہانگیر کو الہ آباد جلاوطن کر دے لہذا مناسب سمجھا گیا کہ یہ فیصلہ ملتوی رکھا جائے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ شاہ حاجی اور راجہ شیر مل کچھ دنوں پہلے دہلی میں وارد ہوئے تھے۔ اگر اس کا اعلان کیا جاتا تو ممکن تھا کہ یہ لوگ اپنی قابلیت پر محمول کرنے لگے مگر کچھ دنوں بعد جبکہ بادشاہ کا دل سکون پذیر ہو گیا اور بادشاہ نے اپنے لڑکے کو دہلی عہد کے عہدے پر مقرر کر دیا تو اس وقت ریزیدنٹ نے مناسب سمجھا کہ گورنمنٹ کے اس فیصلے سے بادشاہ کو مطلع کر جس پر اظہار اطمینان و مسرت کیا گیا۔ گورنر جنرل کے خط کے جواب میں بادشاہ نے زوردار الفاظ میں اس فیصلہ پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور گورنر جنرل کے ساتھ وابستگی اور کامل اعتماد کا یقین دلایا۔ بادشاہ نے اس کی تمنا کی کہ اس کے بیٹے مرزا جہانگیر کو عہدہ واپس بلا لیا جائے اور ریزیدنٹ نے بھی اس کی سناراش کی چنانچہ گورنمنٹ نے چند شرائط کے ساتھ شاہزادے کی واپسی کو منظور کر لیا۔ بادشاہ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ شاہی معاملات کے متعلق مذکورہ فیصلہ سے جو امیدیں وابستہ تھیں ان پر علیحدگی پائی پھر گیا اور بادشاہ دیرینہ مقاصد کو حاصل کر کے تنہا ایک ایسے فتنے سے دوچار ہوا جس سے اس کے وقار کو زبردست ٹھیس لگی۔ یہ پران کنشن وفد کے نام سے مشہور ہے۔

پران کنشن مرشد آباد واقع بنگال کا رہنے والا تھا جو دولت و اقبال کی تلاش میں گئے رہنے کے بعد دہلی میں سکونت پذیر ہوا یہاں کسی درباری کے توسل سے وہ بادشاہ دہلی کا گناہ بن گیا اس نے یہ ہوا باندھی کہ بادشاہ کی تمنائیں ضرور باد آور ثابت ہوں گی ان کے مطالبات کو منوانے کی کوشش کی جائے گی اگر وہاں نہیں تو دہلی انگلستان میں تو ضرور ہی کامیابی ہوگی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اسے راجہ کے خطاب سے نوازا اور اپنا نام عہدہ بنا کر پڑھا۔

میں۔ اس وفد کی دلچسپ روئداد سر ہے۔ ڈبلو۔ کے ای کے الفاظ میں یہ ہے  
 اس وفد کی خفیہ تحریک ہے۔ حر دلچسپ ہے۔ دو مکمل ہندوستانیوں میں جس میں ایک ہندو  
 تھا اور دوسرا مسلمان جس کا سرغنہ ایک مسلمان عالم تھا بادشاہ کو درغلابا کہ وہ اس کے لئے گلہ میں  
 برے فرائض انجام دے سکے ہیں خصوصاً شہزادہ جہاںگیر کی جانشینی کے متعلق سرمنبری رس  
 بیت جس کے ذریعہ سے جس کا لکھا ہوا ایک خط خود بادشاہ کے نام بھی پیش کیا گیا بادشاہ اپنی  
 سادہ لوحی سے ان کے دام فریب میں آگیا۔

یہ عیار بحیثیت اکیس کلکتہ چلے گئے اور ان کا سرغنہ فریب دینے کے لئے دہلی میں ہی  
 مقیم رہا انہوں نے اپنا کام نہایت ہوشیاری سے کیا کوئی جھوٹ اور جمل ایسا نہ تھا جس کو ان  
 دھوکے بازوں نے کہنے یا کرنے سے پس و پیش کیا مولارڈ دسل کے ہاتھوں اپنے استقبال  
 کی خوب غریب داستانیں گراہیں اور اس حاکم کے نام سے خوب جعلی خطوط بھیجے انہوں نے  
 بتایا کہ کلکتہ پہنچے ہی وہ پہلے لارڈ دسل سے ملے اور جس وقت اسے حالات کا علم ہوا وہ کہتے  
 انہوں نے لگے لگے بادشاہ کا خط پڑھ کر وہ انگشت بد نشان رہ گیا اور سفیر کو یقین دلایا کہ اس نے  
 مسٹر شکاف گورنر جنرل کو اس مضمون کا ایک خط لکھوایا جس میں اسے بادشاہ کے ساتھ خزانہ  
 سلوک پر کوسا گیا تھا۔

اس طرح کے جعلی اور جھوٹے خطوط تحریر کر کے انہوں نے اعلیٰ حضرت کو کامل یقین  
 دلایا کہ ان کی عرضداشتیں خاطر خواہ توجہ حاصل کر رہی ہیں انہوں نے بعد کے مراسلہ میں لکھا کہ وہ  
 گورنر جنرل بہادر اور سابق ریزیڈنٹ دہلی کے ہمراہ لندن جا رہے ہیں اور بادشاہ سے دیکھتے  
 کی کہ ان کی تنخواہ ان کے بدلے ایک دروست کو جس کا نام انہوں نے بتلوا دیا تھا دے دیا کریں۔  
 جھوٹے ملنے ٹائیڈ کی کہ یہ بیان صحیح ہے کہ گورنر جنرل بہادر کے ہمراہ دکنر شاہی بھی جہاز

سے روانہ ہو چکے ہیں۔ بالآخر ان فریب کاریوں کا پردہ چاک ہو گیا۔

کلکتہ سے جو خط موصول ہوئے تھے، ٹکاف کے حوالے کر دئے گئے بادشاہ نے انتہائی تاسف و پریشانی کا اظہار کیا۔ ٹکاف نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ ناقابل عمل تبدیلیوں کی تکلیف دہ خواہش کو عمل میں لانے کے خواب کو جو کہ اس کی زندگی کے واسطے سوہان روح ہو گئی ہے ترک کر دے

بران کشن کی بھی تذلیل ہوئی اسے خطاب سے محروم کیا گیا۔ ٹکاف کو امید تھی کہ ان کوششوں کے بعد اس کی نصیحت بادشاہ کو آئندہ کیسے باز رکھے گی لیکن اس کی یہ امید پوری نہ ہوئی کہا جاتا ہے کہ کلکتہ کی ناکامیابیوں کے بعد اس نے کلکتہ میں نواب وزیر سے دوسری سازش شروع کر دی یہ سازش اس کے بیٹے جہاں گیر کے ذریعہ عمل میں آئی جو الہ آباد سے ایک شادی کی تقریب میں شرکت کے بہانے کلکتہ گیا تھا تاکہ نواب کی خدمت میں ٹمس ہو کر برطانوی گورنمنٹ سے وظیفہ میں اضافہ کر دے۔ مسٹر کے ای۔ لکھتے ہیں۔ درحقیقت حقہ سازشوں کا ایک سیلاب تھا جو محل سے مسلسل امنڈ آیا تھا حالانکہ وہ اپنے اثرات میں مشکل سے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا تاہم تکلیف دہ ضرور تھا اس لئے اس کے روکنے کی ضرورت تھی وہ خط جو بادشاہ نے نواب وزیر اور دھوکھ کو لکھا کلکتہ کے ریزیڈنٹ کے ہاتھ لگ گیا اور اس سازش کے انکشاف کے نتیجے میں شہزادے پر پابندی عاید کرنے کی سزا کی گئی گورنمنٹ نے ایسے طرز عمل پر اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے بادشاہ کے زائد وظیفہ کو بذکرہ دینے کی ہدایت کی جو ۱۸۷۸ء میں منظور ہوا تھا۔ تاکہ بادشاہ کو امانوس ہو۔ یہ طریقہ کار مؤثر ثابت ہوا بادشاہ نے تاسف کیا اور وظیفہ دوبارہ جاری کر دیا گیا۔ شہزادہ کو بھی اس فعل پر مذمت ہوئی۔ اور وعدہ کیا کہ آئندہ گورنمنٹ کی خواہش کے مطابق عمل کرے گا

گورنمنٹ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور شہزادے کے خانگی اخراجات میں کمی کر کے ۱۲۳۱۵ سے ۱۵۰۰ روپیہ ماہانہ کر دئے اس کے بعد ہی لارڈ منٹو نے گورنر جنرلی کا چارج لیا لارڈ منٹو نے اپنی مشاہدہ کی روشنی میں اور باتوں کے ماسواہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ اپنے ناممکن الحصول مقصد پر اڑا ہوا ہے لیکن طاقت کی محتاجی کی بدولت کھلے بندوں کرشمہ نہیں کر سکتا اور تانا بے بس ہے کہ اپنی خواہشات کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے وہ ادنیٰ چالوں اور نازیبا سازشوں کے جال میں پھنس جاتا ہے جو محل کی بیگمات اور بی بی ذہنیت کے مشیروں کی فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ سرچارلس ٹمکاف جب دہلی میں نائب ریزیڈنٹ تھا تو اس نے ارباب محل و عقد کی توجہ ان آنے والے خطرات کی طرف مبذول کرانی جو کہ وہ کمزور منسل بادشاہ کے مطالبات کو نہ دبا کر اپنے واسطے اکٹھی کر رہے تھے۔

وقت گزرتا رہا اور انگریز ہندوستان میں اپنے مقبوضات کو محفوظ سمجھ کر بیرونی دشمنی سے خوفزدہ نہ تھے کیونکہ ان کو اپنی طاقت پر اعتماد تھا۔ لارڈ دلہی کے عہد میں ایک عظیم الشان منصوبہ ناتمام رہا تھا لیکن دس سال بعد لارڈ ہیسٹنگز کے زمانہ میں اس منصوبہ کے پریشان اجزاء رنگ لائے اور اس نے حالات کو اتنا ساڑا کہ پاپا کے حملہ والیاں ملک پر حکومت برطانیہ کی بالادستی ایک حقیقت نظر آنے لگی۔ ہندوستان اور انگلستان میں انقلاب عظیم ہو چکا تھا اور اسی کے ساتھ ہمارے خیالات میں بھی لارڈ ہیسٹنگز کو شہنشاہ دہلی کے خلاف رویہ کی کارفرمائی کا موقع مل گیا یہ کوئی غیر فطری امر نہ تھا کہ ایک نئے گورنر جنرل کے تقرر سے منسل بادشاہ کو اپنی امیدیں سرسبز ہوتے معلوم ہوئیں اور اس نے جاہا کہ وہ سرکار برطانیہ کے نئے افسر سے میل جول پیدا کر کے اپنی دیرینہ آرزوئیں پوری کرے جب بادشاہ کے علم میں آیا کہ گورنر جنرل مغربی صوبہ جات کا دودھ کرنے والا ہے تو



بادشاہ نے ریزیڈنٹ مسکاف سے ایک حد تک تکلیف دہ سلسلہ نام و پیام شروع کر دیا تاکہ اس کی ملاقات گورنر جنرل سے ہو جائے۔ مارکوس آف ہینگز کا قول ہے کہ بادشاہ نے کمپنی کی حکومت برسرِ اقتدار کو مرجعِ نابت کرنے کے مخصوص طریقے میں متعدد ترمیمات کی کوشش کی لیکن آخر کار جب مسٹر مسکاف نے شہنشاہ کو اس کا یقین دلایا کہ خواہ وہ میرے اعزاز میں کمپنی ہی کی کیوں نہ کریں میں کسی اجنبی حکومت کی برتری اپنی حکومت میں تسلیم کرنے کا مخالفت رہوں گا تو بادشاہ نے ملاقات کا خیال ترک کر دیا۔ میرا یہ طرزِ عمل پارلیمنٹ کے اس عالیہ قانون کی وجہ سے نہ تھا جس کی رو سے کمپنی کے محروسہ علاقہ پر صرف برطانوی تاج کی حکومت تسلیم کی گئی ہے بلکہ ہماری اس غلط پالیسی کے قوی احساس کا نتیجہ یہ تھا کہ شہنشاہ دہلی کے اقتدار کو بہرِ نفع تسلیم کر لیا جائے۔

سرکارِ برطانیہ کی اس بے باکانہ پالیسی پر عمل بطورِ انتظام شروع کر دیا گیا اس جذبہ کے ماتحت جو واقعات بعد کو پیش آئے ان کی چند مثالیں یہ ہیں۔

ایک پرائیویٹ روزنامہ میں گورنر کا یہ بیان ہے

خاندانِ تیموریہ کو اس درجہ نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ بات بات میں اس کی رجوع کرنے کی عادتِ سبِ رعیت مفعود ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شاہی خاندان کے مراسمِ آداب جو ہم نے اپنے اوپر عائد کر لئے تھے اور جن میں ہماری ماتحتی اور وفاداری کی جھلک تھی۔ ختم ہوتے جا رہے ہیں میں نے بھی اس بات کو اس لئے صحیح تصور کر لیا کہ اس کی نمائندگی دتھن کو ختم کر دیا جائے خواہ اس کا تعلق ہم سے ہو خواہ دلی ریاستوں سے۔

لارڈ ولزلی کے عہد تک سرکارِ برطانیہ کی حکومت ممالکِ محروسہ پر غیر مکمل تھی لیکن لارڈ ہینگز کے زمانہ میں ہر طرح باضابطہ مکمل ہو گئی۔ اور جیسا کہ خود لارڈ ہینگز کے

مندرجہ بالا اقوال سے ظاہر ہے گورنر جنرل نے اس تبدیلی کے اظہار سے کسی موقع پر دریغ نہیں کیا۔ ایک دفعہ جبکہ گورنر جنرل لکھنؤ گیا تو اس نے دیکھا کہ نواب وزیر کی عملداری میں بادشاہ دہلی کے دو بھائی سلیمان شکوہ اور سپہر شکوہ جو کہ نواب وزیر کی فیامنی برائے گورنر اوقات کرتے تھے ان کے سامنے نواب نے ایک مربعہ راستہ میں جبکہ ان کو یہ دو وزوں شہزادے ملے کسی طرح اپنے باقی کو ٹھکا کر بادشاہ دہلی سے اظہار عقیدت کیا گورنر جنرل نے فوراً ہی نواب وزیر کو آڑے ہاتھوں لیا اور کہا کہ اظہار مذہبیت آپ ہی کا حصہ ہے سرکار برطانیہ قوانین غلامانہ آداب کو اب خیر یاد کہہ چکی ہے۔ ریزیدنٹ کو اس بات کی ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ موقع کی تاک میں رہے اور نواب وزیر کو ان آداب کے ترک کرنے کی ترغیب دیتا رہے۔ ان آداب شاہی گورنر جنرل کی یہ امید بار آور ہونے میں کچھ دیر نہیں لگی نواب زادہ کے شاہی لقب اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ دہلی کے دربار نے بر ملا غیظ و غضب کا اظہار کیا اور دو وزوں حکومتوں میں ناقابل عبور خلیج منافرت پیدا ہو گئی اس جدید حکمت عملی کا ایک رخ یہ تھا کہ والی کنوند (Wali Kund) کے لڑکے اور جانشین فیض محمد خان نے گورنمنٹ سے یہ درخواست کی کہ اسے خلعت عطا ہو۔

ہشنگنگز کی سرکار نے ممکن الوجود اعتراضات پر غور کیا جواب تک اس طرز عمل کے مانع تھے اور بالآخر فیصلہ کر لیا کہ شاہی اختیارات خود اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور اس کو خلعت عطا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن یہ احتیاط کی گئی کہ یہ فیصلہ باقاعدہ اعلان کے ذریعہ مشہر نہیں کیا گیا۔

ریزیدنٹ دہلی کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ اگر بادشاہ کوئی اعتراض کرے تو اس کو جواب نہ دیا جائے بلکہ صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ سرکار کی یہی مرضی ہے ایک اور مثال

بطور نظربش کی جاتی ہے کہ جے پور کے نئے راجہ نے اپنی گدی نشینی کے موقع پر دہلی سے ٹیکہ کی رسم کے لئے درخواست کی ہسٹنگز نے اجازت نہ دی کیونکہ اس نے خیال کیا یہ باتیں بادشاہ اور دہلی راجہوں میں رسم دراز کے دیرینہ رواج کو ختم کرنے کے اصول کے منافی ہیں کیونکہ اگر ان رسوم کو ختم نہ کیا جائے تو بادشاہ کا ٹٹا ہوا اقتدار بڑھ رہے گا۔

مخصوص جشن شاہی کے موقع پر برطانوی کمانڈر انچیف شاہ دہلی کے سامنے نہ پیش کیا کرتا تھا اس رسم کو موصوف نے بکثرت اڑا دیا کیونکہ اس سے کمپنی کے محروم علاقوں پر تاج دہلی کا نفوذ نمایاں ہوتا تھا۔

اس وقت برٹش گورنمنٹ کی وابستگی اور ادعائے اقتدار شاہی کے درمیان جو تفاوت تھا اس کو بھی مراسلوں کے مقررہ انقباض و انقباض میں تصنیف کر کے ختم کر دینے کی کوشش کی گئی۔ سر جے۔ ای۔ کول بروک کو جب دہلی میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا الدین کے محکمہ کے ناظم سر سٹیف مہنتی انعام اللہ خاں بہادر گوباموی تھے دتار بیخ خضار گوبامو مصنف مہنتی محمد حسن، تو اس تقریر کی اطلاع شہنشاہ کی خدمت میں حکومت برطانیہ کے ہندوستان کے نمائندے کی طرف سے ایک نئے انداز کے واسطے سے دی گئی۔ گورنمنٹ کا ایرانی وزیر اس سلسلے میں لکھتا ہے

۱۸۱۹-۲۰ء تک گورنر جنرل ایک بڑی مہر جس پر لقب و فادار اکبر شاہ یا صلاہ گجوش اکبر شاہ کندہ تھا استعمال کرتا تھا اور خط جو بادشاہ کو لکھتا تھا وہ عہدداشت درخواست کی شکل میں ہوتے تھے۔

اس وقت یہ ارادہ کر لیا گیا کہ کوئی باقاعدہ رزلویشن اس مضمون پر نہیں

کہ مہر کو جس پر عہد نامہ مندرجہ ذیل مندرجہ قرار دیا جائے اور اس کے بجائے وہ مہر جو اس سے پہلے گورنر جنرل کے لئے غیر ملکی مغربی ایشیا کے شہزادوں سے خط و کتابت کے لئے تیار کی گئی تھی استعمال کی جائے اور اسی تاریخ سے برطانوی گورنمنٹ کے امپیریل نے بادشاہ سے مراسلت بند کر دی۔ جب نئے ریزیدنٹ کے دہلی میں تقرر اور گورنر جنرل کی آمد و رفت کے مواقع پر مراسلت اور تحریری شناختی ایک نکتہ رک گئی تو بادشاہ نے یہ سمجھا کہ میری دانستہ توہین کی گئی ہے اور اس سے اس کو سخت کوفت ہوئی۔

گئے ہاتھوں اور واقعہ بھی سنئے ۲۹ جنوری ۱۸۵۷ء کو شاہ انگلستان کی وفات اور اس کے لڑکے کے تخت نشین ہونے کی خبر شاہ دہلی کو پہنچائی گئی۔

اس خبر کو سن کر شاہ دہلی نے گورنر جنرل کی معرفت پیغام اعتراض اور سنئے باوجود کے لئے تہنیت بھیجا چاہا مگر لارڈ ہسٹنگز نے شہنشاہ کی اس خواہش کی تعمیل سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد سے رسمی آداب مراتب کے خلاف برطانوی مداخلت نمایاں ہونے لگی۔ جس سے بادشاہ اور اراکین شاہی بہت آزرده ہوئے یہ سچ ہے کہ لارڈ ہسٹنگز کے رویہ اور طریقہ کار نے بادشاہ کے مفاد میں بہت رد و رے اٹکائے لیکن اس طرح سے گورنر جنرل لارڈ امرہسٹ کی نیا مینوں سے بھرپور بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں اگست ۱۸۵۶ء میں لارڈ امرہسٹ نے حسب دستور مغربی صوبوں کا دورہ شروع کیا۔

جب بادشاہ کو اس کا علم ہوا تو قدرتا وہ اس سے ملنے کا خواہشمند ہوا۔ کچھ روز تک محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے بعد بادشاہ کو امیدوں کی جھلک نظر آنے لگی۔ جب گھوڑے جنرل متھرا پنچا تو شہنشاہ نے اپنے بیٹے مرزا سلیم کو اس کے پاس بھیجا تاکہ وہ مطلع کر دے

کہ بادشاہ آپ سے ملاقات کے خواہشمند ہیں۔ اس ملاقات کی رسمی ترتیب طے ہو کر  
کے بعد گورنر جنرل دہلی پہنچا اور بادشاہ سے محل میں ملا۔ بادشاہ نے ریڈیٹ کو لکھا کہ خدا  
کے فضل سے آخر کار لاڈ امرہسٹ میرے یہاں آئے اور میں نے رازدارانہ طریقہ اور سر  
کے تاثرات سے جو تناؤں کے بر کرنے کے لئے خوش آمدید کہا۔ حتی الوسع میں نے ان  
کی خاطر ملاقات کی اور جو معاہدات ہمارے اور گورنمنٹ برطانیہ کے درمیان ہوئے تھے وہ  
بیان کئے اس کے ساتھ ہی ہم نے اپنی خواہشات بھی ظاہر کر دیں۔

یہ مراسلہ ایک عرضداشت کی شکل میں تھا جس کو اسی وقت گورنر جنرل کے سکریٹری  
کو دے دیا۔ بیچہ نے بھی ایک علیحدہ عرضداشت اپنے معاملات کے متعلق پیش کی اور  
عرضداشت میں بادشاہ نے خواہش کی تھی کہ گورنمنٹ ان شرائط کو جن کے متعلق اس  
کا خیال تھا کہ گورنمنٹ نے اس کے مرحوم باپ سے کئے تھے پورا کرے۔

علاوہ ازیں شہنشاہ نے اپنے وظیفہ اور رفتار کے متعلق جو مدت ہوئی ختم  
تھے کچھ اور باتیں بھی پیش کیں، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دوران گفتگو میں ایرانی سکریٹری افشا  
بیگ دکیل بادشاہ متینہ پریڈیٹنسی سے کہا کہ وہ مضامین جن کا کہ بادشاہ کی عرضداشت  
میں حوالہ ہے کسی صورت سے بھی سرکاری معاہدے نہیں قرار دئے جاسکتے اس کا جواب  
جواب افضل بیگ نے ۱۴ اگست ۱۹۲۶ء کو دیا اور سکریٹری کے دعویٰ کی یوں تردید کیا  
(۱) جب ریڈیٹنٹ نے دستخط کے بعد محولہ کاغذات شاہ مرحوم کے حوالے

تو اس نفل سے یہ ثابت ہو گیا کہ فریقین کے مابین معاہدہ ہے۔

(۲) ان کاغذات میں ایک تحریر موجود تھی جس کی رو سے ستر ہزار روپیہ باد

کو سات مذہبی تقریبات پر دے جا رہے تھے۔

(۳) ہنجد اور دفنات کے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ سزائے موت کے کاغذات شاہ مرحوم کے سامنے حکم نامہ کے لئے پیش کئے جایا کریں۔

(۴) مشنہ کے ضابطہ ۸ میں صریح طور پر تاکید ہے کہ شہر دہلی و مصافات جو ناہی خاندان کی کفالت کے لئے مخصوص ہے کمپنی کی حدود سے باہر ہے۔

بادشاہ نے مشنہ میں اس بات پر زور نہیں دیا کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ریڈیٹنٹ و حکام بالا کے سامنے اس معاملہ کو پیش کر دے۔ بادشاہ سلامت اپنی عرضداشت ریڈیٹنٹ کو بھیجنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ان کو خبر ملی کہ لاٹ صاحب دورہ کرنے آئے ہیں اس لئے انھوں نے سوچا کہ اس سے ملاقات کریں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اصل معاہدہ پر عمل کیوں نہیں ہو رہا ہے بادشاہ کے دعوے اس معاہدہ پر مبنی تھے اور وہ ان سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔

بہر نزع گورنمنٹ نے بادشاہ کی مذکورہ بالا عرضداشتوں کی ایک نقل ریڈیٹنٹ معینہ دہلی کو اس کی رائے معلوم کرنے کو بھیج دی سرچارلس نکسٹن اس وقت دہلی کا ریڈیٹنٹ تھا اس نے طویل نوٹ میں اپنے خیالات لکھ کر گورنمنٹ کو واپس کر دی ابتدا ہی سے ریڈیٹنٹ موصوف بادشاہ کے مطالبات کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات شدید مخالفت بھی کرتا تھا۔ اس نوٹ میں اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ بادشاہ کی عرضداشت کا مقصد محض وظیفہ کی رقم کو بڑھانا تھا۔ اس لئے اس نے یہ ثابت کیا کہ وہ دستاویز جو مرحوم بادشاہ کو مشنہ میں ارسال کی گئی تھی وہ ہرگز گورنمنٹ کی مستقبل کے طرز عمل پر کسی قسم کی پابندی نہیں عائد کرتی تھی بلکہ اس میں صرف گورنمنٹ کے ارادوں کا ذکر تھا حکومت برطانیہ کی نیت کبھی یہ نہ تھی کہ بادشاہ کے ساتھ کوئی معاہدہ کرے

نسکات کے دوسرے خیالات مختصر اسی کے الفاظ میں یہ ہیں۔

”یہ تحقیق نہیں ہے کہ عشاء کے معاہدہ کا کیا منشا ہے آیا بادشاہ کے لیے وظیفہ

کی کوئی خاص رقم منظور کرنا ہے یا اسے کسی خاص علاقہ کی خالص آمدنی دینا ہے“

لیکن یہ یقین کرنے کے لئے کافی وجہ موجود ہے کہ بہر نوع یہی نیت ہو سکتی تھی

کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ کیا وظیفہ مقرر کیا جائے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی مخصوص

علاقہ کی محبت کی آمدنی سے یہ داد ہو کہ وظیفہ کی رقم کاتین نہ ہو تو یہ امر بھی مبہم رہ جاتا ہے

علاوہ یہ واضح ہے کہ عشاء میں علاقہ کے اخراجات میں فوجی اخراجات بھی شامل ہیں

لیکن عشاء کا منشاء کچھ بھی ہو اس پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ یا وہ مخصوص علاقہ جو بادشاہ

کو دئے جانے کی تجویز تھی دوسرے سرداروں کو دے دیا گیا تھا اور جو اس سے محفوظ رکھا

گیا وہ بادشاہ سلامت کے بار کو اٹھانے کے لئے قطعاً ناکافی تھا لہذا شاہی وظیفہ برابر

بلا لحاظ آمدنی ادا ہوتا رہا اور قطعی انتظام عشاء میں کر دیا گیا۔ جس کی رو سے وظیفہ بڑھا دیا

گیا حکومت ہند اور آریل کورٹ آف ڈائریکٹرز نے بھی ان وعدوں پر غور کیا جو بادشاہ

کے ساتھ پہلے کئے گئے تھے۔

اگر عشاء کے ارادے کا اطلاق علاقہ دہلی کی آمدنی میں ظاہری اضافہ پر ہو سکتا ہے

تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت کے فیصلہ میں دہلی کا جنوبی حصہ نہیں شامل تھا اور دوسرے

اضلاع شامل تھے جو اب علاقہ دہلی سے خارج ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عشاء میں جو نیا مندرجہ وظیفہ کی طے ہوئی تھی وہ تقریباً اس

رقم کے برابر تھی جو موجودہ علاقہ دہلی کی کل آمدنی میں سے اخراجات حکومت وضع کرنے کے

بعد بچ رہی تھی۔

یعنی تیس لاکھ روپیہ اور اس میں سے فوجی اخراجات بھی ادا کرنے تھے اور اگر اس طریقہ پر عمل کیا جائے تو پھر اس آمدنی میں شاہی وظیفہ نہیں بڑھایا جاسکتا۔

حاصل کلام اس کی معقول و مناسب نظر آتی کہ برٹش گورنمنٹ جو مقررہ رقم بطور وظیفہ بادشاہ سلامت کو دے رہی ہے اور جو بادشاہ سلامت کی مفروضہ ضروریات اور ہماری حیثیت کے مطابق ہے اس میں کسی قسم کی ترمیم کرے۔

سرچارلس ٹسکاف نے ان خیالات کے اظہار کے بعد یہ لکھا کہ وظیفہ کا بڑھانا دشوار ہے البتہ شاہی خاندان کے ددر کے عزیزوں کی پرورش میں یقیناً اضافہ کی ضرورت ہے شہنشاہ کی عمر منداشت کے جواب میں گورنمنٹ نے وہی رویہ اختیار کیا جو ٹسکاف کی تجاویز تھیں۔ بادشاہ قدرتا بہت مالوس ہوئے چنانچہ انھوں نے ریڈینٹ کو ایک تحریر بھیجی جس میں لکھا کہ مگورنر جنرل نے ان معاہدوں اور وعدوں کے ایفاء میں دوسروں کی طرح کوئی دلچسپی نہیں لی حالانکہ یہ معاہدے گورنمنٹ کے آئین میں داخل تھے۔

مکتوبی رسم دراہ جس کو کچھ عرصہ پہلے بذکر دیا گیا تھا اور جس سے بادشاہ ٹسکوک میں مبتلا تھے وہ بادشاہ کے خیال میں لارڈ ڈامسہٹ سے ملاقات کے بعد از سر نو جاری ہو جاتے۔

کل برک کا تقرر جب بحیثیت ریڈینٹ دہلی عمل میں آیا تو تجدد و مراسلت تو ضرور ہو گئی لیکن ان سے وہ جملے نکل کر دئے گئے جن سے برٹش گورنمنٹ کی سیاسی وابستگی کا اظہار ہوتا تھا۔

(باقی آئندہ)



# ایک گنام شاعر

(جناب مولوی امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم کتب خانہ ریاست رامپور)

اردو ہی پر موقوف نہیں، ہر زبان کے مشہور شاعروں کی تعداد، گناموں کے مقابلے میں کم ہوا کرتی ہے۔ آپ نے یہ شعر بار بار سنے ہوں گے :-

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کر ہاتھ دیکھا جو مجھ کو، چھوڑ دے مسکرائے ہاتھ  
دینا وہ اس کا ساغر سے یاد ہے، نظام منہ پھر کر اُدھر کو، اُدھر کو بڑھائے ہاتھ

مگر کہتے ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ نظام کون تھے، کہاں کے تھے اور کیا کہتے تھے۔

لوگ کہتے ہیں گنامی کی وجہ شاعر کی بد نفسی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں، مگر بد نفسی کا باعث اپنے کلام کی خوبیوں پر بجا اعتماد ہوا کرتا ہے پہلے زمانے میں مشک خود بود تیا ہو تو دیتا ہو۔ اب تو عطار کو نتا پڑتا ہے کہ یہ کیا ہے اور اس کی بڑکی ہے

رامپور کے شاعر اسی بد نفسی کی بدولت میر دنی حلقہ ادب میں کم مشہور ہیں حالانکہ ان میں ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو ہندوستان کے بڑے بڑے استادوں کی نگر کے تھے۔ غالب کا مشہور شعر ہے :-

نظرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے، دیا، لیکن ہم کو تقلیدِ تنگ ظرفی منصور نہیں

رام پور کے ایک شاعر نے بھی یہی معنوں باندھا ہے۔ مگر اُس نے نہ منصور کو

گھسایا اور نہ اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا کہتا ہے :-

اے ذابخِ انا الحق ترا دعویٰ حق ہے      ایک دستور نہیں قطرے کو دیا کہتا  
غالب ہی کا ایک اور مشہور شعر ہے :-

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہر منہ پر دہن      وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہی  
ہات بڑے بڑے زسے کی کہی ہے۔ مگر یہاں بھی گھپا ہوا طنز موجود ہے۔ رام پور ہی کے دوسرے  
شاعر نے اس قافیے میں طبع آزمائی کی ہے کہتا ہے :-

لاکھ جانیوں ہوں تو قربان ہیں اس دہن پر      آپ آنسو نہ بہائیں مرا حال اچھا ہے  
یہ اور اسی قسم کے بہت سے بلند پایہ شعر جب کبھی میں نے کسی خوش ذوق دوست کو سناۓ  
تو سُننے والے نے کہنے والے کے متعلق اکثر لاعلمی کا اظہار کیا۔ اوروں کا ذکر چھوڑیئے  
مجھے یقین ہے کہ آپ نے بھی اسانڈہ رام پور کا کلام بہت کم پڑھا اور سنا ہوگا ایک  
قصیدے کے چند ابتدائی شعر ملاحظہ فرمائیے :-

شکستِ دہنِ باز آنا کامی کا ہے ساماں      جہاں سے دودِ شمع کشتہ بن کر اڑھکی چلی  
بہارِ شادمانی کا ستارہ آج یہ چپکا      زل : گلدستہ انجم میں ہے اک نوگلِ خنداں  
خوشی بالیدہ یوں ہوتی ہے جیسے نشاۓ مہیا      مسرت اس طرح بڑھتی ہے جیسے فصل کاڑاں  
رگِ جاں میں یوں ریشہ دواں کیفیتِ شادی      کہ جیسے تاک کی رگ میں موجِ باؤ ہو پہلا  
دوسرے قصیدے کے چند مدحیہ شعر سُنئے :-

اے ترے قول و عمل میں صفتِ معنی و لفظ      اے ترے عہد و فائیں رُشِ نقشِ دنگلیں  
تیرے دیوار کا از بس کہ ہے بارِ احساں      دب گئی ایسی کہ اب اٹھ نہیں سکتی یوزیں  
ہے ترے ناخنِ احساں کا نقرفتِ ایسا      رویِ عالم پہ نہیں ہے گرہ چہنِ حبس  
تیسرے قصیدے کی دعا ملاحظہ ہو :-

رہے جب تک جہاں میں بزمِ حسنِ محبت کی عری  
ترے بخت ہمایوں پر رہے، فیضِ ازل مغنوں  
تری تقدیر کی نسبت سے چرخِ مشتیں نازاں  
تو ابذلِ کرم ہو قدر افزائے دعا گویاں  
ہمیشہ روز افزوں ہو، ہمایوں ہو مبارک ہو  
ان شہر ولی کو من کر آپ نے ادا زہ کر لیا ہو گا کہ شاعر نصیبہ گوئی میں کیا ورہ  
رکھتا ہے اب ایک غزل پیش کرتا ہوں :-

اب دل میں ہے تھوڑا ناں نہ کیجئے  
مر جا ئے طیب کی صورت نہ دیکھئے  
رنگِ رگ میں ایک تیز سا شتر چھوئے  
طولِ شبِ فراق کا افسانہ چھڑئے  
در پردہ دل پہ آہ سے بجلی گرایئے  
توفیر ہو، تو دونوں جہاں بھی نہ لیجئے  
ناخن کو دل میں توڑ کے بس چھوڑ دیجئے  
خبر سے بات کرنے کی حسرت نہ کھنچئے  
ناچار اپنا ہاتھ ہی رکھ لیجے زیرِ سر  
لب ہائے زخم دیکھئے اور خوب روئیئے  
دل بستگی کو عقدہ امید سوئیئے  
میدارئی لبِ خنداں نہ کیجئے  
محبور خیال پریشاں نہ کیجئے

گھر لوٹ لیں، ونا، جو نہیں ہے، نہیں سہی  
سر کاٹ لیں زباں کے عرصہ ہاں نیکیئے

دوسری غزل کے دو چار شعر عرض ہیں :-

ریشکِ ہزار نقشِ سودا کہیں جسے  
سرجوشِ گرمیِ خمِ صہب کہیں جسے  
وہ ایک باتِ رخشِ بیا کہیں جسے  
اک عالمِ ہوسِ غمِ دنیا کہیں جسے  
دہمِ نگاہِ دیدہِ عنقا کہیں جسے  
خود میں و خود فروشِ خود آ کہیں جسے

بارب وہ داغ دے کہ تھا کہیں جسے  
لس کی نگاہِ مست کا جلوہ ہے دیکھنا  
کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں ٹاگئی  
اس دلِ شکستگی پہ عنایت ہوا مجھے  
باقی ہے آنکھ میں ابھی اک پرتوِ خیال  
ہام آ پڑا ہے اُس بتِ عیار سے وفا  
نیرِ غزل کے چہذا شعار سینے :-

اک خوشی سے تری لاکھ حکایت ہم کو  
اک عداوت سے تری لاکھ محبت ہم کو  
یاس کو مزدہ کہ حاصل ہو فراغت ہم کو  
تجھ سے بے رحم سے اک گونہ شکایت ہم کو

ن تری بات میں امید کے سوسو پہلو  
اک بگڑنے میں ترے لاکھ درستی اپنی  
سٹ گیا عقدہ دلِ کشمکشِ ناخن میں  
سادگی دیکھ کہ اس قطعِ تعلق پہ بھی ہے  
جو تھی غزلِ ملاحظہ فرمائیے :-

ظالمِ پیرِ امتحانِ اسیبِ وفا ہے کیا؟  
بھر پوچھنا کہ عفتہ بندِ قبا ہے کیا؟  
بھرا رنگنا کہیں دل بے دعا ہے کیا؟  
ظالم کی دشمنی بھی محبتِ فرا ہے کیا؟  
بے پردہ بھر یہ نازشِ صبرِ آزا ہے کیا؟  
نیرنگِ وعدہ ہائے تسلیِ فرا ہے کیا؟

مذہبِ جفا کے پردہ میں فکرِ جفا ہے کیا  
پہلے کسی کے ناخنِ تدبیر توڑنا  
انہوں شوقِ گوشِ دو عالم میں بھینکا  
غیر ہر کے غیر کو اپنا بنا لیا  
دردِ بھر یہ رخشِ طاقتِ گسل ہی کیوں؟  
بادِ طرازیِ سخنِ دلِ نشیں ہے کیوں؟

اک رباعی بھی سنتے چلے۔ کہتا ہے۔

حسرت نے کہا کہ درِ پنہاں میں ہوں      قسمت نے کہا کہ ریخِ حراماں میں ہوں  
اک اک نے تسنیاں دلِ زار کو دیں      بول اٹھی قضا کہ سب کا درماں میں ہوں  
مجھے یقین ہے، آپ نے پہلی باریہ کلام سنا ہے اور تعجب کر رہے ہوں گے  
کہ ایسے پاکیزہ گو شاعر کے حالات اور اشعار سے اردو ادبی دنیا کیوں غفلت روا رکھ  
رہی ہے۔

میں آپ کے اس جذبہ سے فائدہ اٹھا کر عرض کرتا ہوں کہ

یہ شاعر جس کا کلام آپ نے سنا و قفا تخلص کرتا تھا۔ نام عبدالہادی خاں دوم  
غزنی پٹان، اور وطن رام پور تھا۔ وفات کے دادا مولوی ہزار میر خاں تازہ ولایت اور  
بہت بڑے عالم تھے۔ والد محمد یعقوب خاں فوج اور پولیس کے معزز عہدوں پر ملازم رہا  
وفات نے ہوش سنبھالا، تو گھر میں علم و دولت اور عزت سب کچھ دیکھا، ماں باپ نے ناز  
و غم کے ساتھ بالا پوسا اور فارسی و عربی کی مکمل تعلیم دلائی۔ وفات نے مولوی عبدالحی خیر آباد  
سے منطق و فلسفہ کی اور اپنے ماموں حکیم محمد حسین خاں رام پوری سے طب کی تکمیل کی۔  
والد کے انتقال کے بعد کھیل بگڑا اور طلبِ معاش کی خاطر گھر سے نکلنا پڑا۔ تو  
وفات بھوپال پہنچے۔ وہاں نائب تحصیلداری کے عہدے پر کچھ دن کام کیا تھا کہ کسی بات پر  
ناراض ہو کر واپس چلے آئے اور علی گڑھ میں مطب شروع کر دیا۔

شرد شاعری کا شوق بچپن سے تھا اور فارسی اردو دونوں زبانوں میں کہتے تھے  
مولانا حسرت موہانی نے لکھا ہے کہ فارسی کلام میں کسی سے اصلاح لینے کا حال معلوم  
نہیں تھا۔ البتہ اردو کی دو ایک غزلیں ابتدا میں مرزا داغ کو دکھائی تھیں اور اس کے بعد

کچھ کلام امیر مینائی مرحوم کی نظر سے گزرا تھا اگر حق یہ ہے کہ مرحوم خود اپنی طبیعتِ خداداد کے شاگرد تھے، اور ان دونوں استادوں سے شاگردی کا تعلق برائے نام اور محض اک رسم قدیم کی تقلید تھی، ورنہ ان کے رنگ سخن کو داغ و آئینہ کے رنگ سے کچھ واسطہ نہیں؛  
خود دنانے ایک مقطع میں لکھا ہے کہ

اے وفا شیفہ و مومن و غالب ہوں میں میں نے کچھ رنگ اڑایا ہے غزل خوانی کا  
لیکن میری رائے میں مزاج کی آزادی، طبیعت کی مشکل پسندی۔ احساس  
کی نزاکت اور نظر کی بندہی میں وفا کو غالب سے زیادہ شاہدیت ہے، یہ اتفاق تھا کہ  
جو کچھ غالب پر گذرا تھا وہی وہی وفا کو بھی پیش آیا نتیجہ یہ نکلا کہ ردِ سخن اور طرزِ ادا دونوں  
میں مومن سے زیادہ غالب کا اثر وفا کے کلام میں نمودار ہو گیا۔ فارسی ترکیبوں کی بناوٹ  
نادر تشبیہیں اور استعاروں کی سجادت، تخیل کی شگوفہ کاری اور اس پر دے میں حسرت  
و یاس اور ناکامی و محرومی کا بیان سراسر غالب کی زبان اور قلم سے نکلا معلوم ہوتا ہے  
غالب کے عشق نے ابھی وحشت کا رنگ نہ پکڑا تھا کہ انھیں مرگ محبوب پر سوگوار  
ہونا پڑا۔ وفا کو بھی ایسا ہی سانحہ پیش آیا تھا جس پر انھوں نے دو مسلسل غزلیں لکھی ہیں پہلی یہ ہے:-  
مل گئی خاک میں ودا تخمین آرا ہے ہے! قالبِ گور میں ہے جانِ تاشا ہے ہے!  
سیکڑوں آنجن ناز کا سنا، مدحیف! ایک محبوبِ طراز کا مرنا، ہے ہے!  
حسن ہے، ماتمی حسنِ خدا خیر کرے! بزمِ خواباں میں جواں مرگ کا رونا ہے ہے!  
کھنے پایا بھی نہ تھا رنگِ جوانی اب تک ٹوٹ کر رہ گئی شاخِ گلِ عنا ہے ہے!  
غیر کما اپنی ادائیں بھی گراں تھیں جس کو ایسے نازک، پہ اصل کا یہ تقاضا ہے ہے!  
بے نیازی ہی سہی پر اسے کیا کہتے ہیں کچھ گئے اتنے کہ بس رو گئے تنہا ہے ہے!

اے دقادر بھی اٹھائے تو نہیں اٹھ سکتا حسن تو خیزنے چھوڑ رہے وہ پڑا ہے ہے  
دوسری غزل غالب ہی کی زمیں میں صرف کافیہ بدل کر لکھی ہے:-

یاد آتا ہے وہ لطفِ زندگانی ہائے ہائے! ہم بغل اک حاصلِ عمر جوانی ہائے ہائے!  
شاہدِ رنگیں قبا، جس کا نمونہ شلخِ گل وہ خرامِ ناز اس کی گلی فشانی ہائے ہائے!  
عشقِ ممنونِ نواز شہائے پیہم، واہ واہ! حسنِ مصروفِ کرہائے نہانی ہائے ہائے!  
ہر سخن اک وعدہ، ہر وعدہ طلسمِ ناز تھا دلِ فریبی، دلِ ربائی، دلِ ستلی ہائے ہائے!  
نازشِ پنہاں کے بدلے میں ہزاروں انصافِ رخسارِ ظاہر سے پیدا مہسربانی ہائے ہائے!  
دل نہ جانے جس کو، وہ اک خاص اندازِ فنا میں نہ سمجھوں جس کو، وہ لطفِ نہانی ہائے ہائے!  
اب وہی میں ہوں دقادر و قائمِ مدِ آرزو اب وہی دل اور وہی پچھلی کہانی ہائے ہائے!  
پردہٴ فرقت پڑا ایسا کہ اٹھ سکتا نہیں کاش اٹھ جاتے حجابِ زندگانی ہائے ہائے!  
غائب نے منہ بولے بیٹے کی جواں مرگی کا داغ اٹھا کر کہا تھا:- قسمت میں ہے  
مرنے کی تمنا کوئی دن اور - دقا کا دس بارہ برس کا بھول سا بیٹا چراغ سے جل کر دینا -  
سدا ہارا، تو اکھنوں نے یہ مرثیہ لکھا:-

بھرتازہ امتحانِ دقا ہے، دقا کے بعد کیا رہ گیلہٴ قافلِ صبرِ آرزو کے بعد  
عادت ہے اضطراب کی عادت کو کیا کرے دقا ہوں درد کو، دلِ دردِ آشنا کے بعد  
تو مل گیا کہ خانہٴ امید مل گیا دل بھگ گیا ترے سخنِ دل کشا کے بعد  
ہے ہے، قصانے تجھ کو دیا آتشِ کفن کیا داغِ نازہ لے کے چوہِ قضا کے بعد  
ہے ہے بہارِ آبلہ و سوختہ بدن ہاں، صبر، جاں گدازی برقی قفا کے بعد  
ان اشعار سے اندازہ ہو سکے گا کہ غائب و دقا کی سرشت میں کتنی یکساں تھی۔

فرماتے ہیں :-

دو عالم اس طرف ہیں، اس طرف محدودیت  
 چلو، اب امتحانِ ہمت مردانہ ہو جائے  
 بتائے یاں تو کیا یہ تری ہمت کہاں تک ہے  
 کہ پرداز پر امید، مرگ ناگہاں کب تک  
 میں سکھاؤں ہمت عفا کو بال افشائیاں  
 سر اٹھانے دے اگر ذوقِ گرفتاری مجھے  
 نزع میں بے کسی نزع کا ماتم ہے ہے  
 اے دقا، پرسشِ احباب کا دنا ہے مجھے  
 جان دسرایہ حراماں، دل دے حوصلگی  
 وادریا، پر امید ہو، پرداز نہ ہوا  
 جو سبک سیر میں، آزاد رہا کرتے ہیں  
 دیکھ لو نہکت گل، بستہ زنجیر نہیں  
 نوابِ جنت مکاں کے عہد کا واقعہ ہے -

صاحبزادہ مصطفیٰ علی خاں بہادر شرر ہوم سکر میری نے توپ خانہ کے میدان  
 میں مشاعرہ کیا دقا اور دامن میں پُر غلوص ربط تھا۔ علی گڑھ سے یہ بھی بہ اصرار بلائے گئے۔ طرح  
 کے مصرع دو دے گئے تھے، دقانی پہلے جو غزل پڑھی اس کے جذبہ شعر یہ ہیں :-  
 عرصہ عمر کی رونق اک بہار سے دم ہے ہاں طلوعِ مہر سے ہے گرمی بازارِ صبح  
 آپ کے جلوے سے اونچا آپ کا علوِ باغ آپ کے منظر کے نیچے، دیدہ بیدارِ صبح  
 تیرے ہوتے اک دھواں بزمِ چراغانِ بزم تیرے آئے شبنمیں ہے تجلی زارِ صبح  
 دوسری غزل کے سننے کی باری آئی تو دقانی مطلع پڑھا :-

شومی ناز کی تصویر ہے تصویر کے ساتھ مودہ خندہ ہے، جوشِ نئے تقدیر کے ساتھ  
 پہلی ہی غزل سے مغل میں رنگ جم چکا تھا اس مطلع کے بعد یہ شعر پڑھے :-

رشتہ عمر میں اک اور گرہ ڈال گئے دل کو بھی توڑ گئے، ناخنِ تدبیر کے ساتھ  
 جم گئے پہلوی دل میں غم دل کے نقشے بن گئے سیکڑوں گھر، حسرتِ تمیر کے ساتھ



جاؤ تم عالم فرہشت کے تماشے دیکھو جھوڑ دوگر دخیں تقدیر کو تقدیر کے ساتھ  
تحسین و آفریں کی بارش ہو رہی تھی کہ دقّانے یہ شعر پڑھا اور اسی پر گویا بزم  
مشاعرہ کی ہا ہی ختم ہو گئی :-

روح پر واٹھنا شاد کی رخصت ہے ہے! کچھ دھواں سا نظر آیا لبِ گلگیر کے ساتھ  
سرکارِ جنت مکان نے قدردانی فرمائی، اور بزمِ اطباءِ خاصِ سورِ دیہ ماہوار  
پر ملازم رکھ لیا دقّان کی نازک مزاجی نے وطن میں بھی عین سے نہ بیٹھنے دیا اور یہ کسی نہ کسی  
بہانے ترکِ ملازمت کر کے علی گڑھ چلے گئے۔ صنّاعِ علی گڑھ کے تمام رُؤساں کی غذا  
دھارت کے قائل ہوتے گئے اور جب وقت آیا کہ اپنی خدا دادِ نیاقت کے جوہر دکھا  
کر اپنے اہل و عیال کی زندگی کو زیادہ پرسکون بنائیں کہ اچانک حدیثِ فکر تب دق بن کر  
نمودار ہوئی اور رامپور کا یہ بے بدل شاعر ۴۷ سال کی عمر میں ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء کو اس دنیا  
سے رخصت ہو گیا منشی احمد علی شوقِ قدوائی نے یہ مصرعِ تاریخ کہا :-

عبدالہادی خاں دقّانے راہِ عدم کی پی آج

## مکمل لغات القرآن مع فقہ الفاطمہ جلد سوم

جولائی ۱۹۶۶ء کی مطبوعات میں سے ہے طبع ہو کر پریس سے آگئی ہے۔ قیمت غیر مجلد ۱۰۰

۱۹۶۶ء کی دوسری اہم کتاب ”ترجمان السنہ“ ارشاداتِ نبوی کا جامع اور مستند

ذخیرہ بھی طبع ہو کر پریس سے آگیا ہے۔ قیمت غیر مجلد ۵۰، مجلد ۱۰۰

# ادبیات

## پیمبر اسلام کی زندگی

(جناب بسمل شاہجہان پوری)

جناب بسمل شاہجہان پوری ایک کہنہ مشق، پختہ کلام اور فنز گوادیب و شاعر  
ہی نہیں بلکہ پُرجوش مبلغ بھی ہیں اور اپنے وقت کا بڑا حصہ اصلاح و خدمت  
خلق میں صرف کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں جا بجا کردار و عمل  
کے قابل تقلید نمونے ملتے ہیں۔

جسے سمجھ نہ سکیں گے جزا اہل حق بسمل وہ اخصیار کیا طرز زندگی میں نے  
یہ نظم ہم آل انڈیا ریڈیو کے شکریہ کے ساتھ شریک اشاعت کر رہے ہیں

(مدیر)

اے کہ ہر روز مشیت ہے نظر میں تیری	سر زانو ہے فلک راہ گذر میں تیری
نغمہ زلیست کچھ اس لے میں سنایا تو نے	مردوں کو زندہ حبا وید بنایا تو نے
تو نے سکھلائے ہر اک دل کو رموز نبوی	تیرے قربان میں کی مدنی العسری
کانپ اُٹھی تھی تیری آواز سے دنیا کی زمیں	تیرے قدموں پہ چھکی قیصر و کسریٰ کی حبیں
تیرے اخلاق نے طائف کی گذرگاہوں میں	کچھ عجیب نشان سے تبلیغ کی گمراہوں میں

ظلم کو رحم کا آئین سکھایا تو نے      اپنے دشمن کو بھی سینے سے لگایا تو نے  
 تو ہدایت کا علم لے کے یمنی میں اٹھا      تیرے صدقے ترے قربان امیر الغزواء  
 رقص کرتے ہیں فضاؤں میں تیرے ایتک      نقش ہیں تری آواز سے تارے ایتک  
 عرش تک صاف عیاں نقش قدم ہیں تیرے      مد و خور شبیہ سب خیل و ذم ہیں تیرے  
 یاد آتے ہیں ترے عہد کے ایام بلند      علم افزا زد گیتی ہے ترا نام بلند  
 تو نے دنیا سے جہالت کو مٹایا یکسر      صرف تائید الہی کا سہارا لے کر

کتنا شائستہ ہے ہر ایک قرینہ تیرا

غیرتِ خلد ابھی تک ہے مدینہ تیرا

## علماء حق

**حصہ اول** | اس حصہ میں ان تمام علماء امت کے مفصل حالات زندگی اور کارنامے درج ہیں جنہوں نے ۱۹۷۷ء کے جہاد آزادی سے لے کر تحریک دارالعلوم دیوبند تک وطن و ملت کی آزادی کے لئے جدوجہد کی اور اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

یہ حصہ ۱۶۵ عنوانات اور ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

**حصہ دوم** | اس حصہ میں دوسری جنگ عظیم سے لے کر جہاد گاندھی کی قربانی تک کے تمام سیاسی حالات اور اس دوران میں جن علماء حق نے آزادی وطن اور اس کے بعد ملک میں قیام امن و اتحاد کے لئے انتھک کوششیں کی ہیں ان کا مفصل تذکرہ درج ہے۔

قیمت حصہ اول ۲۰۴ صفحات مع خوبصورت گردپوش ہے، قیمت حصہ دوم ۲۶۶ صفحات مع خوبصورت گردپوش ہے۔

مکتبہ رُبان اُردو بازار جامع مسجد دہلی

# برہکان

جلد سبست دوم شمارہ (۳)

مارچ ۱۹۴۹ء مطابق جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

## فہرست مضامین

۱۳۰	سعید احمد	- نظرات
۱۳۲	جناب مولانا سید مظفر حسن صاحب گیلانی	۱- تدوین حدیث
۱۶۱	جناب مولانا حفص الرحمن صاحب نجم علی عیسیٰ	۲- ابوالمنذر ابن الکلبی کی ایک حدیث پر تنقید
۱۷۳	جناب مفتی انتظام اللہ صاحب کبر آبادی	۳- ابوالسمر معین الدین اکبر شاہ ثانی
۱۹۱	جناب مایل خیر آبادی جناب فطش صاحب	- ادبیات
۱۹۲	(ش)	- تبصرے

# نظرت

خدا کا شکر ہے ندۃ المفسنین کی کتابوں کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ کتابوں کے چند سال میں ہی کئی کئی ادیشن چھپ چکے ہیں اور متعدد کتابیں ایسی ہیں جن کی پاکستان دونوں میں مانگ ہے لیکن سرمایہ نہ ہونے کے باعث ان کا نیا ادیشن شائع کرنا سامان اب تک نہیں ہو سکا کتابوں کے عام قدر و اذن کے علاوہ ادارہ کی متعدد کتابیں کئی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل ہیں اور طلباء ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگر میں مولانا مفتی عظیم الاحسان صاحب کے ایک گرامی نامہ سے ابھی حال ہی میں معلوم ہوا کہ خاکسار الحروف کی کتاب ”مسلمانوں کا عروج و زوال“ مدرسہ عالیہ دھاکہ اور اس سے متعلقہ مشرفی کے مجاہد مدرس عربیہ کے اعلیٰ امتحان ٹائٹل کے نصاب میں شامل کر لی گئی ہے اس طرح اگر ایک صوبہ میں یہ کتاب ہر سال تقریباً سات سو طلباء کی نظر سے گزرے گی۔ ”الحمد للہ“ میں خود اپنی اس کتاب کی نسبت کیا رائے رکھتا ہوں۔ یہ ایک صفحہ کے آخر سے ظاہر ہے جو کتاب کے شروع میں خود میرے قلم کا لکھا ہوا ہے لیکن اب اس کتاب کی مقبولیت اور شہرت دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ خدا توفیق اور فرصت و سکون عطا فرمائے تو میں اس کی کتاب ”عروج و زوال دوم“ کے طرز پر اس کو از سر فوجی لگا کر مرتب کروں اور متعدد جلدوں میں یہ داستان نیم خوش و نیم ناخوش سادوں دوسرا ادیشن ابھی چھپا تھا اور اب ختم ہونے قریب ہے امید ہے کہ تیسرا ادیشن میری فراہمیش کے مطابق مکمل نہیں بھی ہوا تو دوسرے سے زیادہ ضخیم ہوگا اور اس کے شروع میں ایک نہایت مفصل مقدمہ ہوگا جس میں قرآن ہی

یات کی روشنی میں قوموں کی زندگی اور موت کے اسباب پر گفتگو ہوگی ابدیدہ النوفین  
ب- التکلات -

ہر ملک کا قاعدہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد اس کی دہلی ہوئی صلاحیتیں اکھڑ آتی ہیں  
ان کو قومی روایات و عظمت کے مطابق نفوذ نہا پانے اور ترقی کرنے کا موقع ملتا ہے  
یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی ملک کے ترقی یافتہ اور مہذب ہونے کے معنی صرف یہ  
ہیں کہ یہ ملک صنعت و حرفت میں ترقی پذیر ہو، فوجی قوت میں بڑھا ہوا ہو اور ملک  
اور رائج پیداوار کو صحیح طور پر کام میں لانے کے باعث اقتصاد اور معاشی اعتبار  
میں خوش حال ہو بلکہ ایک ملک کی تہذیبی اور ثقافتی عظمت کا دار و مدار بڑی حد تک اس  
مہوتا ہے کہ ایک طرف وہ اپنے آباء و اجداد کے علمی و ادبی متروکات کی حفاظت کرے  
دوسری جانب جدید علوم و فنون اور عصری ادبیات میں زیادہ سے زیادہ کمال پیدا کرے  
پنہ کی ذخیرہ ادب کو ترقی یافتہ بنائے اور اسے وسیع سے وسیع تر کرے۔ آج یورپ کی مثال  
سے سامنے ہے اس نے صنعت و حرفت سے ایشیا کو سیاسی طور پر اپنا دست نگر فرود  
یا۔ لیکن تمام دنیا کے افکار و خیالات اور دل و دماغ پر اس کا جو بے پناہ تسلط ہے اس کا فائدہ  
مب یورپ کے علوم و فنون اور اس کے لٹریچر کا حیرت انگیز سیلاب و طوفان ہے بھوجیکہ  
اس صحیح معنی میں علمی اور ادبی مذاق عام ہے اس بنا پر یہ لوگ صرف علوم جدیدہ کے دیوانے  
نہیں بلکہ ان کو خود اپنے ملک اور دوسرے ملکوں کے علوم و فنون شعر و ادب اور تاریخ و جغلیا  
ہے اس قدر دلچسپی اور گرویدگی ہے کہ ان کی تفصیل و تکمیل میں عمریں صرف کر دینے میں اساطیر  
ہیں کے ایک ایک نقش کی حفاظت کرتے ہیں اور اقوام عالم کے آثار کمن کا کھوج لگاتے ہیں  
ہی زندگی رائج دیتے ہیں یہ ہی وہ سب چیزیں ہیں جنہوں نے مل ملکر مغربی تہذیب کو آج دنیا  
کا سب سے بڑی تہذیب بنا دیا ہے اور یہ ہی وہ تہذیب ہے جس سے یورپ اور امریکہ نے ایشیا  
کے دل و دماغ کو اپنی شبی میں لے رکھا ہے۔

ہندوستان تاریخی اور ثقافتی اعتبار سے ممالک عالم میں ایک نہایت اہمیت و فخر کا مالک ہے۔ کیونکہ سنسکرت علوم و فنون اور فلسفہ و دیانت کے حاملین کے علاوہ اس ملک کا ایک ایسی قوم کے وطن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے جس نے اپنے علوم و فنون۔ اپنی تمدن، اور اپنے کلچر کی روشنی سے قرون وسطیٰ کے یورپ کو جگمگایا ہے اور آج بھی ممالک غرب کے بام دور اُس کے کارناموں کی صدائے بازگشت سے گونج رہے ہیں۔ یہ آوازِ مائے کس ہنگامذاریں دھیمی مزور بڑی ہے لیکن فنا باطل نہیں ہوئی اور علوم و فنون کی تاریخ کا کوئی طالب علم ایسا نہیں ہے جس کے کان اس آواز سے نا آشنا ہوں۔

اس بناء پر ہونا یہ چاہئے تھا کہ ملک کے آزاد ہوتے ہی ملک کے مختلف طبقات و عناصر کی یہ صلاحیتیں یک بیک ابھر آئیں اور یہاں ایک شائستہ و ترقی یافتہ ملک کی طرح علمی و ادبی سرگرمیوں کا بازار گرم ہو جاتا لیکن نہایت افسوس اور بڑے غم کی بات ہے کہ موجودہ صورتِ حال ان توقعات کے بالکل برعکس ہے۔ یہ علمی و ادبی مذاق کا استحفاظیوں و ملک کے ہر طبقہ میں عام ہے یونیورسٹیوں میں سائنس کے یا ان علوم کے طلباء کی تعداد جو معاشی و فائدہ رکھتے ہیں روز بروز حیرت انگیز طریق پر بڑھ رہی ہے اور فنونِ (دھرم) کی طرف سے بے توجہی و بے رغبتی عام ہوئی جا رہی ہے لیکن جہانگیر عربی۔ فارسی اور اردو زبان و ادب کا تعلق ہے ان کی حالت تو ناگفتہ بہ نہ سمجھی ہے اس سلسلہ میں اب صورتِ حال یہ ہے کہ پرائی کتا میں بازار سے نا پیدا ہوتی جا رہی ہیں ان کی از سر نو طباعت و اشاعت کا کوئی اہتمام و انتظام نہیں ہے اور دوسری طرف نئی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام بالکل رکا ہوا ہے۔ حیدرآباد کے دارالترجمہ اور ادارہ معارف اسلامیہ اور دائرۃ المعارف اب ختم ہی کیجئے۔ دہلی کی انجمن ترقی اردو اور مکتبہ جامعہ یہ دونوں بھی حوادثِ کاشکار ہو کر خاموش ہو گئے۔ الہ آباد کی سندھوئی اکادمی کو اب ہندی اکادمی بننے کا حق چار ہا ہے۔ پورے ملک میں صرف مصنفینِ بلا یعنی دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی سے دے کے یہی دو ایسے ادارے نظر آتے ہیں جو جوہر و تامل کی خالص ہواؤں میں بھی اپنی کشتی کو لئے پلے چار ہے میں اور بس! اللہ اللہ خیر صلا۔

یہ صورتِ حال انتہاءِ جاہل و سنوسناک بھی ہے اور شرمناک بھی! ہمیں اگر ایک زندہ قوم بن کر رہنا ہے تو لا محالہ ہمیں اپنے پرانے سرمایہ علوم و فنون کی حفاظت بھی کرنی ہوگی اور آگے بھی بڑھنا ہوگا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے اور کیونکر؟ اس پر آئندہ اشاعت میں گفتگو ہوگی!

# تدوین حدیث

## تدوین حدیث کا ماحول

(۳)

از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات  
(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

جو نہیں جانتے ہیں وہ شاید باور کر لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جن اقوال و افعال کو یا تقریرات کو منسوب کیا گیا ہے ان کی تعداد لاکھوں لاکھ تک پہنچتی ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، میں بتا چکا ہوں ۱۴۱ احکام صاحبِ مستدرک کی یہ شہادت پیش کر چکا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کی معیاری حدیثوں کی تعداد

۱۔ ابن جوزی سے بڑھ کر شاید اس باب میں خود خیال کیجئے کس کا بیان قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے انھوں نے اپنی کتاب "سید الخواص" فصل ۱۰۰ میں حدیثوں کے متعلق اسی مدی ملاحظہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انہ لوجمیع النعم والجمال الموضوع وکل منقول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یبلغ خمسمین الفا" یعنی صحیح حدیثوں کے ساتھ ان ساری جے مینا دھوٹی اور گھڑی ہوئی صحیح حدیثوں کو بھی جمع کر لیا جائے جو کتابوں میں پائی جاتی ہیں تو وہ بھی پچاس ہزار تک نہیں پہنچ سکتی ہیں (انھوں نے لکھا ہے اور باطل صحیح سمجھ لیا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے سارے اسلامی ممالک کا دو دو دو دورہ ان ہی حدیثوں کے جمع کرنے کے لئے کیا لیکن ان کی مسند میں بھی چالیس ہزار حدیثیں پائی جاتی ہیں جن میں دس ہزار مکرر ہیں مگر ابن عساکر نے وہ ان کا یہ قول نقل کیا ہے (باقی برصغیر آئندہ)



دس ہزار تک نہیں پہنچتی

لا یبلغ عدد دھا عشیرۃ

الاف حدایت مدخل مد

اور قوی و ضعیف، صحیح و حسن، معیاری، غیر معیاری حدیثوں کی تعداد مکررات کو الگ کر لینے کے بعد میرے خیال میں قیس بتیس ہزار سے زیادہ نہیں ٹکھ سکتی۔ مگر ایک ایک حدیث کو مختلف راویوں سے سننے کا دستور، اور یہ کہ جتنے راویوں سے حدیث

(بمسلسلہ منقولہ گذشتہ) کو مکررات کو حذف کرنے کے بعد مسند احمد کی قوی و ضعیف حدیثوں کی تعداد میں ہزار ایک مشکل نام پہنچ سکتی ہے وہ دیکھو اگنی ج ۲ صفحہ ۲۷۱ دراصل معنی اور لفظی تکرار کے لحاظ سے شاید گنتے میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے معنی یا تا کہ جن دو حدیثوں کا مطلب ایک ہی ہے ابن عساکر نے ان کو بھی مکررات میں غالباً شمار کر لیا ہے اور ابن جوزی نے ان ہی حدیثوں کو مکرر محال کیا ہے جن کے الفاظ بھی ایک ہی ہیں اور ابن جوزی کا تھمد و غیر تھمد و مسندوں میں ہے، لیکن ان کے مقابلے میں جلال الدین سیوطی جیسے سہولت پسند بزرگ نے جمع الجوامع کے نام سے حدیثوں کے جمع کرنے کا جو آخری کام کیا ہے اور اسی کتاب کی فقہی ترتیب شہین ہندی محدث علی متقی نے کنز العمال میں کی ہے دیا جو میں شیخ علی متقی نے لکھا ہے کہ اس کتاب (یعنی کنز العمال) کے پڑھنے والوں کے سامنے نہ صرف جمع الجوامع ہی کی کل حدیثیں آجائیں گی بلکہ ایک حصہ ان حدیثوں کا بھی ان کو ملے گا جو جمع الجوامع میں نہیں پائی جاتیں اب دیکھئے کنز العمال کی حدیثوں کے گنتے والوں نے بتایا ہے کہ یہ کتاب (۴۰۹۵۶) حدیثوں پر مشتمل ہے میں کہتا ہوں کہ کنز العمال کا مطالعہ جن لوگوں نے کیا ہے ان کو اندازہ ہوا ہو گا کہ اس میں اب کتنی حدیثیں مکرر ہیں میرا تو خیال ہے کہ ان مکررات کو اگر حذف کر دیا جائے تو چالیس ہزار کی یہ تعداد گھٹ کر قریب قیس ہزار تک پہنچ جائے تو تعجب نہ کرنا چاہئے کنز العمال کا خلاصہ مجدد مکررات خود علی متقی نے کیا ہے جو مسند احمد کے حاشیہ پر عجیب بھی جگاہے شمار کرنے سے ثابت ہوا ہے کہ اس میں کل قیس ہزار اور دو حدیثیں درج ہوئی ہیں اور کون نہیں جانتا کہ حدیث کے ان کا مایع یا ذرات المعارف میں رطب و یابس ہر طرح کی حدیثیں لے لی گئی ہیں اسی لیے میرا خیال ہے کہ صحیح اعلیٰ معیاری حدیثوں کی تعداد اگر دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتی تو ضعیف و حسن صحاح سب کو ملائے کے حدیثیں بھی ہزار سے آگے ان کی تعداد کا بڑھنا مشکل ہے۔ ۱۲

سنی جاتی تھی، ایک اصطلاح بنائی گئی تھی کہ حدیث کی تعداد بھی وہی قرار پاتی تھی یعنی دس راویوں سے اگر سنی گئی ہے تو وہی ایک حدیث دس حدیث بن جاتی تھی، الٰہی وغیرہ نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ ابراہیم بن سعید الجویری کے تذکرے میں نقل کیا ہے کہ ایک صاحب بن کا نام جعفر بن خاقان تھا انھوں نے ابراہیم سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی روایت کی ہوئی ایک حدیث کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ ابراہیم نے اپنی نوٹدی (جادید) کو بلایا اور کہا کہ

اخرج لی الجزء الثالث والعشرين  
حضرت ابو بکرؓ کی روایت کردہ حدیثوں کی  
من مسند ابی بکرؓ  
نیز میں جلد نکال کر لا،

جعفر نے ابراہیم کے ان الفاظ کو سن کر حیرت سے کہا کہ ابو بکر صدیقؓ سے تو پچاس حدیثوں کا صحیح ثابت ہونا بھی مشکل ہے یہ آپ نے ان کی حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ کہاں سے جمع کر لیا جس کی اتنی جلدیں ہیں، یہ سن کر ابراہیم نے حقیقت کو ظاہر کرنے ہوئے کہا کہ

کل حدیث لا یکون عندی  
ایک ایک حدیث جب تک تلو تلو طریقوں  
من مائة وحبہ فانما ذیہ یتیم  
سے مجھے نہیں ملتی، تو اس حدیث کے متعلق  
مذکرہ صفحہ ۲  
میں اپنے آپ کو یتیم خیال کرتا ہوں

مطلب ابراہیم کا وہی تھا کہ ایک ایک حدیث تلو تلو طریقوں سے جب تک مجھے نہیں ملتی اس وقت تک تو اپنے آپ کو اس حدیث کے متعلق لا وارث یتیم آدمی خیال کرتا ہوں، اور یوں ایک حدیث کو بجائے ایک کے وہ تلو حدیث بنا لیتے تھے ظاہر ہے کہ اس طریقے سے ابو بکر صدیقؓ کی حدیثوں سے مجلدات ابراہیم نے اگر بنائے کئے تو اس

میں تعجب کی کیا بات ہے، میں نے کہیں ذکر کیا ہے کہ انما الاحمال بالنیات والی حدیث واقع میں ظاہر ہے کہ ایک ہی حدیث ہے، لیکن راویوں کے تعدد کی بنیاد پر محدثین نے بجائے ایک کے اس کی تعداد پانسونک پہنچا دی ہے۔ میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ محدثین کا یہ خاص کارنامہ ہے، حدیثوں کی صحت و سقم کا پتہ چلانے کا یہ بہترین طریقہ تھا، جسے انھوں نے ایجاد کیا تھا۔

اس زمانے میں پروپاگنڈے کے لئے یا صرف اس لئے کہ خبر میں سسنی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے بے بنیاد جھوٹی خبروں کے پھیلانے کا جو عام رواج ہے، ان خبروں کے متعلق بھی صحیح رائے دی لوگ قائم کر سکتے ہیں جو مختلف نیوز ایجنسیوں کی خبروں اور مختلف اخباروں میں شائع ہونے والی اطلاعات سے باخبر رہتے ہیں، وہی جانتے ہیں اور ان ہی کو یہ جاننے کا موقع ہے کہ کن کن ایجنسیوں کی روشنی سے یہ ہے، ان میں کس کس کی کیا کیا خصوصیت ہے ان میں بھروسہ اور اعتماد کے قابل خبریں کون ہیا کرتی ہیں کچھ اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ اس زمانہ کے محدثین کا حال تھا یسعیان ثوری کا ایک قول حاکم نے معرفۃ الحدیث میں نقل کیا ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ حدیثوں کے سننے کی غرض ایک ہی نہیں ہوتی، کہا کرتے تھے کہ

”ہم بعضوں سے اس لئے حدیث سننے ہیں کہ اس کو اپنے دین میں شریک کریں اور کبھی کسی حدیث کی صحت اور عدم صحت کے متعلق فیصلہ کو ملتی کرنے کے لئے بھی ہم بعضوں سے اس حدیث کو سننے ہیں بعضوں کی بیان کی ہوئی حدیث کو ہم جانتے ہیں کہ مستحق توجہ نہیں ہے لیکن بھر بھی بیان کرنے والے کی روش اور مذہب کا پتہ چلانے کے لئے ہم اس سے حدیث سننے ہیں“

معرفۃ علوم الحدیث حاکم ص ۱۲۵

حاکم نے احمد بن حنبل کی زبانی ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ہم جس زمانے میں صنعاء (یمن) میں حدیث پڑھنے کے لئے مقیم تھے، اور میرے ساتھ علاوہ دوسرے رفقاء کے یحییٰ بن معین بھی تھے، ایک دن میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ گوشہ میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں، اور کوئی آدمی جب سامنے آ جاتا ہے تو اسے چھپا دیتے ہیں، دریافت کر کے پتہ معلوم ہوا کہ حضرت آتش کے نام جعلی حدیثوں کا ایک مجموعہ ابان کی روایت سے جو پایا جاتا ہے، اسی کو یحییٰ نقل کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم ان غلط اور جھوٹی روایتوں کو نقل کر رہے ہو، اس وقت یحییٰ بن معین نے کہا کہ

بھائی! اسی لئے تو اس کو لکھ رہا ہوں کہ ان ساری روایتوں کو لکھنے کے بعد زبانی یاد کر لوں میں یہ جانتا ہوں کہ یہ ساری روایتیں جعلی ہیں، غرض میری یہ ہے کہ ابان کی جگہ کسی معتبر راوی کا نام داخل کر کے غلط فہمی میں لوگوں کو لاگوئی متبلکہ کرنا چاہیے گا، تو میں اس غلط فہمی کا ازالہ اصل واقعہ کو ظاہر کر کے کر سکوں گا، یعنی جتنی سکوں گا کہ جس جگہ پر فقہ راوی کا نام رکھا گیا ہے یہ غلط ہے درحقیقت ان روایتوں کا بنانے والا ابان ہے۔ ” منہ معرفۃ علوم الحدیث

یحییٰ بن معین نے اسی غرض سے موضوع حدیثوں کا بھی ایک طویل نقل کیا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ دو دروغ بانوں سے میں نے بڑا ذخیرہ روایتوں کا لکھا جس سے بعد کو میں نے اپنے تئذ کو گرم کیا اور ہنایت عمدہ بچی ہوئی روایاں اس سے تیار ہوئیں۔ منہ ”

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح واقعات سے واقفیت کے لئے جیسے اس زمانے میں ہر قسم کی نیراز پسینوں اور ہر طرح کے اخبار دل کا مطالعہ ناگزیر ہے، محدثین بھی یہی سمجھتے

تھے کہ کچی روایتوں کو جھوٹی روایتوں سے جدا کرنے کے دوسرے ذرائع کے ساتھ ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ہر طرح کے روایتوں سے حدیثوں کو سننے کی کوشش کی جائے حافظ ابو عمر بن عبد البر نے ایوب سختیانی کے حوالہ سے یہ تجربہ کی بات نقل کی ہے، کہا کرتے تھے،

”اے استاد کی غلطیوں سے تم اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتے

جب تک کہ دوسروں کے پاس بھی جا کر نہ بیٹھو“ ص ۹۹ جامع

بہر حال حدیثوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہی، اور ایک ایک محدث کے یہاں سیکڑوں اسانذہ کا نام جو کتابوں میں لیا جاتا ہے، اس کی وجہی محدثین کا یہی مذاق تھا کہ جب تک متوسط طریقوں سے حدیث ان تک نہ پہنچی ہو۔ اس وقت تک اس حدیث پر اپنے آپ کو یقین قرار دیتے ان کے اسانذہ کی کثرت کا اندازہ اسی سے کیجیے کہ شعبہ جو اپنی تسلی کے لئے ہر حدیث کا بیس دفعہ سننا ضروری قرار دیتے تھے، ان کے کلاسز نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے صحبت یافتہ بزرگوں یعنی تابعین میں ان کے استادوں کی تعداد جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ

سمع من اربع مائة من تابعين من من جن استاذون من شعبه

التابعين ذكره ص ۱۲۴ حدیث سننی میں ان کی تعداد چار سو ہے

مقصود اس طویل طویل گفتگو سے یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے فن میں وہ سب کو دین کے لئے مختص کر دیا تھا، یہی شعبہ نماز میں جن کے سجدوں اور رکوع کی وہ کیفیت بتاتی ذہبی نے لکھا ہے کہ باوجود اس جفاکشی کے عالم الدہر رہتے تھے یعنی ہمیشہ روزا رکھتے تھے۔ دیکھ کر لوگوں کو وحکم آتا۔ جلد بدن کی خشک نظر آتی تھی بھلا سوچئے تو جن

لوگوں کا حال یہ ہو کر پڑھنے والوں نے پوچھا اب پیرانہ سالی میں آپ کے مشاغل کی نوعیت  
 کیا رہ گئی ہے تو جواب میں بولے کہ بھائی! صرف ایک رکعت میں سورہ بقرہ پڑھ لیتا ہوں  
 اور چھینے میں اب تین روزوں یعنی ایامِ سہین کے روزوں سے زیادہ رکھا نہیں جاتا۔  
 اب اسحاق السبئی کے حال میں ذہبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ جن کے اساتذہ میں (۲۸)  
 زہری صحابی ہیں (۲۹) آخر اسی عہد کے محدثین میں جب ایسے لوگ بھی تھے مثلاً  
 ثابت البیانی کے متعلق لکھا ہے کہ

دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے اندر معمول تھا کہ قرآن ختم کر لیتے تھے اور ہمیشہ  
 صائم الدہر رہتے تھے۔<sup>۱۱</sup>

سلیمان بنی بھی صائم الدہر تھے عموماً صبح کی نماز عشاء کے وقت سے پڑھتے رہے  
 نفل کی نمازوں میں ان کا حال بھی یہی تھا کہ ستر دفعہ سے کم سجدے میں تسبیح نہ پڑھتے تھے۔<sup>۱۲</sup>  
 اس عہد کے بزرگوں کے عبادات و ریاضات کی تفصیل کے لیے عملیۃ الاولیاء اور صفوۃ  
 الصفوۃ وغیرہ پڑھنی چاہئے نسبتاً ان میں جن لوگوں کو عافیت پسند اور آسائش و آرام  
 زاعت و رفاهیت کی زندگی بسر کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ بڑے  
 خوش خوراک خوش پوشاک تھے جب ان کا حال یہ تھا، مثلاً امام نسائی کے متعلق ذہبی نے  
 اس کا ذکر کرتے ہوئے کہ بڑے دجید و خشک آدمی تھے، برد و تزیہ را یک قسم کی قیمتی جامد  
 مٹی اور سبز دشتالے کو پسند کرتے تھے لکھا ہے کہ

کھانے میں نسائی زیادہ تر بڑے تندرست مرغ کو پسند کرتے تھے جو خاص کر  
 ان کے مٹے خریدے جاتے تھے، اور ان کو خھی کر کے خوب فریہ کر لیا جاتا تھا۔<sup>۱۳</sup>  
 لیکن باوجود ان تمام باتوں کے محمد بن مظفر بیان کرتے تھے کہ

میں نے مصر (جہاں امام نسائی نے قیام اختیار کر لیا تھا) وہاں کے علماء  
 علماء اور مشائخ کو پایا کہ وہ امام نسائی کی عبادت و ریاضت کی، حسن کا سلسلہ  
 شب و روز جاری رہتا تھا، تعریف کرتے تھے۔ "۲۲۵

ان کے دینی تفسیر کے لئے بھی کیا کم ہے کہ محض حق گوئی کی وجہ سے گویا ان  
 کو شہید ہونا پڑا۔ کہتے ہیں کہ خواجہ حسن بھری بھی لطیف غذاؤں کا خاص ذوق رکھتے تھے  
 ابن سعد نے حمید کا قول نقل کیا ہے کہتے تھے کہ

ما شمت من صفة قطا طيب حسن بھری کے شراب سے زیادہ خوشگوار خوشبو  
 من صفة الحسن ابن سعد ۱۳۱  
 میں نے کسی دوسرے آدمی کے شراب سے  
 نہیں سونگھی

یہ بھی اسی میں ہے کہ گوشت کا روزانہ آپ کے دسترخوان پر ہوا ضروری تھا  
 لیکن زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت مجاہدہ میں جو ان کا حال تھا ان سے کون ناواقف

۱۔ یعنی کھلے کہ مصر سے کہ منظر جانے ہوئے امام دمشق میں ٹھہرے، عام طہر و خوارج کا اس زمانہ میں شام  
 کے علاقوں میں زود تھا، جامع مسجد میں کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے محدث ہیں۔ امیر معاویہ کی توفیق میں بھی قنوج  
 مدینیں بیان کیجئے۔ باوجودیکہ شام والوں کے عقائد سے امام نسائی واقف تھے اس باب میں ان کا ہوا علم تھا اس  
 کو چھپانا مستحیزی اور تدبیر کے غرض معلوم ہوا۔ بھری مجلس میں کہہ دیا کہ امیر معاویہؓ کے فضائل کیا پوچھتے ہو  
 معاویہؓ کا برابر سرا بھی ہو جائے تو کیا تمہارے غرض ہونے کے لئے یہی کافی نہیں ہے۔ نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہ  
 ہوا کہ خواجہ جن سے مسجد بھری پڑی تھی ان پر ٹوٹ پڑے اور بے نشانہ مارنا شروع کیا، لکھا ہے کہ خصوصیت  
 کے ساتھ غمر گھاہ اور انڈوئی بیٹوں کو کہ قوں سے لوگوں نے اتنا کچا کہ اس کی تکلیف سے جاں بزنہ ہو کر  
 دمشق سے کسی طرح مکران کو پہنچا گیا لیکن مکرانچہ کو فات ہو گئی۔ ۲۲۴ ج ۲ ذی ۱۲

ہے ابن جوزی نے بیس جزوں میں ان کے حالات لکھے ہیں اسی سے اندازہ کیجئے، یوسف بن اسباط جیسے آدمی کا بیان ہے کہ

تیس سال سے یہ شخص ہنسا نہیں ہے اور چالیس سال اس حال میں گذرا کہ اس عرصہ میں کسی سے مذاق نہ کر سکے " صفحہ ۳ ص ۱۵۶

موتے رہتے تھے، لوگ پوچھتے تو کہتے کہ معاملہ ایسے سے اڑا ہے جسے کسی کی کوئی پیداہ نہیں ہے کون جانے کہ کل میں آگ میں نہ جھونکا جاؤں گا

۱۵۶ صفحہ ج ۳

حسن لہری اور عمر بن عبدالعزیز کے خوف کو دیکھ کر یزید بن حبیب کہا کرتے

تھے کہ

"ابا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے لئے حسن لہری اور عمر بن عبدالعزیز کے سوا اور کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ہے"

یا امام مالک ہی میں، کھانے پینے، رہنے سہنے میں ان کا نقطہ نظر عام طور پر مشہور ہے ہمیشہ قیمتی لباس زیب تن فرماتے عطر اور خوشبو میں ڈوبے رہتے ان کے دربار کے رعب اور دفا رکودیکھ کر لوگ کہا کرتے تھے کہ ان کا نہ باب امیر رکسی بڑے امیر کی زبردستی ہے، آپ کا بھی معمول تھا کہ گوشت کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور بے اس ذوق پر اتنا اصرار تھا کہ کسی دن اگر گوشت کے لئے پیسے نہ ہوتے اور اس کے لئے گھر کی کوئی چیز بیچی پڑتی تو کھا ہے کہ بفعلِ دودہ چیز بیچ کر گوشت خریدتے

۱۵۷ الدیبا ج المذہب

ہر جمعہ کو دستور تھا۔



کان یا مہر خباثرہ سلمۃ ان سلمۃ نامی بادی جی جو آپ کا تھا اس کو حکم دے رکھا تھا کہ، امام اور امام کے گمراہوں کے لئے بہت زیادہ کھانا تیار کرے۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ان کے علم و عمل، تقویٰ و دیانت کے جو گہرے نقوش امت کے قلوب پر قائم ہیں۔ کیا وہ قیامت تک مٹ سکتے ہیں۔ اللہ شہد گواہ رسالت بنا ہی کے ساتھ جس کی نیاز مند یوں اور ادب شناسیوں کا یہ حال ہو، علیہ السلام بن مبارک کی یہ چشم دید شہادت ہے۔ فرماتے ہیں کہ

”امام مالک ہم لوگوں کو حدیث پڑھا رہے تھے، بچہ و جوان کے کپڑوں میں کسی طرح گھس گیا تھا، نے سولہ دفعہ دُنگ مارے۔ امام مالک کا چہرہ ہر بیش پر متغیر ہو کر زرد پڑ جاتا تھا لیکن حدیث جس طرح بیان کر رہے تھے، بیان کرنے رہے، درمیان میں اس کے سلسلہ کو نہ تو راجب درس ختم ہو گیا اور لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے تب میں نے عرض کیا کہ آج آپ کا یہ حال ہو رہا تھا تب وجہ بیان کی اور فرمایا کہ انما صبرت لجلالہ دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے احترام کی وجہ سے میں صبر کئے بیٹھا رہا، صلا دیاج

دوسری کتابوں میں ہے کہ درس سے فارغ ہونے کے بعد انڈر تشریف لے گئے، کپڑے اتارے تب بچہ نکلا گیا۔ باہر اگر ابن مبارک سے چہرے کے تغیر کی وجہ بیان کی۔ یہ اور اسی قسم کے بمیوں واقعات کا تذکرہ اس طبقہ کے متعلق کیا جاتا ہے جو حدیثوں کے حفاظت و اشاعت کا صحابہ کے بعد ذمہ دار بن گیا تھا، کیا یہ صرف

گندھانے کی بات ہے پیغمبر اور پیغمبر کی حدیثوں کا جس کے دل میں اتنا احترام ہو کہ تھوڑا سا پردہ تک مارنا جھارہا ہے۔ لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں، نہ سنانے والا صرف اس خیال سے اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہیں۔

حفاظِ حدیث کے اس گروہ میں جنہیں دستِ عطا کی گئی تھی، خود امام بخاریؒ بھی ہیں بخاریؒ ان کی کافی جائز ادبی اور متعدد پن پھکیاں ان کی جیتی تھیں۔ وسیع پیمانے پر تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے جس میں ایک ایک دھو دس دس نہرا کا نفع ہوتا تھا لیکن بایں ہمہ صرف موشا میں ان کے مہارے کا یہ حال تھا کہ علاوہ تراویح کے پچھلی رات کو نصف یا ایک نہائی قرآن تہجد میں ختم کرتے گویا ہر دوسرے یا تیسرے دن قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ ادویہ اس عبادت کے سوا تھا جو دن کو روزہ کی حالت میں کرتے تھے۔ دستور تھا کہ دن کو قرآن شروع کرتے اور افطار کے وقت تک ختم ہو جاتا تھا۔ امام بخاریؒ کے ساتھ بھی کہتے ہیں امام مالکؒ ہی کے قریب قریب طوافِ پیش آیا امام مالکؒ تو حدیث پر معارف تھے اس وقت سمجھنے کا تھا تھا۔ امام بخاریؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں سے کسی نے باغ میں حضرت کی دعوت کی تھی۔ اتنے میں ظہر کا وقت آگیا فرض سے فارغ ہو کر نفل میں مشغول ہوئے گئے عین نماز میں بھڑنے کا ٹٹا شروع کیا لیکن نماز نہ توڑی جب سلام بھیرا تو لوگوں سے کہا کہ دیکھو میرے کرتے میں کوئی چیز تو نہیں ہے دیکھا گیا تو بھڑ بکا نہ ہوئی کئی جگہ اس کاٹنے کی وجہ سے درم ہو گیا تھا بوجھا گیا کہ نماز آپ نے توڑی کیوں نہیں فرمایا کہ

كنت في سورة فاحببت ان

انھا تاریخ بغداد ص ۱۲

اور میں ان قصص کو کہاں تک بیان کروں۔ ان کی کوئی حد انتہا بھی ہو، میرا

تو خیال ہے کہ جن بزرگوں کے متعلق سمجھا گیا ہے کہ وہ کچھ غیر معمولی طور پر خوش خوراک و خوش پوشاک تھے ان کی عرض بھی یہی تھی کہ اس ذریعہ سے کام زیادہ قوت اور زیادہ بشارت کے ساتھ انجام پاسکتا ہے خیال تو کیجئے کہ راتیں جن لوگوں کی اس طرح گزرتی تھیں مہیا کہ امام بخاری ہی کے متعلق ان کے دراق (مسودہ فولیں) محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ

”سفر میں امام بخاری کے ساتھ میرا قیام اسی کرے میں عموماً ہوتا تھا جس میں امام اہرام غنیمت تھے میں دیکھ کر ناٹھا کہ رات کو جب ہم لوگ سو رہے تو امام بخاری بار بار اُٹھ اُٹھ کر چھان سے چراغ جلاتے اور لکھی ہوئی حدیثیں پر کچھ علامت بناتے پھر سو رہتے۔ ایک ایک رات میں میزہ سے میں دفعہ تک میں نے دیکھا ہے کہ اُٹھتے ہیں اور بیٹے ہیں، میں عرض کرتا کہ جس وقت آپ اُٹھتے ہیں، مجھے بھی اُٹھالیا کیجئے تو فرماتے کہ میں تم جو ان آدمی ہو تمھاری نیند کو میں حراب کرنا نہیں چاہتا۔“

اس قسم کی محنت اور جفاکشی کے لئے خود ہی سوچنا چاہئے کہ کتنی غیر معمولی قربانی کی ضرورت ہے ایک دھچپ لیکن غیر معمولی نتائج کا حامل اسی سلسلے کے بزرگوں میں دیکھ بن الجراح کا وہ وقت نامہ ہے جسے خطیب نے دیکھ کے صاحبزادے سفیان بن دیکھ کے والد سے نقل کیا ہے، یہ دیکھ صرف حدیث ہی کے نہیں بلکہ فقہ کے بھی ہیں، حنفیوں کو اس پر فخر ہے کہ دیکھ زیادہ از امام ابو حنیفہ کے نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر فتویٰ دیا کرتے تھے سفیان ثوری کے تلمیذ خاص سمجھے جاتے ہیں۔ عبد اللہ بن مبارک احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی وغیرہم اکابر کے دیکھ استاد ہیں، امیر مگر

دردِ شربِ مہا حتیٰ ینفدھا دردِ کتوں، یا ان سے زیادہ رکٹوں کے بعد

تم یتام تاریخ بغداد ۱۳۶۰ خواہ طاق ہو تم یا جفت (سلام بھیر کر) اسی

قزب سے پیئے رہتے تانا نیک ختم ہو جانا پھر سورج

ظاہر ہے کہ دن بھر روزہ رکھنے کی وجہ سے جو صفحہ پیدا ہو جاتا تھا، اسی کی غلافی

ت کو بنیڈ سے فرماتے تھے، کیونکہ بنیڈ کو شہِ آدِ عرق قرار دینا، تو تجربہ سے پہلے خواہ

زادہ بدگمانی میں مبتلا ہو کر ایک دعویٰ کر بیٹھا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ کچھ اور

لور سے جو عرق بنیڈ کی شکل میں حاصل کیا جاتا تھا اس سے کافی قوت پیدا ہوتی تھی

سی لئے تو دکیع بنیڈ کے قرابے کو سامنے رکھ کر رات کی ناز پڑھا کرتے تھے جہاں

چھ سستی محسوس ہوتی ایک پیالہ چڑھا لیتے تھے جب وہ ختم ہو جاتا تو سورہتے تھے

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ دکیع ہی کے متعلق الذہبی نے جس واقعہ کا ذکر بطور

بک ظرافتہ لطیفہ کے کیا ہے مجھے تو ظرافت سے زیادہ اس میں حقیقت کی جھلک

ظہر آتی ہے لکھایہ ہے کہ دکیع ذرا تخمِ شمیم بھاری بدن کے آدمی تھے، جب مکہ پہنچے

اور سرخیل صوفیہ فیض بن عیاض سے ملاقات ہوئی تو ان کی فریبی کو دیکھ کر فیض نے

کہا کہ میں نے تو سنا ہے کہ تم راہبِ الحراق ہو، پھر یہ فریبی کسی؟ جواب میں دکیع نے فرمایا

هذا من درجی بالاسلام اسلام کی وجہ سے نثار کی جس کیفیت میں

مذکورہ ص ۲۸۳ رہتا ہوں یہ اس کا نتیجہ ہے،

واللہ اعلم کہ ان کا واقعی مطلب کیا تھا لیکن میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ آدمی

اپنے جسم کی بھی اگر مگرانی سے عفت اختیار نہ کرے اور محنت و مشقت کا چوبارہ اس پر

ڈالا جائے اس کی غلافی عمدہ اور لطیف غذاؤں سے کرتار ہے تو جن ذہنی بے چینیوں

اور دماغی اھنجوں سے اسلام آدمی کو نجات عطا کر کے روحانی سکون بخشنا ہے ان باتوں کا مجموعی اثر وہی ہونا چاہئے جس کا دیکھ کے وجود میں مشاہدہ کیا گیا تھا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں نے جیسا کہ عرض کیا، دیکھ کے وقت ناس سے اور بہت سی باتیں معلوم ہوئی ہیں، ایک تو اسی کا بتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے ان کی ساری زندگی مقررہ اوقات کے ساتھ بندھی ہوئی تھی، یہ ان کے ضبط اوقات پر نتیجہ تھا کہ ان علی مشاغل اور مجاہدات کے ساتھ جو بجائے خود حیرت انگیز ہیں وہ علم اور کیا کام؟ انجام دے سکتے تھے یعنی لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اتنی نازیں پڑھتی تھے اور اتنی مختصر مدت میں قرآن ختم کرتے تھے آخر ان ہی کو ہزار ہا ہزار حدیثوں کے یاد کرنے کا مرفع کیسے مل جاتا تھا۔ لیکن سمجھا نہیں گیا۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو یعنی مشاغل میں جو صرف کرنے کے عادی ہیں وہ ان لوگوں کے اوقات کی برکتوں کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے تھے جو اپنی ایک ایک سانس کی قیمت حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں آخر عام لوگوں کا کیا حال۔

مقررہ وقت معاشی کاروبار میں وہ ضرور لگاتے ہیں، لیکن اس کے بعد کھیل تماشا سنیما مینی، تماش بازی، اور اسی قسم کی مختلف بازیوں میں جتنا وقت بے کار وہ خرچ کر دیتے ہیں، اگر اسی میں وہ کام کرنے کا تجربہ کریں تو خود ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ جو ان لوگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔

ماسوا اس کے مدغمین کی زندگی کے دو مستقل دور تھے۔ ایک زمانہ ان کا طلب حدیث کا ہونا تھا، گذر چکا کہ اس زمانہ میں عہد صحابہ اور اس کے بعد بھی سمجھا جاتا تھا کہ نقلی بابا پر علمی اشتغال کو ترجیح دینا چاہئے اس سلسلے میں متعدد شہادتوں کا تذکرہ کر چکا ہوں

آدمی تھے۔ صرف والدہ سے لکھا ہے کہ دس لاکھ درم دراشت میں ان کو ملے تھے  
وال جو میں گھنٹہ کا نظام اوقات آفرمانے میں ان کا کیا تھا وہ سنیے ان کے  
اجزادے کہتے تھے۔

”میرے والد صائم الدہر تھے، قاعدہ ان کا یہ تھا کہ صبح سویرے درناز  
صبح سے فارغ ہونے کے بعد، درس حدیث کے حلقہ میں تشریف لاتے  
حدیث کے طلباء کو پڑھاتے تھے۔ تاہم دن کافی چڑھتا تھا تو سوائے اُنہر کے  
گھر تشریف لاتے، آدم سو جاتے ظہر کے وقت تک سوئے اس کے بعد  
ظہر کی نماز کے لئے اُٹھتے، نماز سے فارغ ہو کر اس سڑک کی طرف چلے  
جاتے جدھر سے پانی بھرنے والے بھستے پکھالیں بھر بھر کر شہر کی طرف  
لاتے تھے اور نہر ایک سے دریافت کرتے کہ قرآن اس کو کتنا یاد ہے جسے  
یاد نہ ہوتا اُسے قرآن کی اتنی سورتیں یاد کراتے جو نماز پڑھنے کے لئے کافی ہو  
یہ کام عصر کے وقت تک کرتے عصر کی نماز اپنی مسجد میں ادا فرماتے، اور نماز  
کے بعد وہیں بیٹھ کر قرآن کا درس دیتے کچھ وقت بیچا اسے اللہ کی یاد میں گزارنے  
مغرب کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے، تب انظار کا کھانا آپ کے آگے رکھا  
جاتا، قریب دس رطل (دو یا پانچ سیر) سے کم مقدار مجموعی طور پر کھانے کی  
نہ ہوتی کھانے کے بعد آپ کے سامنے منیذ کا قریب پیش ہوتا، دس رطل کے  
قریب منیذ جس میں ہوتی کھانے کے بعد اس قریب سے جتنا ان کا جی چاہتا  
پیتے رہتے، اور جو بیج جاتا اس کو سامنے رکھ لیتے“

منیذ کیا چیز ہے، جو نہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتا چاہتے ہیں انہوں نے طرح طرح کی باتیں اس کے متفق  
(نہیر منیذ)

اس کے بعد کیا کرتے تھے، اسی کو میں پیش کرنا چاہتا تھا، سفیان بن دعیج۔

ہیں کر

وَلَقَوْمٌ فِیْصِلُی دِیْرًا مِّنَ اللَّیْلِ وَكُلَّمَا  
بُهِرَ كَهْرُیْ جَرَجَلَتْ اَدْرَارَتِیْ فِیْ نَازِلِیْنَ كَا  
صَلٰی رَكْعَتَیْنِ اَوْ اَكْثَرَ مِّنْ شَفَعِ اَد  
جو درد ان کا تھا اسے پورا کرتے، اور درد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مشہور کر رکھی ہیں حالانکہ اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ اطباء جس دوا کو خبیثانہ کہتے ہیں رات کو پانی میں غائب ہوا دریاں، سپستان وغیرہ اسی قسم کی نباتی دوائیں دلی جاتی ہیں اور صبح کو قبول ان اطباء "تالیفہ صاف نمودہ بہ نوشند" نبیذ بھی بالکل ہی چیز نئی فرق صرف اتنا تھا کہ بجائے نباتی دوائی غائب سپستان وغیرہ کے کھجور یا کشمش، بنی کو پانی میں رات کو ڈال دیتے تھے جسے "تالیفہ صاف نمودہ" صبح پیتے تھے۔ اور صبح کو ڈالی ہوئی نبیذ رات کو استعمال کرتے تھے میں پوچھتا ہوں کہ دوائی خبیثانہ کا استعمال کیا کیسے نہ ظاہر ہوگا۔ بہرہ کیا اس میں نشہ یا سُکر پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ نباتاتی اشباع ہونے کی وجہ سے اس میں بھی الکحل پیدا ہو سکتا ہے جسے کھجور یا کشمش، منقے کے خبیثانہ کو دھوپ میں اگر رکھ دیکھے تو یقیناً اس عمل کے بعد اس میں جوش پیدا ہوئے کف پھینک دینے کے بعد نشہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن نبیذ اس کے بعد تو شراب بن جاتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نبیذ کے نام سے ناجائز نفع اٹھاتے ہوئے بعض لوگوں نے شراب کو بنام نبیذ استعمال کیا ہو۔ لیکن اگر کوئی نے نبیذ کی حکمت کا جو فتویٰ دیا ہے میرے خیال میں اس کی حرمت پر اصرار کرنا ہی ہے کہ کسی حلال چیز کو خواہ حرام ثابت کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ دوائی خبیثانہ سے کو بعض دفعہ الکحل جوش دے کر بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس میں بھی نشہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح کھجور یا کشمش کے خبیثانہ کو اگر پر اگر جوش دے دیا جائے تو کھڑا ہوا مزدور ہو جائے گا۔ لیکن نشہ اس میں پیدا ہوگا قطعاً یہ تجربہ کے خلاف اگر اس میں نشہ کا پیدا ہونا مزدور ہے تو چاہئے کہ سارے دوائی خبیثانہ سے میں نشہ پیدا ہو جائے۔ ان کو لوگوں نے اس معاملہ میں بہت بدنام کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا دیکھ امام ہی کے مسلک کی اتباع فقہ میں کرتے تھے اس لئے وہ خود بھی جیتے تھے اور دوسروں کو بھی جیتے کا حکم دیتے تھے ایک دفعہ کسی نے سے کہا کہ حضور میں نے نبیذ بی نورات کو خواب میں دیکھا کہنے والا کہتا ہے کہ تو نے شراب پی دیکھنے سے کہ فرمایا کہ شیطان ہوگا جس نے تجھ سے یہ کہا کہنے لگے کہ نورات کے پانی اور نبیذ میں میرے نزدیک

نہیں ہے ۱۲ خطیب ص ۴۷ ج ۱۳

صاحبزادے ابراہیم کا بیان ہے۔

میرے والد تہجد کی نماز کے لئے جس وقت اٹھتے تھے تو ان کے ساتھ  
سالا گھر اس نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا، حتیٰ کہ گھر میں جشن جمہوری تک  
تہجد پڑھتی تھی۔ خطیب <sup>۱۱۱</sup>

بہر حال ان چیزوں کو کہاں تک کھوں غرض یہ کہ صحاح صحیحہ کے مصنفین  
سے پہلے اور عہد صحابہ کے بعد حدیث کی حفاظت و اشاعت کا کام سو ڈیڑھ سو سال  
کے اس درمیانی وقفہ میں جن لوگوں کے سپرد رہا خود ان کا اور جس ماحول میں وہ تھے صحیح  
واقعات کی روشنی میں اس ماحول کا ایک سرسری اجالی خاکہ بقدر ضرورت لوگوں کے  
سامنے آجائے اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ آپ کے سامنے اس وقت تک پیش کیا  
جا چکا ہے انشاء اللہ اس مقصد کے لئے وہ کافی ہے، اب اسی کے ساتھ اور مجھ  
جذہ چیزوں کو اپنے سامنے رکھ لیجئے اگر چہ ضمتنا ان کی طرف بھی اشارہ کرتا چلا آیا ہوں  
(۱) یاد رکھنا چاہئے کہ واقعات کا یاد رکھنا اتنا دشوار نہیں ہے جتنا کہ اقوال  
و ملفوظات کا، واقعات کی حالت تو یہ ہے کہ شاید ہی کوئی آدمی ہوگا جس کے حافظہ  
میں ہزار ہا واقعات کی یاد تازہ نہ ہو، کم از کم وہی واقعات جو اس شخص کے ساتھ  
گزرے ہوں، ہوش سنبھالتے کے بعد صبح و شام لوگوں کے سامنے واقعات گزرتے  
رہتے ہیں، اور وہ یاد رہتے ہیں، ان کے یاد کرنے کے لئے حافظہ پر زیادہ بار ڈالنے  
کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس فطری عام قاعدے کے ساتھ اس کو بھی ذہن نشین  
رکھنا چاہئے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ حدیث صرف رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ملفوظات طیبہ ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ آپ کو کرنے ہوئے کچھ دیکھا



گیا، یا آپ کے سامنے دوسروں نے جو کچھ کیا، آور آپ نے اس سے منع نہیں کیا، اصطلاحاً جس کا نام محدثین نے تقریر رکھا ہے حدیث کا لفظ ان واقعات کو بھی حاوی ہے، اسی لئے جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو اتنی حدیثیں یاد تھیں تو اس کا مطلب یہی نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ملفوظات اتنی تعداد میں ان کو یاد تھے بلکہ ملفوظات کے ساتھ بڑا حصہ ان حدیثوں میں انحال و تقریرات کا بھی ہوتا ہے۔

(۲) خود صحابہ میں بھی بجز محدودے چند حضرات کے جہیں مکرثرین کہتے ہیں زیادہ

و اسی قسم کے حضرات میں جن کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد کا تنخوا سے متجاوز ہونا بھی مشکل ہے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ تنویاتینو سے کچھ اوپر حدیثوں کے روایت کرنے والے حضرات صحابہ میں میں یکسے سے زیادہ نہیں ہیں، درنہ ان کی عمومیت "صحابہ العشرہ"

یعنی تنو سے کم، نوے، اسی، ستر، ساٹھ، پچاس دس تک) میں شمار ہوتے ہیں، تاہم صحابہ کرام کے عہد تک حدیثوں میں سند کا سوال جو نہ پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ بات فقط متن تک محدود تھی نیز جن چیزوں کو وہ بیان کرتے تھے ان کے وہ خود ذاتی تجربہ کار اور دیکھنے والے ہوتے اس لئے چند صحابی مثلاً ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ، انس بن مالک، ابن عمر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثوں کی تعداد کافی ہے۔ لیکن صحابہ کے بعد چونکہ سند

کا یاد رکھنا بھی ضروری قرار دیا گیا اور جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے کڑی پر کڑی کا اضافہ سند میں ہوتا چلا جا رہا تھا، حافظہ پر اس کی وجہ سے زیادہ ذمہ داری عاید ہوئی غالباً یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے بعد والوں میں زمانہ تک میں اسی قسم کے حضرات ملتے ہیں جن کی حدیثوں کی تعداد محدود تھی، اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان شہاب زہری جیسے آدمی کی روایتوں کی مجموعی تعداد کو بتاتے ہوئے الذہبی نے لکھا ہے کہ

اسی کا نتیجہ تھا کہ جن سے نفی عبادات کا ترک بالکل ممکن نہ ہو سکتا تھا وہ اپنے اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حصوں پر تقسیم کر دیتے تھے، عمرو بن دینار جو سفیان و شعبہ وغیرہ کے اسناد اور ابن عباس و ابن عمر کے شاگرد ہیں ان کے حال میں لکھا ہے کہ رات کو انہوں نے چند حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک ثلث تو نیند کے لیے تھا، دوسرے ثلث میں وہ حدیثیں یاد کرتے تھے اور تیسرے ثلث میں نمازیں پڑھتے تھے مکنا جامع

اور طلب حدیث کا دور جب گزر جاتا تھا تو ظاہر ہے کہ حدیث کے ان حافظوں کو اب حدیث کے یاد کرنے کے لیے وقت دینے کی ضرورت نہیں رہتی تھی رات ان کی فارغ ہو جاتی تھی، البتہ دن کو شاگردوں کے سامنے اپنی یاد کی ہوئی حدیث کو دہراتے تھے اور اسی سے انکی یاد تازہ رہتی تھی، بڑے بڑے حافظ کاویہ حال تھا کہ ان کا حافظہ بھی غیر معمولی طور پر قوی تھا، اسی لئے اس قسم کے حضرات درس حدیث کے وقت اپنے ہاتھ میں کتاب کبھی نہیں رکھتے کتابوں میں پڑھتے اس قسم کے فقرے خط

لحدیثی یوسف بن عیینہ  
سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری و شعبہ  
والشوری و شعبہ و دکیع کثافہ  
دکیع کے ہاتھوں میں کتاب کبھی نہیں دیکھی گئی

ماثر ثنی لو کعب کتاب قطر و لا ھشم  
نہ دکیع ہی کے ہاتھوں میں کتاب دیکھی گئی اور نہ  
ولا الحماد ولا المعمر خطیب ۴۵۰  
ہشم کے ہاتھوں میں نہ حماد کے ہاتھوں میں  
معر کے ہاتھوں میں

یہ تو غیر معمولی حافظہ رکھنے والے بزرگوں کی عام عادت تھی، باقی جن لوگوں

کی قوت یادداشت ایسی نہ تھی پڑھانے کے وقت اپنے ہاتھوں میں وہ کتاب رکھتے تھے، اور جن بے چاروں کو درس کا موقعہ میرزا آقا تو گزر چکا کہ مکتب خانوں کے بچوں کے سامنے باعام غریب کے مجمع میں جا کر اپنی حدیثوں کو دہراتے تھے، بہر حال دیکھ کے نظامِ لاوقات کا سب سے زیادہ عبرت انگیز جزو وہ ہے کہ سقوں کی گذرگاہ میں پتھر اُن کو قرآنی سورتیں یاد کراتے تھے۔ آج کسی مولوی کو کسی قصبہ یا شہر میں مولیٰ سا امتیاز بھی حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بے چارہ خدا جانے اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستباز خادموں کو آپ دیکھ رہے ہیں یہ دیکھ میں دی دیکھ امام فن رجال بخاری بن معین جن کے متعلق کہنے لگے کہ میری آنکھوں نے ان سے بڑا آدمی نہیں دیکھا۔ یہی دعویٰ امام احمد بن حنبل کا بھی تھا کہ علم میں دیکھ عبدی آدمی میری نظر سے نہیں گذرا۔ امام احمد کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا گیا ہے۔

ماسرأت عینی فتوح فتح محفوظ دیکھ جیسے آدمی کو میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا

الحدیث جید اذین الکرام بالفہم حدیثیں بھی ان کو خوب یاد تھیں اور فقہی مسائل پر

فجس مع وسرع واجتہاد خوبی کے ساتھ بحث کرنے سے دان ملی نصائی

ولا یبطلہ فی احد خطیبہؑ کے ساتھ، ان میں بارسائی، اور عبادت میں

جد و جہد کی حضور صیت بھی پائی جاتی تھی، وہ

کسی پراعتراض اور نکتہ چینی بھی نہیں کرتے تھے

لیکن جو اپنے وقت کا سب سے بڑا امام فقہ میں بھی تھا اور حدیث میں بھی بہشتیوں کو قرآن کی ابتدائی سورتوں کے سکھانے کو بھی اپنی زندگی کا ایک فرض قرار دے ہوئے تھا، ایسے ہی آدمی کے گھر میں یہ ہو سکتا تھا عبدی کہ ان کے

قال ابو داؤد حنیفہ القان      ابو داؤد کا بیان ہے کہ زہری کی روایتوں کی تعداد  
وما یثاقان النصف منها مسند      (۱۲۰۰) ہے جس میں مسند یعنی رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم تک مسلسل سند کے ساتھ جو روایتیں      مسند تذکرہ

منسوب ہیں، ان کی تعداد کل نصف ہے۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ ان کی مسند حدیثوں کی تعداد ایک ہزار ایک سو سے  
زیادہ نہ تھی اودیدہ حال جب زہری کی روایتوں کا ہے تو دوسروں کی روایتوں کو اسی پر  
نیاس کیجئے، زہری سے پہلے قاسم بن محمد حبیل القدر تابعی ہیں۔ لیکن ذہبی ہی نے  
ان کے حال میں لکھا ہے کہ

قال ابن عیینہ کان القاسم      ابن عیینہ کہتے تھے کہ قاسم اپنے عہد کے سب  
اعلم اہل زمانہ وقال علی      سے بڑے عالم تھے اور ابن مدینی کا بیان ہے  
بن الدینی لہ ما یتاح حدیث      کہ قاسم کی روایتوں کی تعداد کل دو سو ہے

مسند ۹۱ تذکرہ

اسی طرح بصرہ کے امام حدیث ثابت البنانی کی حدیثوں کی تعداد ذہبی  
نے لکھا ہے کہ دو سو چاس تھی، مسند ۱۱۔ سلیمان غمی کی روایتوں کی تعداد کل دو سو ستالیس تھی  
ہے مسند ۱۲۔ عمرو بن مرہ بھی کل دو سو سی حدیثوں کے راوی تھے مسند ۱۳۔ یحییٰ بن سعید  
الانصاری کے پاس بھی صرف تین سو حدیثوں کا ذخیرہ تھا مسند ۱۴۔ ذہبی۔ ابوب سفیان  
ثانی کل ۲۰۰ حدیثوں کے راوی تھے مسند ۱۵۔

میں نے تذکرہ الحفاظ سے یہ جز خالص بنی لی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ  
کے بعد شروع میں لوگوں کے پاس حدیثوں کی محدود تعداد تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا

طرف بڑھتا گیا اس منتشر اور کھجڑے ہوئے سرمایہ کو لوگوں نے سمیٹنا اور جمع کرنا شروع کیا۔ بعض لوگوں نے خاص قسم کی حدیثوں کو جمع کیا۔ مثلاً احکام یعنی فقہی مسائل جن حدیثوں سے پیدا ہوئے ہیں ان کے متعلق امام شافعی کا بیان ہے کہ

وحدت احادیث الا حکام کھا  
عمر بن الخطاب سوی فلا فین حدیثنا  
ان کی سنت حدیثوں کا سارا حیر میں نے امام  
دو حدیث کھا عند ابن عیینہ  
ماک کے پاس پایا بخیر میں حدیثوں کے لیے  
ایسا ذخیرہ جس میں یہ حدیثیں بھی شریک نہیں  
سوی سنت احادیث نہ کرنا الخلفاء  
میں نے ابن عیینہ کے پاس پایا بخیر حدیثوں  
۲۲۲  
ج ۱

کے کہ وہ ابن عیینہ کے پاس بھی نہیں

اسی طرح بعض حضرات نے کسی خاص علاقے کے راویوں کی حدیثیں جمع کر دی ہیں علی بن مدینی کے والد سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

داہر علم الثقات علی الزہری  
وعمرو بن دینار بالحدیث  
معتبر راویوں کا علم ان جذبز رنگوں پر گردش کرنا  
ہے یعنی حجاز کا علم ذہری عمرو بن دینار پر  
بعبرہ کا علم قتادہ و یحییٰ بن کثیر پر، کوثر کا ابو یحییٰ  
داہر علم پر گردش کرنا ہے، جس کا مطلب یہ  
ہے کہ صحیح حدیثیں عموماً ان بزرگوں کے دائرہ  
علم سے باہر نہیں ہیں،  
۲۲۲  
ج ۱

اسی طرح ابو داؤد و طبرانی کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہ

رجدنا الحدیث عند امریبعہ میں سنے حدیث کا ذخیرہ چار آدمیوں کے پاس

الزہری وفتادۃ راہی اسحق بابا، یعنی زہری، قتادہ اور ابو اسحاق و

دہلا عیش

ذہبی نے طبعی اسی کا یہ تخمینہ نقل کیا ہے کہ

ولہرکین عند واحد من ہولاء اور ان میں سے ہر ایک کے پاس دودھ ہزار سے

الافین الفین مثلاً زیادہ حدیثوں کا سرمایہ نہ تھا۔

مگر جیسے جیسے زمانہ آگے کی طرف بڑھتا گیا، لوگوں میں ایک ہی حدیث کو مختلف راویوں سے سننے کا شوق بڑھتا چلا گیا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اس زمانہ میں واقعات کی تک پہنچنے کے لئے کسی ایک اخبار میں کسی نیوز ایجنسی کی دی ہوئی خبر کا بڑھ لیا کافی نہیں ہوتا کچھ اسی قسم کا حال حدیث کے باب میں ان بزرگوں کا ہو گیا تھا، اس میں لوگوں کے اولوالزماں ترقی کر کے اس حد کو پہنچ چکی تھیں کہ بعض لوگ متنو طریقوں سے جب تک کسی روایت کو سن نہیں لیتے، اپنے آپ کو اس روایت میں یتیم خیال کر ڈرتے تھے اور قاعدہ یہ بن گیا تھا کہ مختلف طریقوں سے جو حدیثیں سنی جاتی تھیں محض سند میں کسی ایک راوی کے بڑھ جانے یا متن میں کسی لفظ کے امانے کے ساتھ ہی بجائے ایک حدیث کے وہی ایک حدیث دودھ میں بن جاتی تھیں میں کہہ چکا ہوں کہ اس طریقہ سے حدیثوں کی تعداد بڑھتے ہوئے لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ نیز حدیث کے لفظ کے نیچے صحابہ اور تابعین کے اقوال و فتاویٰ کو بھی آخر میں لوگ درج کرنے لگے۔ حدیثوں کے عددی اضافہ میں کچھ اس کو بھی دخل ہے ورنہ عرض کر چکا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کی معیاری حدیثوں کی تعداد میں ہزار تک بھی نہیں پہنچتی اور صحیح حدیثوں کے ساتھ ضعیف حسن وغیرہ کو ملا

جائے تو یہ مشکل تیس تیس نہاردہ ثابت ہوتی ہیں، بلکہ ابن جوزی کا قول نقل کر چکا ہوں کہ جعلی اور موصوع حدیثوں کو مٹالینے کے بعد حدیثوں کے سارے سرمایہ کو بچاؤس ہزار تک پہنچانا مشکل ہے۔

اسی کے ساتھ اس کو بھی بھولنا نہ چاہئے کہ جن لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ لاکھ بالا لاکھ سے اور بڑا بڑا کو حدیثیں یاد تھیں۔ مثلاً امام بخاری۔ امام مسلم، یا ابو زہرہ احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہ سوا ظاہر ہے کہ ان میں باوجود صحاح ستہ کی کتابوں کا مصنف ہیں، یا ان کے معاصرین ہیں، جیسے ابو زہرہ امام بخاری کے معاصر ہیں یا صحاح کے مصنفین کے بعد کے لوگ ہیں، جیسے احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہ اور اس قدر میری گفتگو کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو مصنفین صحاح سے پہلے اور صحابہ کے بعد درمیان عہد میں حدیث کی خدمت کرنے والے تھے، کم از کم اس عہد میں میں نہیں جانتا کہ کسی کے متعلق لاکھ دو لاکھ کی حدیثوں کا دعویٰ کیا گیا ہو۔

(۲) حدیثوں کے ان حفاظ کے متعلق عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان میں ہر ایک کی حالت یہ تھی کہ سن لینے کے بعد اس کو حدیثیں زبانی یاد ہو جاتی تھیں۔ یہ تفصیل بتا چکا ہوں کہ یہ واقعہ کی قطعاً غلط تصویر ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں بعضوں کا حافظہ یقیناً غیر معمولی تھا، اور حافظہ ہی کیا، سارے انسانی کمالات کے متعلق آپ کو غیر معمولی مثالیں ہر زمانہ میں تلاش سے مل سکتی ہیں۔ ان کی بلندی کی بھی، اور سچی کی بھی، یہی حال حافظہ کی قوت کا بھی ہے ردیموں کی تاریخ میں مشہور روایتی حکیم سینا کے باب مارکس رینیلس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ

”وہ نہ صرف حافظہ سننے کے بعد بالترتیب ان کا اعادہ بلا تکان کر دیا کرتا تھا“  
 ص ۷۷ سکرس آف مارڈ (ترجمہ)

یہ قوت یادداشت کا ایک نقطہ تھا، اسی کے مقابلہ میں آدمیوں کی اسی تاریخ

میں ہم رومی بادشاہ کلاڈیوس کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ

”اس کے حافظہ کی حالت یہ تھی کہ ان اشخاص کو شطرنج کھیلنے کے لئے

مدعو کر تا جو اس روز سے قبل اس کے حکم سے ملکِ عدم کو روانہ ہو چکے تھے

اس نے ایک دفعہ اپنے مصاحبوں سے اپنی ملکہ کی عدم موجودگی کی وجہ پوچھی،

حادثہ کو کئی دن پہلے بد نصیب ملکہ اسی بادشاہ کے قہر کا قعر بن چکی تھی یعنی نفس

کرائی جا چکی تھی، کتاب مذکور ص ۹۰

گویا اس رومی بادشاہ کے حافظہ کی حالت قریب قریب وہی تھی جو عربی کے

انشازی قصوں میں ہنقاء نامی شخص کے متعلق لوگ ذکر کرتے ہیں کہ محلے میں ٹوٹے

جوتوں کا ہر اس لئے ڈالے رہتا تھا کہ اس نے آپ کو پہچان سکے اور یاد رکھ سکے کہتے ہیں کہ میں

ہار کے بغیر اپنے آپ کو بھی وہ بھول جاتا تھا۔

بہر حال بعض محدثین کی غیر معمولی قوتِ یادداشت اب خواہ اس عام قانون کا نتیجہ

ہو۔ اور اسلام کو ان سے کام لینے کا موقع مل گیا، یا یہ سمجھا جائے کہ آخری نبوت کے

متعلقہ معلومات کی حفاظت کے لئے قدرت نے جہاں دوسری چیزیں پیدا کی تھیں

ان میں سے غیر معمولی حافظہ رکھنے والے حضرات بھی پیدا کیے گئے تھے۔ کچھ کچھ جو اس

کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان لوگوں کی تعداد محدثین میں بھی بہت بخور و شاد تھی ورنہ عام حال

ان کے حافظوں کا بھی وہی تھا جس کا ذکر ایک محدث نے دیکھ کی قوتِ یادداشت کو

سُن کر کہا تھا، یعنی کہا کہ

ان حفظ و کتب کا ن طبعیاً رکب کا حافظہ ان کی ایک لمبی غصہ صبت



و حفظنا تکلف خطیب <sup>۲۴/۲۵</sup> مئی ۱۹۲۹ء نئی اور ہم لوگ جو یاد کرنے میں تکلف کی یاد ہے  
 اور سطور جہ کی قوت یاد رکھنے والے لوگ کسی چیز کو جس تذبذب سے یاد کرنے  
 میں تکلف والے حفظ سے یہی مراد ہے اسی تکلف والے حفظ سے کام لے کر اس وقت  
 تک لاکھوں لاکھ کی تعداد قرآن کے حافظ لوگ بن رہے ہیں یعنی ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ رفتہ  
 رفتہ تدریجی طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے یاد کرتے ہیں، اور آپ سن چکے کہ کسی ایک آدمی کا  
 نہیں بلکہ اس زمانہ کے عام محدثین کا یہی دستور معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں چند حدیثیں  
 جن کا واسطہ پانچ سے دس تک کی حدیثوں کا تھا اپنے شاگردوں کو سکھانے لگے، مقصد  
 اس کا وہی تھا کہ عام لوگوں کے لئے حدیثوں کی یاد کرنے کی تذبذب تکلف والی شکل یہ  
 ہو سکتی تھی۔

اب ان سارے معلومات اور مقدمات کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ مصنفین صحابہ  
 اور عہد صحابہ کے اس درمیانی وقف میں مان بھی لیا جائے کہ حدیثوں کی حفاظت کی ایک  
 ہی شکل یعنی کتابت نہیں صرف حفظ ہی تھی، تو جوان کا ماحول تھا اور جس قسم کے ظاہری  
 باطنی خصوصیات میں از سر تا بقدم وہ ڈوبے ہوئے تھے ان کے لحاظ سے حدیثوں کو زبان  
 یاد کر لینا یہ کام ان کے لئے کچھ بھی دشوار تھا؛ ایک ایسے بدترین ناموافق حالات جن  
 میں بچھڑی ہمدی ڈپرہ ہمدی سے مسلمان گذر رہے ہیں ان کی زندگی کا سارا نظام الٹ پلٹ  
 ہو چکا ہے، طلبہ پر دین کی گرفت روز بروز دھیمی پڑ چکی جا رہی ہے لیکن بائیں ہمہ حفظ تکلف  
 کے عام قانون کے تحت پیارے اور آپ کے سامنے دس بیس دس ہی نہیں بلکہ اور  
 سے آخر تک الحمد سے دانت اس تک کے حافظ قرآن ہزار ہا ہزار کی تعداد میں جب یہ  
 ہو رہے ہیں تو جس زمانہ کا نقشہ مصنفات بالا میں آپ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ حدیثوں

حفظ کا مسئلہ کیا کوئی بڑی بات تھی؟ جس کی دشواریوں کو محسوس کر کے باکر کے آج مدنیوں کے متعلق بدگمانیاں پھیلانی جارہی ہیں خصوصاً جب اسی کے ساتھ ان نکات کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے کہ ان محفوظ مدنیوں میں ملفوظات نبویہ کے ساتھ ایک بڑا حصہ واقعات دینی افعال اور تقریرات کا بھی شریک تھا، اور میرا یہ تخمینہ ہے کہ حدیث کے ان تینوں اجزاء میں دو تہائی حصہ ان ہی واقعات کا ہے۔ مگر صحیح بخاری سے اگر کام لیا جائے تو شاید اس تخمینہ سے زیادہ بھی ہو، عرض کر چکا ہوں کہ واقعات کا یاد رکھنا آدمی کی قوت یادداشت کے لئے اتنا دشوار نہیں ہے، جتنا کہ ملفوظات اور اقوال کے یاد کرنے میں حلقہ برابر پڑتا ہے پھر اسی کے ساتھ جب اس کو بھی سوچا جائے کہ تنویر دیر ہر سال کے اس درمیانی وقفہ کا ابتدائی ایام میں عموماً حدیث کا سرمایہ سکبری ہوئی شکل میں تھا اجتماع اور تمرکز کی کیفیت اس میں بعد کو پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ اجتماع و تمرکز کی اس کیفیت سے پہلے ہر ایک پر حدیثوں کی محدود تعداد کے حفظ کی جو کچھ تہ داری عاید ہوتی تھی اس لئے سمجھنا چاہئے کہ ایک خاص وقت تک اس سہولت سے بھی لوگ مستفید ہوتے رہے، لیکن جیسے جیسے سرمایہ مخصوص دماغوں میں سمٹنے لگا تو اس کو بھولنا چاہئے کہ حدیثوں کے سیکھنے سکھانے پڑھنے پڑھانے کے نظام کا استحکام اور اس کی استواری بھی بڑھتی چلی گئی اور گروعدی لحاظ سے آخر زمانہ میں حدیثوں کی تعداد میں بظاہر مہیب اضافہ نظر آتا ہے لیکن پہلی بات تو اس سلسلہ کی وہی ہے کہ غیر متولی اصناف وقفہ کی اس درمیانی مدت کے بعد ملو اسے نیز حدیثوں کے عددی اضافہ کا راز جب معلوم ہو چکا کہ وہ خود حدیثوں کا اضافہ تھا بلکہ زیادہ تر سند یا متن میں لفظ دو لفظ کے اضافہ سے حدیثوں کے عدد میں اضافہ ہو جاتا تھا، تو پھر اس کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی، ایک

یعنی عالم نے اپنی کتاب ”العلم الشامخ“ نامی میں جلال الدین سیوطی کے اس دعویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ مجھے دولاکھ حدیثیں (بانی یاد ہیں، بڑے مزے سے لکھا ہے کہ لوگوں کو سیوطی کے اس دعویٰ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ واقعی ان حضرات کو دولاکھ حدیثیں یاد تھیں بلکہ ان کا یہ دعویٰ محدثین کی اسی اصطلاح پر مبنی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے۔

تدایکون الواحد فی کتاب السیوطی      کہ ایک ایک حدیث مذکورہ بالا حساب  
اربعۃ او عشرۃ او سنین حدیثا      سے سیوطی کی کتاب میں جاریہ اس سال  
باعتبارہم      ۳۹۹۲ء العلم الشامخ      تک کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے۔

گویا سمجھنا چاہیے کہ حافظہ پر توکل ساتھ الفاظ کے یاد کرنے کا بار پڑا لیکن کہنے کے لمحے ہو گیا کہ میں نے ساتھ حدیثیں یاد کر لیں۔ ہوتا یہ تھا کہ مثلاً ایک ہی حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ بھی اس کے راوی ہیں، اور عائشہ صدیقہؓ بھی، وابن عمرؓ بھی آپ کے نزدیک تو وہ ایک ہی حدیث ہے، لیکن محدث بیان کرے گا کہ مجھے تین حدیثیں یاد ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک نام ابو ہریرہؓ کے ساتھ ”عائشہ“ اور ”ابن عمرؓ“ ان دونوں کے یاد کر لینے سے ایک حدیث تین حدیث بن گئی عوام جو فن اور اس کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں ان کو حیرت ہوتی ہے لیکن جتنے واسطے جانتے ہیں کہ خود ان نام کے یاد رکھنے میں حافظہ کو دوسری بہت سی چیزوں سے مدد ملتی ہے، فن کا یہی اس نکتہ کو سمجھ سکتے ہیں، تاویلیں سمجھ کر جیسے آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں فلاں فلاں صحابی سے حدیثیں زیادہ مروی ہیں۔

(باقی آئندہ)

# ابو المنذر ابن الکلبی کی ایک روایت پر تنقید

(حضرت میرزا محمد حفظ الرحمن صاحب انشا ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند)

سلسلہ کی بات ہے کہ روایت ذیل کی تحقیق و تنقید کے سلسلہ میں مولانا موصوف کو ابن الکلبی کی مشہورہ آفاق تصنیف "کتاب الاضنام" کے اردو ترجمے اور اس پر تنقید کا خیال پیدا ہوا اور مباحثہ صاحب موصوف کی عادت ہے کہ جس کام کا نتیجہ کر لیتے ہیں اس میں غرق ہو جاتے ہیں مہینوں کی محنت و کاوش اور تلاش و تحقیق کے بعد پوری کتاب کا ترجمہ مع تشریح و تنقید مکمل کر لیا اس وقت تک نزد المصنفین عالم وجود میں نہیں آیا تھا اور جب ششم میں اس کا قیام عمل میں آیا تو دوسرے کاموں کا سلسلہ چھڑ گیا اور اسے خالق کریم کا موقع نہیں ملا یہاں تک کہ ششم کے چنگاموں میں مسودے کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا اب دیر ہوا سال کے بعد منشر کا فرائض میں دبے ہوئے یہ چند اوراق باقی رہے ہیں۔ (حدید)

”ابن کلبی راوی ہے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ”عُزْی“ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اسلام سے پہلے جبکہ میں اپنی قوم کے دین پر تھا تو میں نے بھی ایک سرخ و سپید رکبری (کبری) ”عُزْی“ کی نذر کی تھی“

یہ روایت سرتاسر غلط اور باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابن کلبی کے متعلق محدثین کی جو متفقہ رائے ہے اگر اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تب بھی یہ قول اس لئے لغو اور بے اصل ہے کہ بے سند ہے اور بے سند قول کو اور وہ بھی ایسے شخص کی بیان کردہ قول کو جو محدثین کے نزدیک قطعاً ناقابل اعتبار اور کذاب ہو ”روایت کناہی روایت کی توہین کرنا ہے۔“ صحیح اور صریح روایات میں مذکور ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم“ نبوت سے قبل بھی

ہر قسم کے شرک کی نجاست سے پاک و منزہ اور مستغفر ہے ہیں لہذا ان روایات کی موجودگی میں اس بے سرو پا واقعہ کا اعلان بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے اہل جاہلیہ جن امور کو کیا کرتے تھے میں نے ان میں سے کبھی کوئی جاہلیت کا کام نہیں کیا البتہ دو مرتبہ اس سلسلہ میں ارادہ کیا تھا مگر دو دن مرتبہ میرے اور میرے ارادہ کے درمیان اللہ تعالیٰ اُڑے اُگیا (یعنی میں ان دونوں مرتبہ بھی امور جاہلیہ سے محفوظ رہا) اس کے بعد پھر کبھی ایک مرتبہ بھی میں نے کسی ایسے امر کا ارادہ نہیں کیا تھا کہ وہ وقت پہنچا کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرف رسالت سے مشرف فرمایا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک ہم جہیل شریک کے سے جو میرے ساتھ مکہ کی ادبجی وادیوں میں کرباں چاہا کرتا تھا کہا کہ آج دوسری بکریوں کی بھی اگر نگوئی کرے تو میں مکہ میں جا کر دو جتان مکہ کی طرح کسی عیش و طرب کی محفل میں شریک ہوں۔ اس ارادے نے بخوشی منظور کر لیا اور میں روانہ ہو گیا اتفاق وقت کہ آبادی کے مزدع ہی میں ایک مکان سے دف اور خاویز کی آوازیں آرہی تھیں میں نے پوچھا یہاں آج یہ کیا طرب کا سامان ہے کہنے والوں نے کہا کہ فلاں دوسرے گھلوں دھکی سے شادی ہوئی ہے۔ یہ سب اُس خوشی میں ہو رہا ہے میں اس ارادہ سے بیجا ہی تھا کہ اس کی سیر کروں کہ قدرت الہی نے مجھ پر فرلاؤ کیا کیا ایسا غلطی کر دیا کہ میں بے بس ہو کر اسی آن سو گیا اور ایسا سویا کہ سورج جب چڑھو آیا تب آنکھ کھلی۔ پھر اُس گھر اپنے ساتھی کے پاس پہنچا۔ اُس نے پوچھا رات کا حال سناؤ

نہ مرداہ البیہقی فی منہ والیزاس و ابن داہوبہ فی صانیدہ وابن اسحق فی سیرتہ وابن عساکر فی تاریخہ والبیہقی فی دلائل النبوة لسبند رحمہما علیہ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

میں نے کہا کہ میں تو کچھ بھی نہ سن سکا اور نیند کا واقعہ اس کو سنایا۔ اسی طرح ایک رات کو بکریاں اُس کے سپرد کر کے کچھ پہنچا اور محفلِ حرب میں شرکت کی غرض سے میٹھا اسی بیٹھے ہی پایا تھا کہ پہلے کی طرح بھرا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند کو مسلط کر دیا خدا کی قسم ایسا سیا کہ سوجھ کی نماز ہی نے جگایا اور میں آیا تو اپنے نوجوان ساتھی سحرانقشہ نقل کیا اُس کے بعد شرفِ رسالت سے مشرف ہوئے ملک بھر کبھی جا طہیت کے کسی کام کا ارادہ تک بھی دل میں پیدا نہیں ہوا

کبریٰ ادا البرہان کی دلائل النبوة

(۲) حضرت علیؓ ہی اہلِ علی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجھا گیا یا رسول اللہ کبھی آپ نے بت کی پرستش کی ہے بہت نے ارشاد فرمایا کبھی نہیں۔ یا رسول اللہ کبھی آپ نے شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی نہیں؛ (دلائل النبوة جلد اول، تلخیص ابن حجر) (۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زید بن عمرو بن نفیل اس جاذر کے گشت کھانے کو محبوب سمجھتے تھے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ میں نے مدتِ عمر اس جاذر کا گشت نہیں کھایا جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسالت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ (دلائل النبوة جلد اول)

(۴) حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ایک پردی سے سنا ہے وہ کہتا تھا کہ میں نے ایک مرتبہ سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے۔ اے خدیجہ خدا کی قسم میں نے کبھی نہ کی پرستش نہیں کی۔ خدا کی قسم میں نے کبھی نہ عزیٰ کی پرستش نہیں کی (مسند احمد)

(۵) بیہقی نے زمانہ نبوت سے قبل کے واقعات نقل کرتے ہوئے ہدایت

کیا ہے کہ زید بن حارثہ آپ کے ساتھ جا رہے تھے جاتے جاتے ایک بت نظر پڑا تو زید دبوکہ لگی بیچہ تھے اس کو چھوٹنے لگے آپ نے ان کو چھوٹنے سے منع کیا اور فرمایا کہ کبھی اس کے پاس نہ جھکن۔ (نسیم الریاض)

(۶) بحیرانے دوران گفتگو میں (لات دعزئی کا ذکر کر کے) آپ کو جانبا آپ نے فرمایا تم میرے سامنے لات دعزئی کے متعلق کوئی تذکرہ نہ کرو بخدا ان ہر دو بتوں سے میں تمام بری چیزوں سے زیادہ بغض و عداوت رکھتا ہوں۔ (شفاء)

(۷) آپ کو ایک مرتبہ انکس میں آپ کے چاچا بدرستی اپنی ایک عید کے موقع پرے گئے آپ فرماتے ہیں کہ میں اگر ذرا بھی اُس بت کے قریب چلا جاتا جس کے سامنے سیلا لگ رہا تھا فوراً اُسی وقت ایک نورانی شکل نمودار ہوتی اور مجھ کو چیخ کر سہا دیتی اور کہتی کہ ہرگز اس بت کو ہاتھ نہ لگانا اُس کے بعد کبھی نبوت سے سرفرازی تک میں اُن کی کسی عید میں شریک نہ ہوا (طبقات ابن سعد فقہ صنم ہواز)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ آپ زمر کے قریب اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ اُس جگہ کھڑے تھے جہاں "اساف" بت غضب تھا فوراً ہی مذہب کی چشم مبارک ایک لٹ کے لئے کعبہ کی جانب اٹھی اور اس کے فرار بعد ہی آپ خدوں سے ہٹ گئے۔ چچا زاد بھائیوں نے پوچھا کیوں یہ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ مجھے اس بت کے قریب کھڑے ہونے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (دلائل الغیبی)

(۹) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب (قریش کے زمانہ میں) کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی تو حضرت عباس اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (چچا بیٹھے) اس کی تعمیر کے لئے پتھر اٹھا

اٹھا کر لارہے تھے حضرت عباس نے آپ سے کہا کہ نہ بند کھول کر لاندھے پر رکھو  
 نہ تو سبزی دگر سے محفوظ رہو گے۔ آپ نے ایسا کیا تو فوراً بیہوش ہو کر زمین پر گر  
 پڑے اور آنکھیں آسمان کی طرف دیکھتی رہیں تھوڑی دیر میں جب اتفاق ہوا تو آپ نے  
 نہ بند کو بار بار مانگا۔ فوراً ہی آپ کے نہ بند باز ہو گیا رنجاری عبد اللہ باب بنیان الکبر  
 اور قسطلانی نے اسی حدیث کے ذیل میں ابو الطفیل کی حدیث نقل کی ہے جو اسی واقعہ  
 سے متعلق ہے اس میں ہے **فَقَوَّيْ بِأَيْحَمَّدٍ عَظِيمُ عَوْرَتَكَ** (الحديث)  
 اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے ستر کو چھپاؤ۔

(۱۰) خواجہ ابوطالب ایک مرتبہ اپنے بھائی حضرت عباس (رضی اللہ عنہ)  
 کے ساتھ اپنے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از نبوت زندگی کے وقت کی  
 سوسائٹی کے خلاف تعجب خیز، حیرت انگیز حالات سنا کر ابتدائی زندگی کی لطافت  
 و تقدیس پر فخریہ اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں میں نے اس کو نہ کبھی جھوٹ  
 بولنے دیکھا، اور نہ کھل کھلا کر کہتے، نہ اُس میں زمانہ جاہلیت کا کوئی چلن دیکھا  
 اور نہ بچوں کے پیکھیل کو دہیں مشغول پایا۔

ان صاف، صریح، اور صحیح روایات کے بعد معاملہ کی اصل حقیقت پر نظر  
 ڈالئے اور پھر ابن کلبی کی بے جا عبارت، بیہن طرازی، اور لغویائی کو دیکھئے۔ پہلی  
 روایت جو ”روایت و درایت کے اعتبار سے محدثین اور باب سیر کے یہاں مستم ہے“  
 فردنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس صداقت کا اعلان کر رہی ہے کہ نبوت سے  
 پہلے چالیس سال کی پوری زندگی میں مشرک، صنم پرستی جیسی ملعون چیزوں کا اس  
 نفس ہستی نے ”جاہلیہ“ کے کسی معمولی سے معمولی عمل کو بھی اختیار نہیں کیا پانک زندگی



کے صرف دو لمحے ایسے گزرتے ہیں جس میں تقاضائے بشری تخریک کرنا ہے کہ شہر کی متمدن زندگی کے درمیان کسی عیش و طرب کی مجلس میں لطف اٹھائیں مگر رب کا کچھ اور ہی منظور ہے وہ نہیں چاہتا کہ جس کی زندگی دنیا کے لیے ہدایت و رحمت بنا جائے دالی ہے اس کا ایک لمحہ بھی تاریکی کے کسی گوشہ اور جہالت کے کسی نشوونہ سے روشناس ہو، آفتاب، ظلمت کا پرستار کیسے ہو جائے؟ نور، تاریکی سے کیونکر بدل جائے؟ اس نے حفاظت کی اور زندگی پاک کے ان دونوں لمحات میں یہ قدرت نے ایسا تھپک کر سلا دیا کہ سپیدہ صبح کی نمود سے پہلے آپ بیدار نہ ہو سکے۔

سیرت کی دوسری روایت جس کے راوی فاذاں نبوت کے سب سے بڑے رازدان حضرت علی رضی اللہ عنہ میں "تفصیح کرتی ہے کہ آپ نے متام عمر نہ کبھی بت پرستی کی، نہ شراب خواری۔ جو کہ اسلام کے اولین دور میں بھی مباح رہی ہے اور عروہ کے بعد جس کی حرمت نازل ہوئی ہے، کیا امور جاہلیہ سے اس وجود اور سلیم الفطرت مہستی کی نفرت و عداوت کا ثبوت اس سے اور زیادہ مطلوب ہے؟ باللعجب! ابن کلبی کہتا ہے کہ آپ نے عزی پر بھینٹ چڑھائی جب کہ آپ اپنی قوم کی ملت پر تھے (العیاذ باللہ)، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں نے ساری عمر میں کبھی بتوں کی بھینٹ کی قربانی کا گوشت نہیں کھایا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ آپ بت پرستی کے ان مراسم، نفرت سے دیکھتے اور نفخ دینا پاک سمجھتے تھے۔

اور کیا حضرت عروہ کی اس صحیح روایت (ع) کے بعد بھی "کہ آپ نے

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے کبھی لات وغری کی پریشانی نہیں کی۔ اور اسی طرح بحیرا رامب کے واقعہ (روایت ۵) میں اس تقریر کے بعد کہ لات وغری کا ذکر بھی میرے سامنے نہ کرو اس لیے کہ جس قدر ان دونوں سے مجھے بغض ہے کسی دوسری چیز سے اتنی نفرت نہیں ہے۔ ابن کلبی کی اس خوبیا کی پرکھ کی برابر بھی وقت ہو سکتی ہے؟ آپ کی مقدس زندگی اور کسی بت کے لئے بھینٹ؟ (عیاذ باللہ) آپ کے شرفِ صحبت کا سایہ بھی اگر کسی پر پڑ گیا ہے تو اس کی زندگی بھی قوم کی جالانہ و مشرکانہ رسوم سے مکسر پاک اور طاہر ہو گئی ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ (روایت ۷) سامنے ہے۔ ایک چھوٹا سا بیج شرک و توحید کے فرق سے نا آشنا، نذر و عبودیت کے مسائل سے ناواقف ”زید“ ایک بت کو دیکھتا اور آگے بڑھ کر صرف اس کو چھوٹا جانتا ہے، مگر رحمتِ عالمیان، سرورِ کون و مکان، (جو ابھی شرفِ رسالت سے مشرف نہیں ہوئے) اُس کو پیچھے ہٹا لیتے اور سختی سے ہدایت کرتے ہیں کہ کبھی کسی بت کو ہاتھ نہ لگانا۔

بچپن کی زندگی کا حال گھروالوں سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟ آپ کی بیوی ام امین سے دریافت کر دکھاؤ (روایت ۸) اس مقدس وجود کے شکنجے کے زمانہ کا حال کیا بیان کرتی ہیں خود نہیں گھروالوں کے اصرار پر، مرضی سے نہیں دل کی نفرت و ناگواری سے ایک میلے میں یزدگانِ خاندان کے ہمراہ ہیں۔ اہل خاندان ایک بت کے سامنے نیازِ مندانہ حاضر ہیں اور جانتے ہیں کہ آپ بھی ان کا ساتھ دیں۔ مگر ارادہ سے قبل ہی رب اکبر کا فرشتہ نمودار ہوتا ہے اور ذاتِ اسوۃ اللہ کو اس سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ یہ کون ہے؟ میرے باز رکھنے میں اس کو کیا دخل

ہے؟ مگر نظری استعداد، اور وہی سلامت قلب اس تنبیہ سے بیدار ہو جاتی ہے اور آپ اس جاہلانہ عید کی شرکت سے سختی کے ساتھ انکار کر دیتے اور واپس چلے آتے ہیں۔

اور پوچھو آپ کے بنی عم سے، دریافت کرو ابن عباس سے دروایت میں، وہ بیان فرماتے ہیں۔ بچپن کا عالم ہے زمزم کے قریب اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہیں سامنے ”اسات“ ہے مگر قلب منور، سینہ روحن، درج مطہر، ظلمت و تاریکی کے اس محبہ کی قربت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ نگاہ یک بیک کہہ کی جانب اٹھ جاتی ہے اور ہادی مطلق کا فرشتہ رحمت اوص کے کان میں کہتا ہے کہ تیرا وجود ظلمات کی ان گناستوں کو فنا کرنے آیا ہے اس لیے یہ جہانی قربت کیا آپ کچھ دیکھتے ہیں مگر ابھی جانتے نہیں۔ آپ کچھ سنتے ہیں مگر ابھی پہچانتے نہیں۔ مگر نوٹ! کمال نبوت، اور مستور زور رسالت، رہنمائی کرتے ہیں اور آپ فرما رہے جاتے، اور اپنے عزیزوں کے دریافت کرنے پر اصل حال سے مطلع فرماتے ہیں۔

اور کیا ابوطالب سے نہیں سنا کہ انھوں نے حضرت عباس سے کیا کہا؟ اور اپنے پیارے یتیم بھتیجے کے بچپن کے کمالات کا اظہار کن الفاظ میں کیا؟ ابوطالب کی زبان زندگی مبارک کے پاک حالات میں رطب اللسان ہے بیان کرنے میں اور خود ہی حیرت میں پڑ جاتے ہیں، تعجب کرتے ہیں، فخر کرتے ہیں اور خوش ہو کر ان الفاظ کے ساتھ اپنے بیان کو ختم کرتے ہیں، میں نے نہ تو کبھی اس کو جھوٹ بولنے دیکھا، نہ کبھی بے تحاشا ہنسنے دیکھا، نہ بچوں کی طرح کھیلتے دیکھا اور نہ جاہلیت کے کاموں میں سے کسی کام کو کرتے دیکھا، ابوطالب، چچا، میمونہ، لہو پی، ابن عباس

چچا زاد بھائی، فدیکہ، زودہ مطہرہ تو یہ فرمائیں کہ اس ذات قدسی صفات کی ساری زندگی میں  
بے سبزار، لہو و لعب سے متنفر، جاہلیت کے کاموں سے کبیر پاک گذری اور ابن کلبی  
بے سند، بے دلیل حجاب و بے باکی سے یہ کہے کہ آپ نے ”عزنی“ کی نذر ایک بکری  
کی تھی۔

یہ روایات اگرچہ صحیح ہیں، صاف اور صریح ہیں، روایت و عروایت کے  
اعتبار سے بے غل و غش ہیں اور ابن کلبی جیسے شخص کی بے سہرہ اور بے سند روایت  
کی تردید کے لئے کافی اور تسلی بخش ہیں مگر قبولیت و شہرت کے اس درجہ کو نہیں پہنچیں  
جو بخاری و مسلم کی روایات کو حاصل ہے تو کیا بھر بخاری ”جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ  
کا درجہ رکھتی ہے“ آپ کی قبل نبوت زندگی کی معصومیت، تقدس و طہارت شرک و  
جہالت کی آلودگیوں سے بے لوثی کے اثبات کے لئے خاموش ہے۔ نہیں ہرگز نہیں  
حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) راوی ہیں کہ جب قریش، کعبہ کی دوبارہ تعمیر میں مشغول تھے تو  
آپ کی نوعمری کا زمانہ تھا آپ بھی اپنے چچا عباس کے ہمراہ پیچھلانے میں مشغول تھے  
بزرگ اور شفیق چچا نے جاہلیت کے دستور کے مطابق نصیحت کی کہ تہ بزد کھول کر  
کاندھے پر رکھ لو تاکہ سیر کی رگڑ نہ لگے۔ سعادت مند بھتیجے نے تعمیل کی ہی تھی کہ  
فطرتِ سلیم پر چوٹ لگی اور بے ستری نے آپ کو بیہوش کر دیا آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ  
ہوئی خدا سے برتر کی تنبیہ کا نظارہ کر ہی نہیں ہوئے فوراً تہ بند مانگا اور ستر ڈھانک  
لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد کعبہ جاہلیت کی یہ رسم آپ نے اختیار نہ کی۔

جس زمین میں عریاں ہو جانا کوئی اہم بات نہ ہو، دقت کی سوسائٹی میں معیوب  
نہ ہو شرافت و سجاوٹ جس کو عار نہ سمجھتی ہو، امیس و غریب، سب ہی اس میں مبتلا

ہوں یہ کیا قدرت کی گرفتہ سازی ہے کہ سارے عرب میں، عرب کے بہترین خاندان قریش میں، قریش کے سرداروں اور امیروں میں جو چیز صبح سے شام اور شام سے صبح تک روزمرہ کی زندگی کا معمولی واقعہ بن گئی ہو۔ عبدالمطلب اور عبد اللہ کے مدتیتم "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی نفرت کی چیز بن جائے کہ فطرتِ سلیم اس کو برداشت نہ کر سکی اور جادو حجاب کی لڑائیت نے اس قدر مضطرب و بفرار کر دیا کہ بیہوش ہو گئے۔ تو کیا جس ہستی کے لئے قدرت نے "آینو اے عظیم الشان منصب کی خاطر" یہ بھی گواہ بنا دیا کہ وہ جاہلیہ کی اس معمولی رسم کو بھی جو بیعتِ جا کے خلاف اور غیرت کے خلاف ہے کسی ذی ہوش کو یہ باور ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ قدرت نے اس کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا "غریبا" بد مذہبیں چڑھائے اور ملتِ قوم کا ساتھ دیکر مشرکانہ رسوم ادا کرے۔

بَشْعَانَاكَ هَذَا اَهْتَمُّنَا عَظِيمٌ

بہر حال ان ہی صبح و رات کی بنا پر مسلمانوں کا یہ سلسلہ عقیدہ ہے کہ نبی "رسول" اور پیغمبر زمانہ نبوت سے پہلے بھی مشرک کی تمام آلودگیوں اور جاہلیہ کی رسوم سے اسی طرح معصوم، پاک اور مطہر ہوتا ہے جس طرح نبوت و رسالت سے سفوراز کے بعد معصوم سمجھا جاتا ہے اس لئے تمام جلیل القدر مفسرین آیت وَرَجَعْنَا آلَكَ فَقَدْنِي (ادبِ باقیم کو غافل پس واپس دی) کے تحت میں تصحیح کرتے ہیں۔ اس شخص کی بات کسی طرح قابلِ قوم نہیں جو یہ کہتا ہے کہ اسلام سے

قبل (رسول اللہ) صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی ملت و مشرک، برکافرن تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی راہ دکھائی "اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا کئے ہی سے فوجید پر قائم

رہتے ہیں اور اس بارے میں ثبوت سے قبل اور بعد کے درمیان مطبق کوئی فرق نہیں ہے اور باریب و شک تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نبوت سے قبل اللہ کی توحید اور صفات کے صحیح علم سے واقف اور نادانیت سے معصوم ہوتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قریش کہتے ہیں کہ آپ پر عیب رائے اور تمہیں لگانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور قوم غلط مانگنے اور اتہامات سے باز نہ رہی ہو وہ اگر یہ دیکھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے ایک عرصہ تک اُن ہی کے دین پر رہے اور اُن ہی کی طرح مشرکانہ رسوم انجام دیتے رہے یا کبھی ایک مرتبہ بھی آپ کو اس قسم کے کسی عمل میں مبتلا باتے تو ناممکن تھا کہ وہ دعوت نبوت کے زمانہ میں عیب گوئی اور نکتہ چینی نہ کرتے اور الزام نہ دیتے کہ یہ یہی بات ہیں جس کے سامنے ایک زبیکہ تم نے بھی سر نیاز جھکایا اور ان پر چڑھا دے چڑھائے ہیں۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ قریش کے تمام اتہامات اور الزامات کا دفتر اس الزام سے خالی ہے اور وہ کہتے کہہ سکتے تھے جبکہ وہ جانتے اور یقین رکھتے تھے کہ اس ہستی نے تمام عمر کسی ان مشرکانہ رسوم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور کبھی ان کو اختیار نہیں کیا۔

اور زبیکہ مشہور کہتا ہے جس شخص نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جا لیں سال تک اپنی قوم کے طریقہ پر رہے اگر اس کہنے سے اس کا یہ مطلب ہے کہ اس مدت میں وہی الہی کا کوئی متعلق آپ سے نہیں ہوا تو صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ آپ اپنی قوم کے مذہب (شرک) پر تھے تو پناہ بخدا یہ بہتان ہے اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نبوت سے پہلے اور بعد چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے گمراہوں کی آلائش سے پاک اور معصوم ہونا اذیس ضروری ہے جب جائیکہ وہ کفر یا اللہ کی توحید اور اُس کی خالقیت و

کائنات کے عہدہ سے بے بہرہ ہوں یا اس کے خلاف شرک میں مبتلا ہوں۔

شاید تم کہو کہ پھر ”وحدک ضلالت“ کے معنی کیا ہیں۔ اس کے متعلق مفسرین نے انت عربی، محاورہ عرب، اختال عرب، اور روایات و روایات صحیحہ کی روشنی میں بہت کافی بحث کی ہے جس کے لئے خازن، روح المعانی، ابن کثیر، بحر محیط، کبیر، اور المنار وغیرہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ مگر علم تفسیر کے سب سے بڑے اصول ”یعنی القرآن یفسر بعقۃ بعضا“ قرآن خود اپنی ایک آیت کی دوسری آیت کے ذریعہ تفسیر کر دیتا ہے۔ کے مطابق ہمارے لیے سب سے بہتر اور نشانی جواب یہ ہے کہ اس آیت کے صاف اور سادہ معنی وہی ہیں جو قرآن عزیز کی اس آیت ”وما کنتم تدروی ما اکتساب ولا ایمان“ اور تو درمیر فزای نبوت سے پہلے نہیں جانتا تھا کہ خدا کی کتاب (قرآن) اور وحی کے ذریعہ بتایا ہوا اعلان کیا ہے میں آپ کی قبل از نبوت زندگی کا حال بیان کیا ہے یعنی عیاذ باللہ آپ کی گم کردہ راہی یہ نہ تھی کہ آپ مشرکین مکہ کے مذہب و ملت پر مشرک اندر سوم میں مبتلا تھے۔ بلکہ تمام زندگی کے تقاضا و طہارت، شرک سے نفرت، استغراق محبت الہی، غار حرا میں خلوت کی شہائے عبادت کے باوجود خدا کی بخشی ہوئی کتاب ”قرآن“ اور وحی کے ذریعہ اس کے بتائے ہوئے عقائد ایمان کے بغیر آپ گم کردہ راہ اور منحیر تھے اور جب اس نے یہ دونوں چیزیں آپ کو بخش دیں تو پھر آپ ہدایت کے وہ معنی پا گئے جو بغیر وہ بہت ربانی اور عطیہ الہی کے کسی کے حصے میں نہیں آتی۔ وان کنتم من قبلہ لمن الظالمین، اللہ اعلم حیت یجعل من سائلہ، ذلک بفضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

### تقصی

یہاں بابت فردی میں جناب سہل شاہجہاں پوری کی ایک نظم پیغمبر اسلام کی زندگی کا نشانہ

ہوئی تھی نظم کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔ اسے کہہ راز مشیت ہے نظر میں تیری

# ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی

(۲)

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شاہی اکبر آبادی)

لیکن بادشاہ سلامت جہاں ہندوستان کے حکام اعلیٰ سے اپنی شکایات کو  
کرنے اور اپنے دعوے کو منوانے کی آفری کو شش کر رہے تھے وہاں انھوں نے  
یہ طے کر لیا تھا کہ اگر یہاں کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں تو وہ انگلستان کے حکام  
اعلیٰ تک اپنے معاملات کو فیصلہ کے لئے پہنچائیں گے۔ جب مندرجہ بالا مراسلہ حکومت  
کی طرف سے ان کو موصول ہوا تو اس کے بعد ہی بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ گورنر جنرل  
عنقریب انگلستان کے سفر پر روانہ ہونے والے ہیں۔

چنانچہ شہنشاہ نے اُن کو خط لکھا جس میں درخواست کی کہ ہمارے معاملات کو  
بوجہ احسن آپ طے کریں اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو آپ انگلستان کے امیران ہالاک  
خدمت میں شاہی مطالبات اور واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کی دھمکت گوارا  
فرمائیں گے بادشاہ اس خدمت پر راجہ رام موہن رائے کو مامور کرنے کا ارادہ رکھتے  
تھے

بالآخر جب گورنمنٹ کا فیصلہ موصول ہو گیا تو بادشاہ نے راجہ رام موہن کو یہ  
اہم خدمت سپرد کی کہ وہ انگلستان جا کر شہنشاہ کے مطالبات کے متعلق ان کی



دکالت کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ رام موہن رائے پہنچے ہی سے اس خدمت کے لئے تیار کوئے گئے تھے۔

مارچ سنہ ۱۸۵۷ء کی ابتدا میں راجہ رام موہن رائے کو شاہی دربار سے تقرر کی سند عطا ہوئی ان کو یہ حکم دیا گیا کہ ایک عہدداشت شہنشاہ کی طرف سے فارسی اور انگریزی میں تیار کریں۔ جب یہ عہدداشت تیار ہو گئی تو بطور پیشگی ان کو دلاست بھیج دیا اس موقع پر دربار شاہی سے رام موہن رائے کو راجہ کا خطاب ملا اور گورنمنٹ سے منظوری کے لئے کہا گیا۔

لیکن گورنمنٹ نے ان کی تقرری اور خطاب دونوں کی منظوری سے انکار کر دیا اپنے مراسلہ میں ریڈنٹ دہلی کو گورنمنٹ نے ہدایت کی کہ وہ بادشاہ کو مطلع کر دے کہ گورنمنٹ اس عہدداشت کو یہ نظر حیرت و استعجاب دیکھتی ہے جس میں قبول اس کے کسب کے خلاف شہسی معاہدوں کی خلاف ورزی کے انتہائی سخت اور بے اسل الزامات عاید کئے گئے ہیں بادشاہ کے دلالت کو سفیر بھیجے پر گورنمنٹ سخت چراغ بھائی کہ چونکہ ان کی نظر میں یہ عمل غیر معمولی تھا لیکن سر نے دانشمندانہ طرز اختیار کیا اور ریڈنٹ کو یہ ہدایت کی کہ وہ بادشاہ کو مطلع کرے کہ اسے اس طرز عمل کا پورا اختیار ہے۔

پھر گورنمنٹ کو بے چینی تھی اور بادشاہ سے یہ یقین چاہنی تھی کہ آباراجہ رام موہن رائے کو بادشاہ نے حقیقتاً اپنا سفیر بنایا ہے جب ریڈنٹ نے بادشاہ کو اس سے استفسار کیا تو انہوں نے اسے یقین دلادیا کہ درحقیقت انہوں نے رام موہن کو سفیر مقرر کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے انسو میں ہے کہ جو عہدداشت شاہی جاہ و مرمت کے حسب حال تھی گورنمنٹ کی نظر میں قابل اعتراض تھی۔ بادشاہ سلامت نے مقرر کیا کہ

ہماری پہلی درخواستیں دناتوقتا منظور کی گئیں اور وظیفہ میں بھی قدرے اضافہ ہو گیا لیکن  
ہمارے اہل خاندان اور ان کے متوسلین کی ضروریات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے  
یہی وجہ تھی کہ لارڈ امرہسٹ کو جو معروضات بھیجی گئی تھیں اور جب ان معروضات کا دورہ لوگ  
جواب مل گیا تو عالم مایوسی میں ہم اس اپیل پر مجبور ہوئے شہنشاہ کی عرضداشت میں  
ادلین مطالبہ وظیفہ میں اضافہ تھا۔

فصل میں شاہ عالم اور گورنمنٹ کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کا وادہ دہی  
ہوئے بادشاہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس کی پہلی دفعہ کی رور سے عطا کئے گئے مال کی آمدنی کی کل  
رقم ان کو ملنا چاہئے جو تقریباً تیس لاکھ تھی اور اس کے متعلق جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سر  
بارنس ٹسکاف نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ وہی رقم ہے جو گورنمنٹ نے طے کی تھی  
اس میں گورنمنٹ کے کل اخراجات مع فوج شامل تھے۔ ٹسکاف نے یہ بھی کہا تھا کہ  
گورنمنٹ کا معاہدہ کرنے والے فریقین کی ذمہ دہائی کے عین موافق تھا اور اس معاہدہ  
کی عدم تکمیل معاہدہ کی اہم شرائط سے روگردانی کی مین مثال ہے۔

گورنر جنرل لارڈ امرہسٹ نے پشیر کے ایک مراسلہ میں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ابتدائے  
گورنمنٹ کا یہ مشا تھا کہ بادشاہ اور شاہی خاندان کی کفالت کے لئے چند مخصوص مال دیا  
جس کے غریب میں مقرر کردئے جائیں لیکن اس تجویز پر عمل نہ کیا جاسکا درحقیقت یہ بہانہ غلط  
تھا۔ بادشاہ نے اس امر پر زور دیا تھا کہ جب موعودہ محالوں کی آمدنی شاہی وظیفہ کی کم سے  
کم رقم سے زیادہ ثابت نہ ہوئی تو معاہدہ بالائی دوسری دفعہ کی مدد سے مستعدیان تعینات  
کئے گئے کہ وہ بادشاہ کے مرحوم باپ کے حضور میں حاصل امداد اخراجات کی رپورٹ پیش  
کریں لیکن جب یہ حاصل اصل رقم سے زیادہ ہو جاتے تھے تو گورنمنٹ اس بشرط پر

بمطابق طرح عمل کرنا ناموزوں سمجھتی تھی۔ اور متصدیوں کو ان محالوں سے ہٹا دیتی تھی علاوہ  
 ازیں کمپنی کے متعدد قوانین متعلقہ مفتوحہ و محروسہ علاقہ جات میں بادشاہ کی حقیقت کا منکر  
 ان محالوں کے محاصل کے متعلق واضح طور پر موجود تھا اس میں یہ واضح ہو جاتا ہے  
 کہ یہ روپیہ مسلسل کئی سال سے تنہا گورنمنٹ کا یہ دعویٰ تھا کہ لارڈ مٹون نے مفتوحہ میں  
 جو فیصلہ کیا تھا اس کے بعد گورنمنٹ کے مابین ارادوں کی تینسج ہو جاتی ہے لیکن  
 بادشاہ کی یہ دلیل تھی کہ یہ فیصلہ خود ہی ضمنی ہونے کے اعتبار سے بے اثر ہے اس  
 کے علاوہ شاہی وظیفہ میں اضافہ کا دعویٰ محض انشاء ہے۔ معاہدہ کی دوسری دفعات  
 کی خلاف ورزی کا بھی حوالہ دیا گیا۔

المختصر بادشاہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اس محال سے کل محاصل کا مستحق میں ہوں  
 جو ابتدائے شاہی خاندان کی کفالت کے لئے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اور جس پر آئین  
 کمپنی نے اس کے جائز مالک سے نکال کر خود قبضہ کر لیا ہے۔ شاہی خاندان کو جن  
 رقوم سے محروم کر دیا گیا ان کو واپس کر دیا جائے اور ہم بادشاہ انگلستان سے اس  
 بات کی ضمانت جانتے ہیں کہ اس معاہدہ کی آئندہ سختی کے ساتھ پابندی کی جائے  
 جس کی بنا پر شاہی وظیفہ کی اول رقم مقرر کر دی گئی ہے اور جس کی رو سے جہاں کے مغربی  
 محال کے کل محاصل شاہی خاندان کے حصہ میں آتے ہیں بشرطیکہ یہ محاصل مقررہ اقل رقم  
 سے زائد ہوں۔ نیز مجمع رقم معلوم کرنے کے ذرائع کا فیصلہ ہمارا حق ہے

یہ بات اسانی طبیعت کے اندر داخل ہے کہ ایک فریق پر حملہ تکالیف عاید  
 کئے جائیں اور دوسرے فریق کو اس کی فراہمیوں کا منہ دیا جائے لہذا ہم اس کے  
 لئے تیار ہیں کہ ہمارے حقوق کا فیصلہ کر دیا جائے تاکہ علاقہ متعلقہ کا انتظام ہمارے

ذمہ ہو۔ یا بالعموم ہم کو ایک رقم ماہانہ ملے۔ موزوں صورت میں محال کی کل آمدنی کو معیار قرار دیا جائے۔ اگر وہ تیس لاکھ سے کم نہ ہو تو ہم معاہدہ کی دفعات کی رو سے اپنے جملہ مطالبات کو تیس لاکھ سالانہ کی مقرر کردہ رقم کے بدلے نظر انداز کر دیں گے۔ ان باتوں کے علاوہ بادشاہ نے اس کا بھی یقین دلایا کہ حکام کے دل میں اگر یہ خدشہ ہو کہ شاید ہم کسی معاوضہ مقصد کے لئے روپیہ جمع کر رہے ہیں تو اس کے دفعیہ کے لیے ہم مقررہ رقم خزانہ شاہی میں رکھیں گے۔

بادشاہ کی دوسری شکایت مراسلات کے القاب میں تبدیلی کے متعلق تھی۔ بادشاہ کی شکایات بالا کا ٹھکومت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شکایات متعلقہ ذلیفہ شاہی کے جواب میں انھوں نے سرچارلس ٹکٹن کے متذکرہ بالا خیالات کا صرف والد دنیا ہی کافی سمجھا نئے آداب و القاب کو اختیار کرنے کی وجہ گورنمنٹ نے یہ بتائی کہ لارڈ ہسٹنگز کے عہد میں گورنمنٹ کی مہر میں گورنر جنرل کا لقب حلقہ بگوش شہنشاہ دہلی تھا جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ گورنمنٹ بہ حیثیت رعایا اپنے آقا کو خطاب کرتی ہے اس لئے ایک نئی مہر کندہ کی گئی جس میں سے حلقہ بگوش کا لفظ اڑوا گیا اور مراسلات بذکرہ دے گئے کیونکہ مارکیوس آف ہسٹنگز نے بادشاہ سے اس کے ادب مباحثہ کی بجائے مراسلات کا بذکرہ دنیا ہی بہتر سمجھا تاکہ بادشاہ سے مزید تنگی کی فوج نہ آئے۔

معاہدہ ۱۸۵۷ء تک اسی حالت میں رہے جب کہ لارڈ امرہسٹ کو ازمرنون کو تازہ کرنے کا موقع ملا۔ یہ تو ہم پہلے دیکھ ہی چکے ہیں کہ بادشاہ نے مراسلات بذکرہ کو اپنی توہین سمجھا تھا اس لئے لارڈ امرہسٹ بادشاہ کے اس خیال کو دور کرنے کے موقع کے منتظر تھے جب گورنر جنرل نے مغربی صوبہ جات کا دورہ کیا تو بادشاہ اس

ان سے ملنے کے خواہشمند تھے۔ چنانچہ ملاقات ہوئی۔ لارڈ امرہسٹ کو یقین تھا اس ملاقات کو جو حیثیت دی گئی ہے وہ بادشاہ کے ساتھ قطع مراسلت کی تجدید کا ہی موقع ہے لیکن ان کس باتوں کے بعد گورنمنٹ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ شہنشاہ کی شکایات ہی جزو اعظم قرار دیا گیا تھا گورنمنٹ نے اپنا فیصلہ ریڈیڈنٹ کے ذریعہ بادشاہ کو بھیجا جس میں یہ معلوم کیا گیا تھا کہ بادشاہ سلامت نے کس بنا پر اس کو ترمین قرار دیا ہے۔

بادشاہ نے وجوہ بتائے اور کہا کہ ہویابی کے آداب شاہی میں فریم ہم اس خوف سے منظور کر لی ہے۔ کہ مبادا بڑے نتائج رونما ہوں۔ جیسا کہ لارڈ امرہسٹ کے ساتھ پیش آئے تھے۔

بادشاہ کو یہ بھی امید تھی کہ لارڈ امرہسٹ کی خواہشات کو پورا کرنے کے سوا کسی امیدیں برائیں گی۔ اس معاملہ میں ان کو سخت مایوسی ہوئی تھی۔

راجہ رام موہن رائے کے انگلستان کے سفر پر مختلف گوشوں سے افقہ کی بوجھاڑ ہونے لگی تھی اخبارات جان ملی نے ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا گیا کہ دستاویزات وہ انگلستان لے جا رہے ہیں سرکاری دفاتر سے رشوت دے کر دے کی گئی ہیں۔ جب راجہ رام موہن رائے کے علم میں آیا تو انھوں نے بھی گورنمنٹ سے احتجاج کیا اور اس معاملہ پر تحقیقات کا مطالبہ کیا اور انھوں نے یہ جتلا دیا کہ رشوت معاملہ بالکل بے بنیاد ہے۔ دہلی کے ریڈیڈنٹ کو گورنمنٹ نے تحقیقات کے اہم محکمہ کی رپورٹ میں ریڈیڈنٹ راجہ رام موہن رائے پر کچھ ثابت نہ کر سکا اور اس راجہ رام موہن کا کردار اور بلند ہو گیا گورنمنٹ نے عدالت ڈائرکٹری میں اپنی رپورٹ بھیجی۔

چند روز کے بعد شاہی کے دلاہند نے اپنے بھائی سلیم اور اپنے دربار کے چند  
 اہل اس کے خلاف سازش کی شکایت کی جس میں رام موہن رائے کا بھی نام تھا۔ شہزادہ  
گورنمنٹ کو لکھا کہ افضل بیگ نے ملکہ پہنچتے ہی اپنی بد طبعی کا ثبوت پیش کیا اور  
بنگالی راجہ رام موہن رائے سے اپنی پٹلیں بڑھاتی شروع کر دیں اس نے شہنشاہ  
لار بھیجی کہ راجہ رام موہن رائے۔ دبیر الدولہ۔ خواجہ فرید الدین خاں مرحوم کا دوست  
 حقیقت یہ ہے کہ دبیر الدولہ کی حیات میں نے کبھی رام موہن رائے کا نام نہیں  
 در نہ ان عرضیوں میں اس کا کبھی کوئی ذکر آیا جو دبیر الدولہ نے شہنشاہ کی خدمت  
 گزارا۔ اس لئے افضل بیگ نے جو خط دبیر الدولہ کی طرف سے منسوب  
 یہ خط دراصل جعلی تھا۔ یہ جیسا زی مرزا سلیم کے علم سے سوہن لعل۔ افضل بیگ  
ام موہن نے کی ہے۔ شہزادہ کے دل میں ان شبہات کا پیدا ہونا محل کے سازشی  
 اس سے کچھ بعید نہ تھا۔ لیکن راجہ رام موہن کے متعلق شاہزادہ کے شبہات محض فرضی تھے  
 ثابت بعد کے واقعات سے مل گیا۔ اس اثنا میں راجہ رام موہن رائے کو اس  
لار مل گئی اور انہوں نے ایک خود ارادہ خط شاہزادہ کو لکھا جس میں انہوں نے  
 بے بنیاد الزام پر حادثہ کی۔ شاہزادہ کو راجہ رام موہن رائے کا یہ غیر متوقع طرز  
 عنت ناگوار گزارا اور انہوں نے گورنمنٹ سے شکایت کی۔

بہر حال اپنے کردار کی صفائی کے بعد راجہ رام موہن رائے جہاز ”البنی“  
 اور میر علی کو انگلستان روانہ ہوئے۔ لارڈ ولیم بیٹنگ کو اپنے الوداعی خط  
 انہوں نے لکھا۔

”میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گذشتہ سبکدوشی سٹرا سٹرنگ کی جھٹی مورخہ

۱۵ جنوری ۱۹۳۲ء اور دیگر وجوہ کی بنا پر میں عدالت ڈائرکٹر ان کے سامنے بحیثیت شہنشاہ اکبر ثانی کے سفیر کے نہیں جاؤں گا بلکہ ایک نجی حیثیت سے میں مطمئن ہوں کہ اپنی ذات کو اس خصوصی نوعیت سے علیحدہ رکھ کر جہاں پناہ کی خدمت میں جاؤں گا اپنی ذات کے جو جذبات میں لے کر جا رہا ہوں اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی یہی نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ میری خدمات کو جن سیاسی شکوک اور رہنماؤں کا خطرہ لاحق ہوتا ہے میں ان سے بری ہوں اور اس طرح کامیابی کا امکان اور قوی ہو جائے گا۔

۱۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو راجہ رام موہن رائے نے انگلستان کے ساحل پر قدم رکھا ان کی موجودگی سے انگلستان کے بلند خیال لوگوں کے دلوں میں ایک سسنی سی دورگی بیان کیا جاتا ہے کہ وزراء سلطنت نے شہنشاہ کے سفیر کی حیثیت سے ان کا استقبال

کیا عدالت ڈائرکٹر ان کے ارکان نے راجہ رام موہن رائے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی بڑی تواضع کی راجہ رام موہن نے اپنی عرضداشت کو ڈائرکٹر ان اور بورڈ آف کنٹرول دونوں کی خدمت میں پیش کیا۔ کچھ عرصہ تک گفت و شنید ہوتی رہی چونکہ اس باب حل و عقد دوسرے امور میں منہمک تھے اس لئے عرصہ تک اس معاملہ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کورٹ آف ڈائرکٹر ان کا فیصلہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ۱۳ فروری ۱۹۳۳ء کو بھیجا گیا۔ شہنشاہ دہلی کا ذلیف بڑھانے پر غور و خوض کے بعد کورٹ نے لکھا

ہماری یہ ہرگز نیت نہیں کہ ہم ان مختلف نکات کو زیر بحث لائیں جو اس مسئلہ کی تحریک کے سلسلہ میں پیدا ہوئے ہیں اور ایک حق بجانب اور اطمینان بخش فیصلہ کے راہ میں حائل ہیں اور انھوں نے ۳ لاکھ روپیہ سالانہ کے اضافہ کو اس شرط پر منظور کر لیا کہ شہنشاہ دہلی کے ہر قسم کے دعویٰ اس کے بعد ختم ہو جائیں۔ اس اضافہ کی تفصیل

کا طریقہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا لیکن دوسرا مسئلہ بادشاہ کے آداب و اقدار سے متعلق تھا اس پر کورٹ نے بالکل سکوت اختیار کیا۔

بھر کیف کورٹ کے فیصلہ کی اطلاع گورنر جنرل کے ایجنٹ متعینہ دہلی کو فوڈ بیج دی گئی تاکہ وہ بادشاہ کو مطلع کر دیں اگر وہ اس فیصلہ کو منظور کر لیں تو اپنی منظوری کے سلسلے میں ایک راضی نامہ لکھ دیں۔ ایجنٹ کو یہ ہدایت کی گئی کہ افسانہ کی رقم کو خاندان شاہی کے اراکین کے درمیان تقسیم کرنے کی مناسب تجویز اور طریقوں کے متعلق اپنی رائے اور ارکان شاہی کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا گیا۔

کورٹ کا فیصلہ اکبر شاہ ثانی کو پسند نہ آیا انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کو راجہ رام موہن رائے کے بیانات کا انتظار تھا جس کی کونسل کا نتیجہ اس فیصلے سے مختلف ہونے کی امید تھی۔ مگر گورنمنٹ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بادشاہ سلامت افسانہ سے انکار کر رہے ہیں اور اس لئے یہ اطلاع کورٹ کو بھیج دی گئی اسی اثنا میں بادشاہ کو راجہ رام موہن رائے کا مراسلہ ملا جس میں بادشاہ کو رائے دی گئی تھی کہ وہ جو کچھ ان کو دیا گیا ہے نا منظور کر دیں۔ کورٹ کے فیصلے سے راجہ مطمئن نہ تھے۔

راجہ پارلمینٹ کے سامنے اس مسئلہ کو رکھنا چاہتے تھے اور گمان تھا کہ وہ انصاف کو بروئے کار لے آئیں گے مگر راجہ خود موت کے دستِ ظلم کا شکار ہوا بادشاہ کی ساری مساعی پر یک لخت پانی بھر گیا۔

اب امیدوں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور فریغ و آواز قلعہ کر رہے تھے۔ مجبوراً چارونا چار بادشاہ نے کورٹ کے فیصلہ کے آگے تسلیمِ حم کر دیا ریڈیٹ



کو مزید ہدایت کی کہ بادشاہ کی منظوری فیاضانہ عطیہ کی غیر مشروط طور پر حاصل کر کے انگلستان بھیج دی جائے۔

بادشاہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اٹھارہ اس وقت سے دیا جائے جبکہ گورنمنٹ کی پہلی اطلاع موصول ہوئی تھی مگر جواب ملا کہ جنیر کورٹ کے حکم کے قیام نہیں کی جا سکتی شہنشاہ کی منظوری موصول ہوئی گورٹ آف ڈائرکٹران کو اس کی اطلاع دیدی گئی اور اس کے احکام کا انتظار ہونے لگا اسی دوران میں بادشاہ کی غیر مشروط منظوری اور تحریری راضی نامہ کے بعد ان سے ایک فہرست خاندان شاہی کی طلب کی گئی جن کے لئے یہ اضافہ منظور کیا گیا تھا مگر نطفہ یہ کہ وہ بھی مسترد کر دی گئی البتہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے اپنی طرف سے ایک فہرست بھیجی جس میں بادشاہ اور ان کے شاہزادگان اور بیگمات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا یہ صورت بادشاہ سلامت کے نزدیک انتہائی نامنصفانہ تھی۔

ذبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ نے اضافہ لینے سے قطعاً انکار کر دیا اور راضی نامہ کی دالسی چاہی اس سے پہلے بادشاہ نے گورنمنٹ کو اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے ایک مراسلہ لکھا تھا لیکن بے سود معاملہ جہاں تھا وہیں رہا۔

وفات | عید ۲۸ جمادی الاول ۱۲۵۳ھ کو عمر ۸۴ سال لال قلعہ میں انتقال کیا۔

ان کے باپ کی طرح ان کی وفات پر بھی قیونوں پر سیدہ نسیموں سے ان کے اعزاز میں ۸۲ فریقہ توپیں سر کی گئیں۔

اکبر شاہ کے عہد کے انگریزی عہدہ دار | ناظم الدولہ سمن صاحب بہادر ہر سال امرائے دہلی کی

لے دیا چہادر ام موہن رائے مترجم مولوی سراج الحق ایم۔ اے۔ - ہیگ (مصنف)

دھوت بڑے پیمانہ پر کرتے اس کے بعد محفل رقص و سرود بپا ہوتی کسی نے اس کے  
وصف میں کہا ہے

ناظم الدولہ در لباس سیاہ      نظرے کن و دیں چہ مارکیست  
بہر خلق است او جو آب حیات      آب حیاں و دن تارکیست  
جنرل اختر لوی کا بڑا دور دور تھا پاکی پر مکتے تھے آگے فقیب بالفاظ  
دولت زیادہ نواب نامدار سلامت بلند آواز کے ساتھ ہوتا جس جگہ اُترے تھے  
صدائے دولت شاد دشمن بائمال کی ہوتی تھی۔

## مرشد اکبر شاہ ثانی

سیتا موہنا مخر الدین سے اکبر شاہ ثانی سیت تھے

شجرۃ الانوار میں لکھا ہے

” حضرت نعل سجائی محمد اکبر شاہ ..... باعقاد تمام مریدان

فرزند رشید حضرت فخر صاحب گشتند بعضے فرزندان و متعلقان خود را منیر  
مرید کہنا نیند ”

حضرت اکبر شاہ ثانی میں جہاں عشرت لازمی تھی وہاں سخاوت بے حد اور غریا پرور  
کرتے تھے۔ بڑھاپے میں لینے دینے زیادہ تھے ایک دن حضرت سلطان جی کی فاتحہ  
خوانی کو گئے تھے۔ وہاں پر سوار درگاہ میں پہنچے ایک درویش صورت شخص نظر  
پڑا اس نے بادشاہ سلامت کو دیکھتے ہی السلام علیکم کہا بخندہ پیشانی سلام کا جواب  
دیا اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا انھوں نے بھی ہاتھ بڑھایا اتنے میں تخت  
رداں غنٹی کو چم میں داخل ہوا ہر ای آگے پیچھے ہو گئے درویش نا شخص لپٹا ہوا ہاتھ

میں اتھ لئے ہوئے چنار ہا اور انگشتری ہیرے کی آٹارنے کی کوشش کی بدلتا  
نے ہاتھ ڈھیرا کر دیا مگر جنگلی میں سے انگشتری آڑی نہیں بلکہ جنگلی میں سے ہونے لگا  
ہاتھ کھینچ لیا مزار پر حاضری دیکر فاختہ خوالی کے بعد قلعہ لوٹ آئے ناظر کو حکم دیا ایک  
ہزار روپیہ لے کر حضرت سلطان جی فرآ جاؤ اس فسل و صورت کا درویش لے گا  
اس کو میری جانب سے نذر کرنا ناظر حسب الحکم گیا وہ شخص رخصت ہو چکا تھا داپس  
اگر بادشاہ سلامت سے عرض کیا درویش کا پتہ نہ لگا بادشاہ نے کہا افسوس اس  
کی قسمت میں نہ دس ہزار کی انگشتری تھی ادھ نہ ایک ہزار روپیہ جنگلی پر ورم آگیا تھا  
تین چار روز اس کی تکلیف آٹھائی

مذہبی حالت اکبر شاہ نانی کے زمانہ میں کامل طور سے اکثر شعائر اسلامی ختم ہو گئے تھے  
مسترحانہ رسوم اور بدعات ساری چاری تھیں۔

نکاح کا طریقہ شرعی ختم ہو چکا تھا شاہ علم کے عہد سے قلعہ میں جتنے نکاح ہونے  
تھے نہ وہاں قاضی کی ضرورت نہ نکاح خوان کی اور نہ کسی وکیل کی نہ ایجاب و قبول  
کی ص میں ڈال لینے کا نام ہی نکاح تھا

اسلامی سنت خٹان کو یک ظلم اتحاد لگایا تھا تاکہ غیر منسبت کا خیال تک نہ  
آنے پائے۔

راج کمار یاں قبوری قلعہ میں آنے کے بعد اپنے دھرم کے مطابق پوجا پاٹ  
کرتی تھیں۔ ٹھاکر جی کو جل بھول چڑھائی تھیں ٹک لگاتی تھیں پھر پڑھنا کرتی تھیں  
کی پوجا کا رواج انھیں راجپوتوں کے طہن سے آیا۔ اکبر شاہ نانی کی بیوی سلطان بی بی جن کے

مے تلخ المعانی کے تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۲ تک اراستے مہند صفحہ ۵۰

ہن سے اہل طغر نے ان کی کار فرمائیاں کیا کچھ کم - تھیں۔

قلعہ میں قرآن شریف کے بجائے دیون حافظ کی عادت ہوئی تھی اس کی غزلیں اٹی جاتی تھیں اس کے اشعار پر حال آتا۔ سارے قلعہ میں سورہ تسوین کا نام تناؤزی سورہ رکھا گیا تھا کوئی نام نہیں لیتا تھا۔

ہر بیگم کا مکروہ طبعہ و سارنگی و بنتِ غنیمت کا گہوارہ تھا لطف یہ ہے کہ جو قلعے میں گیا شہزادیوں اور شہزادوں کو مرے میں داخل ہو گیا ماما سلیم یہاں تک کہ کیاں بھی چڑ روز کے بعد شہزادیاں بن جا کر تیں اس سے بڑھ کر یہ لطیف تھا کہ شہزادہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جمع ہوتے اور رنگ برنگ کے ڈنڈے آپس میں لڑا یا کرتے تھے تہ شاہ عالم کے عہد سے تفریح داری کا زور تھا مرثیوں کے تغلب و استیلا سے شرکاء رسوم بہت جاری و ساری تھیں

بادشاہ اودان کے اہل خاندان میں مذہب سے اتنا لگاؤ نہ رہ گیا تھا سالانہ جامع مسجد کے تبرکات اکبر شاہ ثانی کے لئے قلعہ بجائے جاتے انھیں آنکھوں سے لگایا جاتا اور خدام کو انعام و اکرام مل جاتا۔

شاہ محمد اسماعیل شہید شاہ عبدالغنی کے صاحبزادہ اور حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے اپنے باپ اور چچا سے کم عمری میں فارغ التحصیل ہوئے ہر ایک علم و فن کا دانشور آفتاب و مہتاب تھا۔ قوم کی حالت گہری ہوئی دیکھی اصلاح کا ارادہ کیا۔ پہلی مہم بدعات و محدثات کے خلاف تھی اور آپ نے حقیقی اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا اور مسلمانوں کی ناگفتہ بہ طرز معاشرت کی وجہاں اڑائیں اور اربابِ دہلی کے ادب اشرافہ طریقوں کو آشکار کیا

۱۰ جلی صفحہ ۹۰ تہ تذکرہ عالم ۲۵۴ و ۲۶۰ تہ ایضاً

عوام و عوام علماء مگر بیٹھے گر شاہ صاحب کی عملی زندگی نے ان کے لیے کامیابی کا راستہ کھول دیا۔ سکھوں کی چیرہ دستیوں پر بھی ہوئی تھیں اور ان کے مظالم کی کوئی حد نہ تھی اگر شاہ نانی میں سکت نہ تھی جو اس سیلاب کو روکتے۔

شاہ صاحب نے اپنے چچا سے مظالم کی داستانیں سنی تھیں اس زمانہ میں مولانا سید احمد بریلوی کوہلی آگئے شاہ صاحب اٹھے بیعت کی اور علماء کے مشورہ سے مجاہدین کے لشکر کی تیاری کرنی شروع کر دی ۱۸۳۷ء میں جہاد کے لئے روانہ ہوئے میں آئی۔ نقانیر۔ مالیر کوٹلہ۔ ممدت۔ بھاو پور۔ حیدر آباد سندھ۔ جان کدھ ہوتے ہوئے قندھار گئے۔ پھر کابل آئے درہ خیبر سے پنجاب آئے راستہ میں امیر دوست محمد خاں کے بھائی نے بیعت کی اکوڑہ پر سردار بدھ سنگھ دس ہزار فوج لئے کھڑا تھا اپنے اعلان نامہ دربار لاہور کے نام بھیجا بعد ازاں جنگ ہوئی سو سکھ مارے گئے ۲۷ مجاہدین شہید ہوئے۔ غرض کہ بہت سی جنگیں سکھوں سے متواتر ہوئیں مولانا عبدالحئی نے ۱۸۳۷ء میں بمقام فہر انتقال کیا۔

سکھوں سے مقابلہ نقابہ اتان زئی اور درانی آڑے آئے جنگ ہیار میں سرحدیوں کو شکست دینے کے بعد مردان پر قبضہ کر لیا یار محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے معافی مانگی اس کو شاہ و عطا کیا مگر سلطان سٹبے و خالی کا اور آپ بالاکوٹ معہ مجاہدین کے آگے سردار شیر سنگھ نے کبیر لشکر سے مقابلہ کیا اس میں شاہ اسماعیل اور سید احمد بریلوی شہید ہوئے راجہ شیر سنگھ نے ان شہداء کو اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ اس واقعہ کے بعد صرف ۸۰۰ فازی باقی تھے۔ شیخ ولی محمد بقیہ گردہ کے سردار مقرر ہوئے اور سرحد میں رہ گئے۔

علی دہلوی اکبر شاہ کا زمانہ علمی اعتبار سے بہت اچھا و نہ تھا پر غنیمت تھا یہ ضرور ہے  
 اکبر شاہ کی طرف سے کوئی درس گاہ قائم نہ تھی نہ علماء کو پیش قرار و وظائف دے جاتے  
 یہ بڑا ضرر ناک واقعہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں عہدِ روپیہ مایوار  
 نذرانہ پیش ہوا اور اپنی جہتی کسی ”شکر لب“ کو تین سو روپیہ مایوار دے جائیگا دہلی  
 اس عہد میں خاندان شاہِ دہلی اللہ کی وجہ سے مرجعِ اہل علم بنا ہوا تھا حضرت شاہ  
 عبدالعزیزؒ حضرت شاہ عبدالقادرؒ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے درس جاری تھے دور  
 دور سے طلباء علمی استفادہ حاصل کرنے آتے ان کی عمریں اختتام پر پہنچ گئی تھیں  
 اس عہد میں صدر المدد کے عہدے پر مولانا فضل امام خیر آبادی ممتاز تھے اپنے  
 فرائضِ ملازمت کی ادائیگی کے بعد منہتی طلباء کو معقولات کا درس دیا کرتے۔ ایک طرف  
 علومِ نقلیہ اور دوسری طرف علومِ عقلیہ کی اشاعت عام تھی یہ ضرور ہے کہ بادشاہ  
 کی نافرمانی سے اہل علم دہلی چھوڑ چھوڑ کے لکھنؤ رام پور چلے گئے۔ مگر پھر بھی تھوڑے  
 بہت علمی چرچے تھے مولانا فضل امام نے دہلی میں ”مرقات“ لکھی اور ”دافق المبین“  
 پر مانشیہ چڑھایا۔ اس کے علاوہ ان دنوں اردو شعور و شاعری کے بڑے عہدے  
 تھے۔ بادشاہ سلامت کو بھی کچھ اس سے دل چسپی تھی خود بھی کہہ لیا کرتے شعاع  
 تخلص تھا

دہلی اس زمانہ میں آج کی ایسی نہ تھی گو آج بھی تھی بڑے بڑے صاحبان  
 کمال مرہٹہ گردی سے عاجز آکر دہلی چھوڑ گئے تھے اس پر بھی سیرِ سودا و دردد  
 کے تلافیہ نے دہلی کی آبرورٹھاٹے رکھی۔ سید محمد میراٹھ - حکیم قدرت اللہ قاسم -

نہ تذکرہ عالم از مولوی رحیم بخش دہلوی صفحہ ۲۵۹

حضرت نصیر الدین نصیر "میر نظام الدین ممنون دہلی جیسے شہر میں ان کی شاعری کا سکھ رائج تھا اکبر شاہ بادشاہ نے فخر الشعرا کا خطاب عطا کیا۔ ایسے ایسے ارباب کمال کا یہاں جھگڑتا تھا اور شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔ یہ ضرور ہے کہ گھنٹوں کی گنگا جمنی نہریں یہاں کے شعرا کو بھساکر وہاں ہاتھ دھوئے بیجا دیتی تھیں مگر وضع دار لوگ دلی سے جانا مار سمجھتے تھے شیخ ابراہیم ذوق بھی اکبر شاہ کے مدبار میں قصیدہ لے کر پہنچے ولی عہد ابو ظفر کے شاعری میں نگران بنے۔ اور قصیدہ کے صلہ میں خاگانی ہند کا خطاب عنایت ہوا۔

اکبر شاہ کا آخری عہد تھا اور مفتی صدر الدین خاں آزرہ مولانا فضل حق۔ مرزا غالب۔ حکیم مومن خاں مومن سے حضرات کی جوانی تھی ان حضرات کے کارنامے عہد ابو ظفر سے وابستہ ہیں۔

علاء علی عہد مولانا فضل امام فاروقی ابن قاضی ارشد بندہ قاضی صدر الدین ہرگامی مولانا سید عبدالواحد خیر آبادی تمیز رشید علاء واج الدین گوباموی سے اخذ علوم عقیدہ نقل کیا۔

"بمنصب صدر الصدوری شاہجہاں آباد اوسرکار انگریزی عزت و

امتیاز داشت"

میرزا ہد سارہ میرزا ہد جلالت پر حاشیے لکھے

"در علوم عقلیہ سبقت ربودہ"

پنج ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ کو انتقال کیا۔

۱۔ گل رخ صفحہ ۲۷۹ سے خند کے چند باغی مقام سے ایضاً کے تذکرہ عماد ہند صفحہ ۳۴۲-۳۴۳

۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

مولوی کرم اللہ محدث دہلوی آپ اہل ہندو سے تھے مولانا شاہ عبدالغفر  
دہلوی کے دست حق پرست پر داخل اسلام ہوئے اور علوم اسلامیہ کی تکمیل کی شاہ  
غلام علی دہلوی سے خرقہ خلافت پایا ۱۲۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

مولانا رشید الدین خاں دہلوی ارشد تلامذہ مولانا رفیع الدین دہلوی تھے مجدد  
العلوم میں ذاب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں

کان فاضلاً جامعاً بین کثیر من العلوم الدس سبۃ

مولوی رحمن علی تذکرہ علمائے ہند میں تحریر کرتے ہیں  
”ذہن وقار وطبع نقاد و در علم کلام کمالے وافر داشت  
شوکت عمر یہ یادگار سے ہے ۱۲۴۲ھ میں انتقال کیا۔

منار غنی | حضرت مولانا شاہ ابوسعید متونی ۱۲۵۰ھ۔ مولانا شاہ احمد سعید۔ مولانا شاہ  
عبدالغنی۔ شاہ محمد آفاق متونی ۱۲۵۲ھ حاجی علاء الدین احمد بہجوانی مولانا قطب الدین  
متونی ۱۲۵۲ھ۔ حضرت شاہ غیاث الدین متونی ۱۲۴۲ھ۔

سید شاد صابر بخش چشتی ابن شاہ نصیر الدین ابن شاہ غلام سادات چشتی  
نمبر ۶۳ سال ۱۲۴۲ھ میں انتقال کیا دریا گنج میں مزار ہے

میران شاہ نالوبندہ شیخ جلال الدین تھا مسیری حریم مسجد فتحپوری جو عمر گزاری  
۱۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ جلال آپ کے سجادہ نشین تھے۔

مولانا محمد حیات پنجابی سید شاہ صابر بخش کی خانقاہ میں درس و تدریس کا  
مشغلہ رکھا ۱۲۶۴ھ میں انتقال ہوا شاہ فدا حسین منیر خواجہ یوسف بہرائی متونی ۱۲۵۹ھ

تذکرہ ملازم مولوی اکرام اللہ گوبائی ۱۲۷۱ھ میں انتقال ہوا تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۶۳



شاہ توکل حسین متوفی ۱۲۶۲ھ سید عسکری مجذوب مہر قطبی مجذوب شاہ عبد الباقی مجذوب  
 علماء حکیم صادق علی خاں ابن حکیم شریف خاں سرآمد حکمائے روزگار سے تھے  
 اکثر طبائے نامی ان سے نسبت شاگردی سے سرمایہ اعتبار رکھتے ہیں۔  
 حکیم امام الدین خاں۔ حکیم غلام حیدر خاں۔ حکیم نصر اللہ خاں۔ حکیم فتح  
 خاں۔

حکیم پیر بخش خاں فاروقی محمد اکبر شاہ کی پیشکامہ عنایت سے حکیم دوران  
 خاں کے خطاب سے مشرف تھے۔ حضرت صہبائی کے بھائی تھے۔  
 حکیم غلام حیدر خاں شاگرد حکیم شریف خاں ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔  
 یہ ہے اکبر شاہ ثانی کے عہد کی پوری تصویر۔

## ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے معلومات کا کتب خانہ

ہندوستان کی بارہ سو سال کی اسلامی تاریخ کے معلومات بچہ منتشر اور پراگندہ  
 ہیں، انہیں سے کسی حصہ کو مرتب کرنے کے لئے، تاریخ، صیر و سوانح، تصوف، معلومات  
 توذقہ کی قلمی و مطبوعہ کتابوں کے ہزاروں صفحات پڑھنے کی ضرورت ہے پھر کبھی پوری  
 کامیابی مشکل ہے مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ مصنف گل رعنا و تاریخ گجرات نے  
 پچیس سال کے اہٹاک و محنت سے ان معلومات کو اپنے عربی تذکرہ مشاہیر ہند کی اٹھارہ جلدوں میں یکجا  
 کر دیا ہے، اس عظیم الشان کتاب کا جس کا نام ”تذکرۃ الخواطر“ ہے پہلا حصہ جس میں پہلی صدی ہجری سے  
 ساتویں صدی تک کے مشاہیر و اہل فضل کے حالات ہیں، خوبصورت عربی ٹائپ میں شائع ہو گیا ہے اس  
 کتاب کے مطالعہ سے اپنے ملک اور اپنے اسلاف کی اسلامی تاریخ سے فدا و اقبیت کا وہ نقص دور ہو جاتا ہے  
 جو علمی و دینی حلقوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ قیمت: تین روپے۔ ملے کا پتہ: مکتبہ اسلام پبلیکیشنز روڈ  
 کھنڈر

# ادبیت

## نعت

ب (دائل خیر آبادی) سید ماسٹر ہائی سکول لاہور

محمد مصطفیٰ کا جب کسی سے نام سنتے ہیں سکونِ قلب کا گویا یہاں پیغام سنتے ہیں  
نورِ جنت الفردوس صبح و شام سنتے ہیں جودل سے مدحتِ پیغمبرِ اسلام سنتے ہیں  
الہی کہی پر انوارِ کلیاں ہیں مدینہ کی خداوند! انھیں دیکھا نہیں ہے نام سنتے ہیں  
دیرِ محبوب پر پہنچیں یہی ارمان ہے دل میں مرہنِ عشق پاتا ہے وہاں آرام سنتے ہیں  
وہ یاد آئے ہیں نوکِ نوک سی آٹھنی پائے ہیں کیجو تمام لیتے ہیں جب اُن کا نام سنتے ہیں

## غزل

محمد مصطفیٰ خاں خلیش خورجی

دفاؤں کے ہزاروں دے چکے ہیں امتثالِ تنک گردہ ہیں کہ اس پر بھی میں ہم سے بگناہ تک  
سے لاکھوں ستم لیکن نہ کی آہ و فغاں اب تک زباں رکھے ہوئے بھی ہم رہے ہیں زبانِ تنک  
بیاباں ہے برابرِ سوگوارِ بوستان اب تک کہ نوکِ خار پر ہیں تنکِ شبنم کے نشان اب تک  
شہنشاہِ دو عالم وہ مکینِ گنبدِ خضرا ملائک چوتے ہیں جس کا سنگِ تالِ تنک  
خدا جانے کہ اب کون ہے آوارہٗ منزل کہ جس کو ڈھونڈتی بھرتی ہے گردِ کاہلِ تنک  
نشانِ بزمِ عشرت ہے اگر باقی تو اتنا ہے کہ شمعِ کشفِ محفل سے اُفتابِ دھواںِ تنک  
زمانہ جاگ اُٹھا بزمِ گیں تو میں بہت آگے یہاں میں خوابِ غفلت کی دی سرخاںِ تنک  
جہاں میں ایک دکھ کیسے، ہزاروں انقلاباتِ ہماری عظمتوں کے بھر بھی باقی ہیں نشانِ تنک  
زمانہ جاتا ہے جو چین والوں پر گزری ہے زباں لیکن نہیں ہے شکوہِ سچِ باغیاںِ تنک  
قارنِ بزم سے اپنا کرا میں کیا خلش کہہ کر کہ دنیا کے سخن میں ہم ہیں بے نام و نشانِ تنک

## تبصرہ

**نئی روشنی** (ہفت روزہ جریدہ) ادارہ منتر برڈاکٹر سید عابد حسین، صاحبہ عابد حسین، مولوی عبداللطیف اعظمی۔ ضخامت صفحات ۱۲۔ قیمت ساڑھے ۲۰ تقطیع اوسط۔ طبع کاہنہ دفترنئی روشنی جامعہ منتر دہلی۔

دہلی ہفت روزہ دن روزانہ اور ہفت روزہ اخبار نکلنے ہی رہتے ہیں لیکن نئی روشنی اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے ان میں امتیازی درجہ رکھتا ہے۔ یہ اخبار بے ہوش حالات کے مطابق ملک و ملت کی صحیح رہنمائی و خدمت کا فرض محسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔ ہفتہ بھر کی ”ہندوستان“ ”پاکستان“ اور ”باہر کی دنیا“ کی ضروری خبروں کے علاوہ اور ملکی و غیر ملکی اہم معاملات و سیاسی مسائل پر مبصرانہ نقد و تبصرہ کے ساتھ مختلف الزامات تاریخی، سیاسی، علمی، ادبی، معلومات و تحسین منظومات بھی پیش کرتا ہے۔ بزم بے تکلف و نکاہات، بڑھنے کی چیز ہے۔ مگر اس کے بعض مزاحی مضامین مثلاً قینچی ایسے اچھے اخبار کی نشاہت کو زیب نہیں دیتے۔ اس اخبار کا مطالعہ اور اس کی اعانت اصحاب ذوق اور ملک و ملت کے بھی خواہوں کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔ ”ش“

تذکرہ

بلساء بہان ماہ جنوری ۱۹۲۲ء ص ۵

مولوی قطب الدین گوباموی تجربہ دار علوم ادبیہ و اصول خوب میداشت۔ در علم و فضل مستمردگار  
بودہ شاگرد ملا قاضی شہاب گوباموی است۔ اس کا نمبر ۲۹ ہے لا وہاب الدین گوباموی  
ان کے بعد ہیں۔ تصحیح غلاط مضمون آمد نامہ بہان ماہ دسمبر ۱۹۲۱ء ص ۳  
سطر ۱ شمس الحق کے بجائے شمس العلماء بڑھا جائے۔  
۲ گوباموی کے بجائے گوباموی بڑھا جائے۔

# بُرْهَان

جلد سبست و دوم شمارہ (۶)

جون ۱۹۴۹ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۶۸ھ

## فہرست مضامین

۱۔ نظرات سعید احمد ۳۲۲

۲۔ قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر جناب مولوی غلام ربانی صاحب ایم۔ اے عثمانیہ ۳۲۵

۳۔ امیر المؤمنین عبدالرحمن الناصر لدین اللہ جناب سید نور الحق صاحب حق ایم۔ اے ایل ایل بی ۳۳۷

۴۔ ابو المظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی جناب مفتی انتظام اللہ صاحب ۳۵۳

۵۔ ابو المظفر نواب سراج الدین احمد صاحب جناب مولوی حفیظ الرحمن صاحب دامت ۳۶۱

۶۔ تمدن حدیث حضرت مولانا سید مناظر حسن صاحب گلابانی ۳۷۹

صدر شعبہ و بیانات جامعہ عثمانیہ جدید آباد

۷۔ تبصرے مس ۳۸۲

مولوی محمد ادریس صاحب پرنٹر و پبلشر نے جدید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر بہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ظلت

پچھلے دنوں ایک امریکن نامہ نگار جو آج کل ایشیا کے ملکوں کا دورہ کر کے وہاں کا مختلف تخرنکات اور عوام کے احساسات و جذبات کا مطالعہ کر رہے ہیں بڑا نامہ قیام کلکٹ ازراہ کرم راقم الحروف سے بھی ملنے آئے اور دیر تک مختلف مسائل پر گفتگو کرتے اور جو کچھ میں کہتا رہا لکھتے رہے اس گفتگو سے وہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ پھر دوبارہ انھوں نے گرانا ہوٹل میں ڈز پر مدعو کیا اور وہاں کھانے کے بعد رات گئے دیر تک اُن سے گفتگو رہی اتنا گفتگو میں انھوں نے یہ بھی پوچھا کہ ”اگر آپ کو امریکہ کی کسی یونیورسٹی کی طرف سے ”اسلا“ کے نئے رجحانات“ پر چند لکچر دے کے لئے مدعو کیا جائے تو کیا آپ منظور کر لیں گے“ ہم نے عرض کیا چشم مارو دشمن دل ماشاد، مگر شرط یہ ہے کہ تاریخ مقررہ سے کم از کم چھ مہینے پہلے مجھ کو اطلاع دی جائے تاکہ میں لکچر اطمینان سے تیار کر سکوں پھر خط و کتابت بھی ہند کے ذریعہ ہونی چاہئے۔

موصوف سے گفتگو کے آثار میں یہ معلوم کر کے میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مجددانہ افکار سے بڑی حد تک واقف اور اُن کو بڑی اہمیت دیتے ہیں مولانا کے افکار کے سلسلہ میں موصوف کے ذہن ایک بڑی الجھن یہ تھی کہ مولانا ایک طرف قومیت پر بنائے ملک و وطن پر بہت زور ہیں اور دوسری جانب پوری دنیا کے لئے ایک وفاقی نظام کے قائل ہیں۔ یہ دونوں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں:

اب بھی ہو رہا ہے مختلف ملکوں میں مختلف قومی حکومتیں قائم ہیں لیکن اس کے باوجود سب انجمنِ اقوام متحدہ کی ممبر ہونے کی حیثیت سے اس انجمن کے چارٹر کو مانتی ہیں اور اُس کے لئے انجمن کے سامنے جواب دہ ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ اس چارٹر کی حیثیت کسی درجہ میں سیاسی ہے در نہ دراصل وہ ایک اخلاقی معاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یاسو ویٹ روس کو دیکھو کہ اس کے ماتحت متعدد جمہوریتیں قائم ہیں جو اپنے اندرونی معاملات میں بالکل آزاد ہیں اور صرف معاشی اور اقتصادی نظام کے اعتبار سے سو ویٹ روس کا جز ہیں پس سو ویٹ روس میں یا انجمنِ اقوام متحدہ کے زیر اثر مختلف قومی حکومتوں میں جو باہمی ارتباط پایا جاتا ہے وہ ایک بہت محدود پیمانہ پر ہے مولانا اسی طرح کا ایک بین الاقوامی سنگٹھن یا ایک عالمگیر وفاقت بہت وسیع پیمانہ پر قائم کرنے کے آرزو مند تھے اور صرف اسی ایک چیز کو دنیا کے مصائبِ آلام کے خاتمہ کا یقینی اور کامیاب ذریعہ جانتے تھے۔

مولانا کے ذہن میں قومیت کا جو تصور ہے وہ ہرگز جارحانہ یا جاہلانہ نہیں ہے جس سے فاشزم پیدا ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان انسان کے درمیان نفرت و عناد کی سنگین دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں اور پھر یہی نفرت و عناد ہولناک جنگ کی شکل میں ظاہر ہو کر انسانیت کی بربادی و تباہی کا باعث بنتی ہے اس کے برخلاف مولانا کے نزدیک ایک قوم کی قومیت جو ملکی اور خیراتی خصوصیات کی بنیاد پر قائم ہو۔ ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کی اپنی ذاتی شخصیت اگر ایک شخص اپنی ذاتی شخصیت کو بانی رکھتے ہوئے بھی کسی ایک بڑی جماعت کا ممبر ہو سکتا ہے اور اس سے شخصیت اور جماعتی اشتراک میں کوئی تضاد یا تضادم پیدا نہیں ہوتا تو اسی طرح ایک قوم اپنے ملکی خصوصیات اور قومی رسوم و عوائد کو بانی رکھتے ہوئے بھی ایک عالمگیر انسانی برادری کا ممبر بن سکتی ہے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

فرض کیجئے تمام انسانوں کے لئے ایک ہی لباس اور ایک ہی زبان بن جائے تو قدمقامت اور جسم کی فزہی و لاغری کے باعث ایک ہی وضع کے لباس میں جو فرق و امتیاز پیدا ہو جاتا ہے اور یا مختلف آب و ہوا کے اثر سے زبان کے عضلات میں جو فرق ہوتا اور بے لہجہ میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے لباس اور زبان کی عالمگیر وحدت کی وجہ سے کیا یہ سب امتیازات فنا ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں

انھوں نے یہ بھی پوچھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل آپ کے خیال میں کیا ہے؟ میں نے کہا ہندوستان ہو یا کوئی اور ملک ہر حال ہر جگہ کے مسلمانوں کا مستقبل ان کے اپنے ہاتھ میں ہے وہ چاہیں اس کو بگاڑیں یا سنواریں۔ قرآن نے صاف صاف کہا ہے کہ تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ عنایت ہمارے اپنے ہاتھوں آتی ہے قرآن مسلمان کو کسی کے رحم و کرم پر جینا ہرگز نہیں سکھاتا وہ مسلمان میں خود اعتمادی کی روح اُجاگر کرے یہ بتاتا ہے کہ انھیں اپنے ساتھ کبھی انصاف کرنا چاہئے اور دوسروں کے ساتھ کبھی قہر نہ کرنا چاہئے۔ میں سب سے زیادہ بُرائی ظلم کی بیان کی گئی ہے اور ظلم کے معنی ہیں **ضَعْفُ الشَّيْءِ** فی غیر محلہ اور قرآن نے ہر شے کا محل اور موقع بھی بتا دیا ہے اس کے علاوہ قرآن نے مسلمانوں کو ایک ایسا کیمیائی نسخہ بھی عطا کر دیا ہے جس کے ذریعہ سنگدل سے سنگدل دشمن کو بھی موم اور دوست بنایا جاسکتا ہے پس اگر مسلمان اس نسخہ کو استعمال کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اپنے لیے وہ ایک عام ہر دوزخیزی اور حقیقی عظمت و بزرگی کا مقام حاصل نہ کر سکیں۔

# قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر

(از جناب مولوی غلام ربانی صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ))

ایم۔ اے تفسیر کے لئے امتحانی مقالہ خاکسار نے جو تیار کیا تھا یہ مضمون اسی مقالہ سے ماخوذ ہے علاوہ دوسری عام کتابوں کے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب اتقان اور بحر اتری کی تبیان سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے لیکن سب سے زیادہ مجھے اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ حضرت الاستاذ مولانا مظاہر حسن گیلانی کے درسی محاضرات دامالی سے تحقیق کی راہ میں غیر معمولی مدد ملی ہے عموماً اس مضمون میں سے نقاط نظر آپ کو اگر ملیں گے تو اسے حضرت الاستاذ ہی کا فیض خیال فرمائیے

”گر خار گر گل است ہمہ آوردہ تست“ غلام ربانی

تاریخی طور پر اس کا متعین کرنا دشوار کیا بلکہ ناممکن ہے کہ نسل انسانی کو پہلی کتاب خدا کی طرف سے کون سی کہاں اور کب ملی قرآن کا اجمالی بیان یہ ہے کہ ہر امت میں نذیر اور خدا

سے میرے عزیز رفیق علم مولوی غلام ربانی ایم۔ اے عثمانیہ نے خاکسار کی تقریروں اور اعلیٰ محاضرات کو پیش نظر رکھ کر یہ مقالہ تیار کیا اور جب یہ بھی دکھایا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی مسرت ہوئی گو اس موضوع پر خاکسار نے خود ایک کتاب لکھی ہے لیکن ابھی وجہ سے شائع ہونے کے قابل اسکو میں نے نہیں پایا اس کتاب کے مضمون کا اور خاکسار کے خصوصی نقاط نظر کا میرا اچھا خلاصہ یہ ہو گیا ہے اب اگر میری کتاب نہ بھی شائع ہو تو چند ان کی ضرورت لمبی بانی نہ رہی اس موضوع پر عربی اور اردو میں بہت سی کتابیں لکھ گھج چکے ہیں اب علم اندازہ کریں گے کہ کن کن غلط فہمیوں کے ذرائع کرنے کی کوشش اس میں کی گئی ہے کوشش کی کامیابی و ناکامی کا مدار اہل علم و



کے نمائندے آسمانی ہدایت کی تعلیم کے لئے آئے رہے اور جس طرح خانم البینین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی وحی ہوئی اسی طرح ان سے پہلے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام پر ہوئی رہی ارشاد باری ہے :-

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ قَبْلِهِ (مائدہ)

ہم نے تو تجھے اسی طرح کی جیسے نوح پر اور نوح کے بعد پیغمبروں پر وحی کرنے رہے۔

اس سلسلہ میں چند پیغمبروں کے نام لینے کے بعد

وَرُسُلًا قَدْ قَضَيْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ  
وَرُسُلًا تَلُمْنَا نَفَقُصُّ عَنْكَ

ان پیغام لانے والوں میں سے بعضوں کا حال تم سے ہم نے بیان کیا اور بعضوں کا حال نہیں بیان کیا ہے۔

بھی فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسانی زندگی کے نیک اور بد انجام کو علم و عمل کے نفاذ پر مرتب کرنے کے لئے اور اس کی تشریح و تعلیم کے لئے پیغمبروں کا سلسلہ ہمیشہ قائم پھر دوسری جگہ اس کی بھی تصریح ہے کہ

شَرَعْنَا لَكَ مِنَ الدِّينِ مَا رَضَيْتَ مِنْهُ  
وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ  
إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا  
الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (خودری)

الہدین یعنی ایسا آئینی دستور جس پر زندگی کے دوسرے دور میں بدل دیا جائے اسی کو قانون بنا کر جو تمہیں دیا گیا رہی دین ہے، جس کی وصیت خدا نے نوح کو کی، اور جس کی وحی ہم نے تم پر کی اور اسی کی وصیت

دفعہ ماہیہ ص ۸۵ گذشتہ) بصیرت کے فیصلہ پر موقوف ہے خاکسار نے اس مقالہ کو دیکھ لیا ہے اور بعض مقامات پر حواشی کے ذریعہ بعض جگہ اصل عبارت میں کچھ ترمیمیں لکھ کر دی گئی ہیں دین کی کوئی صحیح خدمت اس کوشش سے بن آئی تو یہی سب سے بڑا اصل ہے۔ ۱۲ - (منظر احسن گیلانی)

ہم نے ابراہیم کو کی اور موسیٰ کو بھی دھبسی کو بھی ہلاسی  
کی دھبیت کی گئی منفعد یہ تھا اور ہے (کو اس الدین  
ر اسی دستور کو قائم کر داد اس میں کھرومت ،

ایک اور مقام میں یہ فرما کر کہ

أَلَمْ يَذْكُرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ  
يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ (المؤمنن)  
کیا بات کو وہ سوچ نہیں رہے ہیں۔ یا ان کے  
پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے آباء اولین  
داگلے باپ دادوں کو نہیں دی گئی تھی؟

اس امر کو واضح الفاظ میں صاف کر دیا گیا کہ انسانی زندگی کا قدرتی دستور اصل جس  
کی تعبیر دین مذہب کبیش اور دھرم وغیرہ الفاظ سے لوگ کرتے ہیں یہ انسانیت کا ایک  
مشترکہ موردِ فنی ترکہ ہے اور اصولاً ایک ہی دستورِ اصل ہے جس کی بامذہبی کا مطالبہ  
اس زمینی زندگی میں اول سے لے کر آخر تک بنی نوع انسانی کی تاریخ کے ہر دور میں کیا گیا  
اور ہونا بھی ہی چاہئے تھا آخر قانون کا بنانے والا جب ایک ہو اور جس کے لئے قانون بنایا  
گیا ہو وہ بھی ایک ہو تو شکل و صورت چہرہ و شبہ رنگ و روغن کے اختلاف سے یا زمین  
کے کسی خاص خطے میں سکونت کی وجہ سے جو کسی دریا پہاڑ وغیرہ سے گھرا ہو یا کسی خاص  
خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے یا زبان کے اختلاف کی وجہ سے یا انسان جن چیزوں  
کو استعمال کرتا ہے ان کے بدل جانے کی وجہ سے کیا آدمی کی فطرت بدل جاتی ہے

بہر حال زندگی کا وہی دستور کھن جو ہمارے آباء اولین کو ملا تھا اصولاً اسی کا اعادہ  
اسی کی تجدید کا عمل کھلی سنوں میں بھی ہونا رہا اسی لئے دین یا زندگی کا یہ دستور اصل پہلا ایک  
مشترکہ موردِ فنی ترکہ ہے، البتہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قدرت کے عطیے ہوئے

اس امین کی حفاظت و نگرانی میں بوجہ مختلف قومیں غفلتوں اور لاپرواہیوں کی شکار ہوتی رہیں خدا کی خالص تعلیم سے ہٹ ہٹ کر اپنے ہی جیسے انسانوں کے خود تراشیدہ رسوم اور دستوروں میں لوگ الجھنے رہے مختلف زمانوں اور ملکوں میں زیادہ تر پیغمبروں کی ضرورت اسی عام تاریخی حادثہ نے پیدا کی کہ نبی جب خدا کی خالص تعلیم اور ہدایت نامہ سے لوگ ہٹ گئے تو پھر اسی موردنی آئین کہن کی طرف واپس کرنے کے لئے سختی نکالا قوموں اور امتوں میں رسولوں اور پیغمبروں کو پیدا کرنا اور اٹھانا رہا۔

جاہلے تو یہی تھا کہ معین کی شخصی وحدت اور جن کے لئے قانون بنایا گیا ان کی نوعی وحدت کی بنیاد پر لوگ اپنے اس موردنی قانون کو ایک ہی قانون کی حیثیت سے دیکھتے مگر تصدیق و توثیق، تصحیح اور تکمیل وغیرہ اغراض کے لئے متعدد پیغمبروں کا ظہور مختلف زمانوں میں جو ہوتا رہا یہ عجیب بات ہے کہ اسی ایک دستور اصل کے پیش کر کے والوں کے اس تعدد و کثرت کو دیکھ کر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ مذہب دنیا میں ایک نہ بلکہ متعدد اور بہت سے ہیں۔

لیکن میں پوچھتا ہوں کہ ایک ہی کتاب کو چند آدمی اگر کتب خانہ سے نکالیں تو چند خیالوں کی وجہ سے کیا کتاب بھی چند ہو جائیگی یقیناً کسی مصنف کی کتاب کے چند ادیشن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کتنا غلط فیصلہ ہوگا کہ مصنف کی یہ ایک کتاب نہیں بلکہ چند کتابیں بن گئیں واقعہ یہ ہے کہ قرآن عام آسمانی کتابوں کے ساتھ اپنی اسی نسبت کا مدعی ہے معنی پھیلی ہلا آسمانی کتابوں کا وہ آخری اور مکمل ترین ادیشن ہے اور قوموں کے پاس اس کتاب کے جو پرانے مشتبہ اور مشکوک یا ناقص وغیرہ مکمل نسخے رہ گئے ہیں ان کے متعلق صرف مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس جدید تازہ ترین اور کامل ادیشن سے مقابلہ کر کے قومیں اپنی موردنی کتاب

کی تصحیح کر لیں۔ یہی اور صرف یہی ایک مطالبہ قرآن نے دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا ہے، ظاہر ہے اس مطالبہ کا مطلب کسی حیثیت اور کسی لحاظ سے بھی یہ نہیں ہے کہ دنیا کی قوموں کے پاس آسمانی دین اور مذہب اپنے آباء و اجداد سے جو پہنچا ہے اس دین سے اور اس دین کا انتساب جن بزرگوں کی طرف ہے ان بزرگوں سے بے متعلق ہو کر قرآن کو بالکل ایک جدید دین اور دھرم کی کتاب کی حیثیت سے مانا جائے۔ یقیناً نہ قرآن میں ایسا حکم دیا گیا ہے اور نہ قرآن کے ماننے والوں نے ایسا کیا۔ آج کو ڈھاکہ کرڈ

ﷺ سے انکار دیکھتے کہ عبد اللہ بن سلام صحابی رضی اللہ عنہ جو علماء بنی اسرائیل میں سے تھے جب رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت ان کو حاصل ہوئی تو انھوں نے عرض کیا کہ قرآن کے ساتھ قدرت کی علامت بھی جاری رکھوں آپ نے فرمایا اقرء ہلک الذیلۃ وھلک البیذۃ (یعنی ایک رات قرآن پڑھا کر دوسری رات تورات) تم کو حفاظہ بھی صلاًح طبقات ابن سعد میں بھی ابوالجلاء والجنی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ سات دن میں قرآن اور چھ دن میں توراہ ختم کرنے کا کام دستور اپنے لئے انھوں نے مقرر کر لیا تھا اور ختم کے دن لوگوں کو جمع کرتے تھے کہ اس دن رحمت نازل ہوئی ہے ابن سعد ج ۱ ص ۱۶۱

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن کی تصحیحی راہ نمائی میں اس ختم کی کتابوں کے پڑھنے سے جہاں تک میراثیاتی خبر ہے وہ قرآن کے سمجھنے میں بھی مدد ملی ہے انھیں دو تورات خیر ان کا قیوہ چھپا ہی کیا میں سنسکرت سے واقف نہیں ہوں لیکن اردو میں دید کے بعض حصوں کا ترجمہ ہو گیا ہے اس کا ایک دن مطالعہ کر رہا تھا یہی سیر دید کا ایک کمر تھا ایک جگہ مجھے یہ فقرہ اس کتاب میں ملا یعنی اے گئی تو خوبصورت بچہ ہے پودوں میں سے نکلا ہوا تاریکی کو دور کرنا ہوا مادوں سے شور کرنا ہوا پیدا ہوا ہے ادھیانم گو کہتہ ہوئے کچھ در بھی معلوم ہوا ہے لیکن جو واقعہ پیش آیا اس کا اظہار کرتا ہوں اس اشلوک نے معامیرے دماغ کو قرآن کی ان آیتوں کی طرف منتقل کر دیا جن میں ارشاد ہوا ہے کہ تم دیکھتے ہو اس آگ کو جسے تم پیرا کرتے یا نکالتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو گایا یا ہم میں اس کے آگاہنے والے (الواقف) قریب قریب اسی کے سورۃ یسین میں بھی ہے عام مفسرین عرب کے بعض قائل و دختر کا ذکر کر کے لکھ دیتے ہیں کہ ان کی شاخوں کو ہم رگڑ کر عرب آگ پیرا کرتے تھے اسی کی طرف اشارہ ہے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۲۸)

کی تعداد میں مسلمان دنیا کے اکثر علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں یقیناً ان میں عیسائی یہودی اور اسی قسم کی دوسری مذہبی امتوں کے لوگ ہیں پھر کیا قرآن کو مان کر جو عیسائی تھے مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی کتاب انجیل کی تائید کی، یا جو یہودی تھے مسلمان ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام یا امیناء بنی اسرائیل کی قوم بن کر رہے ہیں یا تو رات اور قورات کے ساتھ دوسرے پیغمبروں کی جو کتابیں ہیں انھیں جھٹلا رہے ہیں یہ واقعہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے جو دور ہو گئے تھے قرآن کریم کو مان کر حضرت عیسیٰ اور ان کی صحیح تعلیم سے بھر فریب ہو گئے اور یہی حال ان ساری قوموں کے ساتھ پیش آیا ہے جو گذشتہ تیرہ سو برس سے تیرہ صدیوں میں قرآن کو مان کر اسلامی حلقہ میں داخل ہوئی رہی ہیں یعنی اپنے آبائی اور موروثی دین کے جن اجزاء و عناصر کو لوگ کھو بیٹھے تھے یا تاریخی حوادث و واقعات نے ان کے دین کے جن حقائق و مسائل کو مشتبہ و مشکوک کر دیا تھا قرآن شریف کی راہ سے ان کھوئی ہوئی چیزوں کو انھوں نے پا کر اور شک و شبہ کی تاریکیوں میں جو باتیں رل گئی تھیں، قرآن کی روشنی میں اب یقیناً ان آنکھوں سے دیکھنے اور پالنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس حقیقت یہی ہے کہ اپنے آباء اولین اور گذشتہ باپ دادوں کے دین سے قرآن پاک کو مان کر قطعاً کوئی الگ نہ ہو ہوا ہے بلکہ جو الگ ہوئے تھے بلا خوف و تردید دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے آبائی دین کی طرف خدا کی اس آخری کتاب نے ان سب کو واپس کر دیا ہے۔ اس نے توڑا نہیں؟

بقیہ حاشیہ سلسلہ ”مصحف گذشتہ“ لیکن یہ خود بدکار طرز تعبیر قرآن کے طرز تعبیر سے اس درجہ متعلق ہے کہ کہیں نہیں قرآن! بھی درخت کو عام درخت سمجھا جائے اور جیسے درجہ میں ہے کہ آگ خوبصورت بچہ ہے پودوں سے نکلا ہوا یعنی آگ کا ظہور کڑی ہی کے جلنے سے ہوتا ہے اور اسی سے نمود کرتا ہوا پیدا ہوتا ہے ۱۲ مناظر حسن نگاہی

بلکہ جو ٹوٹے ہوئے تھے ان کو اپنے بزرگان سلف اور ان کی سچی تعلیم، صحیح زندگی کے ساتھ جوڑ دیا ہے یہ واقعہ بھی ہے خواہ دنیا اس کو مانے یا نہ مانے قرآن کی دعوت و تبلیغ کا بھی بخوبی نصب العین ہے۔ بکھری ہوئی منتشر اور پراگندہ انسانیت کو اسی راہ سے وحدت وفاق کے مرکزی نقطہ پر ”وہ سمٹ کر لے آنا چاہتا ہے“

بہر حال یہ تو ایک تہیدی ذیلی گفتگو تھی میں آپ کے سامنے اس موردنی دین کی الہی کتاب کے آخری ادیشن کے ان پہلوؤں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جن کے متعلق بدینجی سے باندھ لیش و ماعوں میں خواہ مخواہ بعض بے بنیاد و سادس دو باہم مختلف راہوں سے گھس پڑے ہیں یعنی قرآن مجید کی تدوین یا جمع و ترتیب کی جو واقعی سرگزشت ہے اسی کے متعلق ایک مختصر اجمالی بیان ان لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں جو نادانیت کی وجہ سے ان ہی ادہام سے بیدار ہونے والی غلط فہمیوں میں بلاوجہ مبتلا ہیں۔

قرآن کی تدوین کی مصدقہ شہادتیں | قرآن کی تدوین یا جمع و ترتیب کے متعلق سوالوں پر جن شہادوں سے روشنی پڑ سکتی ہے آسانی کے لئے ہم ان شہادتوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یعنی شہادتوں کا ایک سلسلہ تو وہ ہے جو خود اس کتاب کے اندر پایا جاتا ہے ہم اندرونی شہادتوں سے اس کی تعبیر کر سکتے ہیں اور دوسرا سلسلہ ان تاریخی روایات کا ہے جن سے اس کتاب کے تدوینی حالات کے جانتے اور سمجھنے میں مدد ملتی ہے ہم ان کو بیرونی شہادتوں سے موسوم کریں گے پہلے ہم اندرونی شہادتوں کو پیش کرنے ہیں

اندرونی شہادتیں | واقعہ یہ ہے کہ اس لحاظ سے دنیا کی ان تمام کتابوں میں جنہیں قومیں خدا کی طرف منسوب کرتی ہیں قرآن ایک واحد کتاب ہے یعنی اپنے متعلقہ سوالات کے جوابات کے لئے وہ قطعاً ایک خود کفنی ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اس سلسلہ میں اگر تاریخی نقطہ

کا ذخیرہ نہ بھی ہوتا جب بھی اس سلسلے میں قرآن کے متعلق جن امور کا جاننا ضروری ہے سب کے جواب کے لئے خود قرآن ہی کافی ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کا نازل کرنے والا کون ہے؟ کس پر یہ نازل ہوئی؟ کس نے نازل ہوئی صرف ان سب بنیادی سوالوں کے جوابات جیسا کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے اس کتاب میں جگہ جگہ موجود ہیں! حالانکہ اسی نوعیت کی دوسری کتابوں میں اگر کوئی جانتا چاہے تو وہ مشکل ہی سے ان سوالوں کا جواب معلوم کر سکتا ہے لیکن قرآن کی یہ عام باتیں ہیں اس لئے ان سوالوں پر بحث کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے قرآن کی اندرونی شہادتوں کی روشنی میں اس وقت صرف حسب ذیل سوالوں کا جواب پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ ابتدائی حالت اس کتاب کی کیا تھی بالفاظ دیگر میرا مطلب یہ ہے کہ بیسے عموماً خدا کی طرف منسوب ہونے والی دوسری کتابوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے ابتداءً زبانی یا دواشتوں اور گیتوں یا مہجڑوں کی شکل میں وہ ہمیں اور صدیوں بعد قلم ہوئیں اس باب میں قرآن کا کیا حال ہے۔

۱۔ حدیث ہے کہ اس سلسلے میں کتابوں کے جس عرصے کو دنیا کا قدیم ترین مجموعہ عموماً سمجھا جاتا ہے یعنی ہمارے کی افش بانی دیکھ کے متعلق آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ قرآن مجید جو اس سلسلہ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد سو سال بعد قلم بند ہوئی۔ البیردنی جو سونے صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس کے پہلے دن پہلے ایک کشمیری بندت نے دیکھ کر کہانی غالب عطا کیا وہ اس سے پہلے پشپا پشپا برہمنوں کا خاص طبقہ اس کو زبانی یاد کرتا تھا جا رہا تھا ڈاکٹر گپتا اپنی کتاب ہندی فلسفہ میں لکھتے ہیں کہ عموماً کے قلم بند کرنے کو زمانہ تک مکفر سمجھا جاتا تھا ۱۲۔

ظاہر ہے کہ اس سوال کے حل کے لئے اوراق اُلٹنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کی پہلی سورۃ بقرہ ہی کی پہلی آیت ذَلِكِ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (یہ ایک نوشتہ ہے جس میں شک نہیں ہے) اسی فقرے میں اس سوال کا جواب آپ کو مل جائے گا یعنی خود کتاب کا لفظ جس کے معنی نوشتہ اور لکھی ہوئی چیز کے ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش کرنے والا ابتداء ہی سے اس کو نوشتہ اور مکتوبہ کی شکل ہی میں پیش کرنا چاہتا ہے اور کتاب یا نوشتہ کا یہ لفظ کچھ اسی ایک مقام پر استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ تقریباً قرآن شریف کی ہر بڑی سورۃ میں آپ کو کتاب ہونے کے اس دعویٰ کا مسلسل ذکر ملتا چلا جائے گا۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ کفار عرب کا یہ فقرہ جو قرآن میں نقل کیا گیا ہے یعنی وہ کہا کرنے تھے کہ

اَلْكِتٰبُ نٰھِیْ مُلٰی عَلَیْہِ مٰکْرَۃٌ وَّ اٰصِلًا

کو لیا ہے اس شخص نے (یعنی پیچھے) اور (سورۃ فاق)

دہی بڑھا جاتا ہے اس پر صبح و شام۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی کتابت اور نوشتگی ایک عام اور پھیلی ہوئی بات تھی جسے وہ بھی جانتے تھے جہلوں نے اب تک اس کو خدا کی کتاب نہیں مانا تھا۔

ماسوا اس کے اس کتاب یا نوشتہ کے متعلق اس قسم کے ذیلی سوالات یعنی قرآن کس چیز پر لکھا جاتا تھا پیغمبر تو خود امی تھے لکھنے پڑھنے سے ناواقف تھے پھر کن لوگوں سے اس کو لکھوانے تھے آپ جاہل تو ان سوالات کے جوابات بھی قرآن ہی میں تلاش کر کے پا سکتے ہیں مثلاً پہلا سوال یعنی قرآن کس چیز پر لکھا جاتا تھا، اس کے لئے قرآن ہی میں پڑھیے۔



وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مُّسْتَوٍ بِرِيفٍ  
 قِسْم ہے (کوہ طور) کی ارد لکھی ہوئی کتاب کی  
 رَقٍّ مَّنشُورٍ (الطور) جو باریک چھلی لکھی ہوئی پر لکھی ہوئی ہے،

جب کہ معلوم ہے رقی ایک خاص قسم کی باریک چھلی کو کہتے ہیں جو لکھنے کے کام کے  
 لئے تیار کی جاتی تھی انگریزی میں جس کو پارچمنٹ (Parachment) کہتے ہیں  
 اور قدیم زمانہ کی نورات انجیل وغیرہ اسی پر لکھی ہوئی اب بھی ملتی ہے۔ قرآن یہ اظہار  
 دیتا ہے کہ اس کی کتابت بھی رقی ہی پر ہوئی ہے اسی طرح اس کی خبر دیتے ہوئے  
 کہ قرآن تو چونک پیدا کرنے والی ایک چیز ہے اسی کی صفت میں فرمایا گیا ہے کہ  
 فِي مِصْحَفٍ مُّكَرَّمٍ خَضِرٌ رُّعِيٍّ مُّطَهَّرٍ  
 دھرم میں پاک ہیں مکھڑے ہوئے ہیں ہاتھوں سے  
 ان لکھنے والوں کے جو بڑے جودگ اور پاکباز  
 لوگ ہیں۔

جس سے صرف یہی نہیں معلوم ہوا کہ قرآن صحیفوں میں لکھا جا رہا تھا بلکہ اس کے لکھنے  
 والوں کے ان اعلیٰ خصوصیات کا بھی اظہار کیا گیا ہے جن میں صحت نویسی کی ضمانت  
 پوشیدہ ہے۔

حیرت ہوئی ہے کہ قرآن کے پڑھنے والے اس قسم کی آیتیں پڑھنے  
 میں شغلا

سَلَامٌ عَلَیْہِمْ اَلَا الْمَظْہَرُونَ (الوادع) نہیں جو عرض اس کو دینی قرآن کو گرد ہی لوگ جو ان

لے تفسیر فتح البیان ج ۹ ص ۲۵ میں دیکھئے یہ کتاب مسطورہ جو رقی منشور میں لکھی ہوئی ہے اور  
 سے مراد قرآن ہے ۱۲۔

مگر نہیں سوچتے کہ زبانی یادداشت کی شکل میں جو چیز ہوگی کسی حیثیت سے بھی یہ حکم یعنی مس اور چھوٹنے کی ممانعت کا تصور اس کے متعلق کیا جاسکتا ہے جس کے صاف معنی یہی ہیں کہ خود قرآن نے اپنے آپ کو ایک ایسی نوشتہ اور مکتوبہ شکل میں پیش لیا ہے جس کے مس اور چھوٹے جانے کا بھی امکان تھا ورنہ ممانعت یقیناً ایک بے معنی سی بات ہو جاتی ہے۔

علاوہ اس کے تدریجی نزول یعنی وقفہ وقفہ سے قرآنی آیتیں جو اتر رہی ہیں اور ”جملہ واحدہ“ یعنی ایک ہی دفعہ ان کو نازل نہیں کیا گیا اس کی وجہ بیان کی گئی کہ

لِنُنْزِلَنَّ بِہٖ فُتُوٰدًا لَّکَ      تاکہ ہم جائیں اس طریقے سے اس کو نیرے دل میں

ظاہر ہے کہ تنزیل فی الفواد (یعنی زبانی یاد کرنے کا موقع) خود پیغمبر کو نزول کے اسی تدریجی طریقے سے بہ سہولت مل سکتا تھا پھر سورہ بنی اسرائیل میں

فَرَاہَا نَزَّاهُ نَزَّاهُ لِنَفْسِی اِنَّا سِی      قرآن جس کی آیتوں کو جدا جدا کر کے ہم نے اُتارا

عَلٰی مُکْنٰثٍ      (اسرائیل)      دیا اس لئے کیا گیا تاکہ لوگوں پر وقفہ کے ساتھ

اس کتاب کو تم پڑھو۔

اسی تدریجی نزول کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی کہ لوگوں کے سامنے وقفہ وقفہ سے پڑھنے اور فتح اسی طرح سے مل سکتا ہے گویا علاوہ پیغمبر کے دوسرے لوگوں کو بھی قرآن شریف کے زبانی یاد کرانے کی بھی تدبیر ہو سکتی تھی اس تدبیر میں جو کامیابی ہوئی اس کی خبر دینے ہوئے قرآن ہی میں یہ اعلان کیا گیا ہے۔

بَلْ هُوَ اٰیٰتٍ مُّبٰیِّنٰتٍ فِی سُوْرٍ مُّزٰیٰتٍ      بلکہ وہ (یعنی قرآن) تو کھلی ہوئی واضح آیتوں کا مجموعہ

اُذِّنَا الْعِلْمَ      (حکومت)      ہے (جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے) مضبب علم دیا گیا

مطلب یہی ہوا کہ ملاوہ کتابی قالب میں محفوظ ہونے کے صحابیوں میں اہل علم کا جو طبقہ تھا قرآن اطلاع دیتا ہے کہ ان کے سینوں میں بھی وہ محفوظ ہوتا جلا جارا ہوا تھا

نیز سورہ مزمل کے آخری رکوع میں

فَاَنْقَضُوا مَا يُنْتَشَرُ مِنَ الْقُرْآنِ پس پڑھو قیفا آسانی سے ہر سکے قرآن کو

کے حکم کو نافذ کرتے ہوئے اس واقعہ کا تذکرہ قرآن ہی میں کیا گیا ہے کہ پیغمبر ہی نہیں بلکہ پیغمبر کے صحابیوں کا ایک طائفہ بھی

اَوْحِيَ مِنْ لَدُنِّي بِالْقَلَمِ وَالْقَلَمِ وَنُفِثَ رَات کے دو تہائی بارے میں اور تہائی حصہ میں

کھڑے ہوتے ہیں اور قرآن کو دہراتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق

يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ بِالْقَلَمِ وَالْقَلَمِ پڑھتے ہیں اللہ کی باتوں کو رات میں اور دن میں

وغیرہ آیتوں میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ صبح و شام ان کا شغل اپنے یاد کئے ہوئے قرآن کا اعادہ اور تکرار تھا۔

قرآن کی ان اندرونی شہادتوں کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کتاب کی حفاظت کا سامان کتابت و حفظ یعنی لکھ کر اور ذہنی یاد کر کے کیا گیا تھا اس کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت ہے خود قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت خود اس کتاب کے کرنے کا سامان اس حد تک کر چکی تھی کہ دوسری آسمانی کتابوں کو جو مختلف حوادث و پیش آنے رہے ان کا قطعی طور پر شروع ہی میں التداد کر دیا گیا تھا۔ سورۃ البقرہ میں ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ فَيَعْلَمُ کیا نہا رہے پاس معبود کی خبر پہنچی ہے یعنی فرعون

وَنُفِثَ اور خود کے معبود کی؟

(باقی آئندہ)

# خلیفۃ العظم امیر المؤمنین عبدالرحمن الناصر لدين الله

(۳)

از جناب سید انوار الحق صاحب حقّی ایم - اے - ایل - ایل - بی لکچر  
(تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

شاہان لیون اور نزار کی خلیفہ ناصر اس وقت عیسائیوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا  
کے دربار میں مسامحی اور یہی وجہ تھی کہ اُس نے اردوہ ثالث سے باعزت شرائط  
پر صلح منظور کر لی تھی ورنہ وہ اس سے کہیں زیادہ سخت اور تذلیل ہمیز شرائط منواسکتا  
تھا۔ مگر چونکہ سبکیو نے بد عہدی کی اس نے اپنی عزت و عظمت قائم رکھنے کی خاطر  
اس نے احمد کو یہ حکم دیا تھا۔

سبکیو نہایت ہی مغرور و متکبر تھا اور جلد ہی اس نے اپنی رعایا کو بد دل اور  
ناراض کر دیا۔ اس کی مطلق العنانی سے اہالی کلیسا اور امراء اس کے خلاف ہو گئے  
اور عوام اس کے مٹا پے سے جس کی وجہ سے اس کا جہلنا کچھ نادبہر تھا بد دل تھے  
آفرقبا ئی سرداروں کی مخالفت اور سازش سے مجبور ہو کر سبکیو نے اپنی نالی طوطہ ملکہ  
نزار کے پاس جا کر پناہ لی اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ اسے دوبارہ لیون کا تخت و تاجی  
لیون کا تخت دوبارہ حاصل کرنا آسان نہ تھا کیونکہ لیون میں سبکیو کا کوئی بھی  
حامی اور طرفدار نہ تھا اور سلطنت نزاری تھی مضبوط اور طاقت ور نہ تھی کہ ملکہ طوطہ تن تنہا

اپنے بل بونے پر لیون کی تسخیر کا خواب بھی دیکھنی اس کام کے لئے اسے خلیفہ ناصر کے علاوہ کوئی دوسرا مددگار و معاون نہ نظر آتا تھا جو اتنا طاقتور ہو کہ فتح و تسخیر کے بعد بھی اس کو تخت لیون پر برقرار رکھ سکے اور ساتھ ہی اس کے مشاہدے کا بھی علاج کر دے جس وجہ سے اُس کی رعایا کی اپنے بادشاہ سے بددلی و نفرت دور ہو جائے کیونکہ لیون کے عوام جنگجو اور بہادر تھے جن کی سیر و فوج شکار اور میدان جنگ کے علاوہ کچھ نہ تھی بقول "اسکاٹ" "جنگ ان کا پیشہ تھا اور جنگی مشقیں ان کی زندگی کا بہترین شغل اور لازمی جزو تھیں ایسا طبیبِ حافظ جو سینکڑوں کے مشاہدے کو دور کر دے صرف قریطہ ہی میں مل سکتا لیکن خلیفہ عبدالرحمن ناصر سے مدد مانگنے میں ملکہ طوطہ کی عزت و عظمت آنچ آتی تھی۔ پروفیسر ڈوزی کے الفاظ میں "ایسا سوال کرنے میں ملکہ کی عزت میں بڑگتا تھا کیونکہ اسے ایک ایسے بادشاہ کے سامنے سائل بننا پڑتا تھا جس کو وہ کافر سمجھتی تھی جس سے تین برس تک لڑائیاں ہوئی رہیں جس نے مشکل سے ایک سال ایسا جانے نہیں دیا کہ جس میں ملکہ کے ملک اور مشیوضات کو غارت اور دیہا ست و فصبات کو جلا کر خاک نہ کیا ہو۔ پس ایسے شخص کے سامنے ہاتھ پھیلنا ملکہ کی طبیعت کے خلاف تھا لیکن نواسے کی محبت اور اس کو کچھ تندرست اور صاحبِ تاج و تخت دیکھنے کی آرزو نے اسے بالکل مجبور کر دیا، نواسے کی مصیبتوں کے خیال سے ملکہ امداد میں اس بات کی غیرت نہ رہی کہ ایک مسلمان بادشاہ کے سامنے جس سے عداوت چلی آتی درخواست پیش کرے۔"

خلیفہ نے ملکہ کی درخواست کو قبول کر لیا۔ اور سینکڑوں کے علاج کے لئے شاہی طبیب حصدانی کو بھیجا۔ طبیبِ حافظ ہونے کے علاوہ حصدانی نہایت ہی شیر

مقال فصیح بیاں اور لائقِ دستِ تجربہ کا رُسفیر بھی تھا۔ سینگو کے علاج کے علاوہ خلیفہ نے اس کے سپرد یہ فرض بھی کیا کہ وہ اس کی شرطوں کو ملکہ سے منوائے۔ خلیفہ کی دو شرطیں نہایت سخت تھیں اول تو یہ کہ معاہدہ پر دستخط کرنے کے لئے ملکہ طوطہ، اس کا بیٹا غر سدا اور دوسرا سینگو قرطبہ آئیں اور دوسری یہ کہ لیون کی فوج کے بعد سرحد والے دشمنوں کو قلعے خلیفہ کے حوالے کر دئے جائیں گے پہلی شرط ملکہ کے لئے بہت سخت تھی۔ لیکن مجبوراً راضی ہو گئی اور اس طرح حصہ داری کی شیریں کلامی اور دانشمندی کی بدولت مسلمانانِ اندلس نے اپنی نارنج میں پہلی اور آخری بار یہ سماں دیکھا کہ ان کے قدیمی دشمنوں کے فرمانروا خلیفہ کے حضور میں حاضر ہو کر اس سے امداد و اعانت کے خواستگار ہوتے ہیں۔ لوگ غرضی سے بھولے نہ سہلتے تھے اور ان کی خوشیوں کا اندازہ ہمیں ان قصیدوں سے ہو سکتا ہے جو حصہ داری کی تعریف میں لکھے گئے تھے۔

اپنے موزر مہاروں کے ساتھ ان کی حیثیت و مرتبت کے مطابق شانِ سلوک کیا جس خوش اخلاقی اور خسر و اندرِ فاضلی سے وہ طالب و سائل بادشاہوں سے پیش آیا اس کے تمام پوربی موزرین مداح ہیں اسکاٹ کا کہنا ہے کہ ”بہت سے بادشاہوں اور امراء کو لے کر نینوں عیسائی بادشاہوں نے اپنا سفر صورت سفر شروع کیا جب وہ مسلمانوں کے ملک سے گزرے تو لوگ سخت تعجب کی نگاہ سے اس نئی بات کو دیکھنے لگے راستہ بھر ایک جم غفیر قطار در قطار کھڑا رہتا تھا۔ شہر اور قصبے ان کو دیکھنے کے لئے خالی ہو جاتے تھے۔ جس سے ان نینوں بادشاہوں کو راستہ چلنا مشکل ہو جاتا تھا قرطبہ میں جب پہنچے تو ان کا نہایت شان و شوکت سے استقبال کیا گیا جو ایسا تھا کہ عیسائی کسی قیاس و فوج کا کیا جانا ہے نہ ایسا کہ عیسائی کسی طالب و سائلِ نخت کا ہوتا ہے، ایلین

کی خوش نہ سیری نے جہاں تک ممکن ہو اس استقبال کو ایسے رنگ میں رنگا کہ سائیکوں کو اپنی توہین معلوم نہیں ہوئی۔“

پروفیسر ڈوزی لکھتے ہیں کہ ”اس امر میں شبہ کی ضرورت نہیں کہ ناصر کے لئے یہ دن بہت ہی خوشی اور اطمینان کا تھا۔ وہ دیکھتا ہو گا کہ اس کے پرانے دشمن اور بدخواہ رد میر ثانی فاتحِ شہیت مانگش والہ خندق کا فرزند سینگو اور وہ بہادر ملکہ جولڑائیوں میں خود اپنی فوجوں کو خلیفہ کے مقابلے پر لاتی تھی اس وقت دونوں اسکے قدموں پر سر رکھتے ہیں۔ اس قسم کے خیالات خلیفہ ناصر کے دل میں جو کچھ بھی ہوں لیکن کسی علامت سے اس نے انھیں ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور بقول لین پول ”وہ نہ ان لوگوں سے بڑی نزک و احتشام اور ان ساری خوش اخلاقیوں کے ساتھ ملا جو اس کا خاصہ تھیں۔“

اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ نے سینگو کی اپنی پوری طافت سے مدد کی اور عربی فوجوں نے ۱۹۵۹ء میں لیون کا بڑا حصہ فتح کر کے اس پر سینگو کی حکومت قائم کرادی اور ۱۹۶۰ء میں دارالسلطنت پر قبضہ کر کے سارا ملک اسی کے قبضہ و اقتدار میں کر دیا یہ خلیفہ کی سب سے شاندار اور آخری کامیابی تھی کیونکہ اگلے سال ۱۹۶۱ء کو اس نے اس دار فانی کو ستر سال کی عمر میں خیر باد کہا۔

خلیفہ عبدالرحمن عادل - ترقی پسند اور روادار تھا۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے اس نے اس فراغ دلی، روشن خیالی اور منصف مزاجی سے حکومت کی کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایک ایسے زمانہ میں جبکہ یورپ میں عباسی، رشوت ستانی، جبر و تشدد اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا اسپین ان سے بری تھا، جب یورپ میں مذہبی اختلافات پر رعایا زندہ آگ میں جلائی جاتی تھی اسپین میں وہ مسلمانوں کے خوش

بدوش امورِ سلطنت میں حصہ لیتی تھی۔ غیر مسلم رعایا پر مذہبی روک ٹوک نہ تھی۔ اپنی عبادت گاہوں میں وہ اپنے طریقہ پر عبادت کرنے تھے۔ عالم اور فاضل کی قدر تھی۔ اس لئے بلا امتیاز مذہب و ملت اعلیٰ عہدوں پر غیر مسلم فائز کئے جاتے تھے، خلیفہ کی دولت، طاقت، عظمت اور شان و شوکت یورپ اور افریقہ میں گھر گھر مشہور تھی اور ایشیا کے مسلم ملکوں میں بھی اس کا ذکر و چرچا ہونے لگا تھا۔

کارنامے | سلاطین اندلس میں خلیفہ عبدالرحمن الناصر کا درجہ سب سے بلند اور ممتاز ہے اور اس کا شمار دنیا کے مشہور فرمانرواؤں کی صفِ اول میں ہونا چاہیے۔ دوزی لکھتا ہے ”جو کام اس نے کئے وہ کام نہ تھے ملکہ قریب قریب معجزے تھے۔ جس وقت وہ تخت نشین ہوا تھا تو تمام ملک بد نظمی و خانہ جنگی کا شکار ہو رہا تھا ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا سلطنت مختلف النسل لوگوں کی جھوٹی جھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تھی جو شمال کے عیسائیوں کی لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا شکار ہو رہی تھیں اور جنوب اس کے قریب پہنچ گئی تھی کہ ان ریاستوں کو کہیں تو لیون کے عیسائی اور کہیں افریقہ کے فاطمی ایک دن اپنا نعرہ نہ بنالیں باوجود بے شمار مشکلات کے عبدالرحمن نے اندلس کو اندلسی دشمنوں کے فساد اور بیرونی دشمنوں کی حکومت سے بچالیا۔ . . . . اسپین میں اسلامی حکومت کو جو اعلیٰ رقبہ عبدالرحمن ثالث نے بنچادہ کبھی پہلے اسے حاصل نہ ہوا تھا اس کی سلطنت میں امن و استحکام پیدا کیا بیرون ملک اس کی عزت اور وقعت قائم کی۔“

خلیفہ نے بیرونی دشمنوں کے مقابل اپنی طاقت کو بہت بڑھایا تھا فاطمی خلفا در افریقہ کی طرف سے حملوں کی روک تھام کے لئے اس نے کیڑا کے مقام پر ایک مستقل مستقر قائم کیا تھا۔ سبھی جنگوں میں بھی وہ اپنے عربیوں کا ہمسر رہا شمال کی عیسائی



ریاستوں سے اُس نے اپنا لوہا منوالیا تھا۔ اور اُن پر اپنی طاقت و عظمت کا ایسا سکھ جمایا تھا کہ وہ اب اُس کی مخالفت اور مہسری کے دعوؤں کے بجائے اُس کو اپنا مربی و سرپرست تسلیم کرنے لگی تھیں۔ اور ان کے مغرور فرمانروا اس کے پاس اپنے جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے آنے لگے تھے اس نے اندس کو اغیار کی نظروں میں نہایت ذلیل بنا دیا تھا اور دور دراز ملکوں کے سفیر خلیفہ کے دربار میں حاضری دینے لگے۔ فرانسس۔ جرمینی اٹلی اور قسطنطنیہ کے حکمران اس کو تحفے بھیجتے تھے اور اس کی دوستی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے

دولتِ عثمانیہ خلیفہ ناصر کے عہد میں تمام ملک خوش، فارغ البال، ترقی پذیر اور پر امن تھا۔ اس سے پیشتر اندس کبھی اس قدر زر خیز و پرسکون نہ تھا۔ صحت و وسعت عروج پر تھی۔ تجارت کو روز افزوں فروغ تھا۔ اور زراعت ہمارا آؤرتھی، رہا خوش حال اور فارغ البال تھی۔ ملک کی مرز و محالی کا اندازہ اس کی آمدنی اور آبادی سے بخوبی ہوتا ہے عبدالرحمن کے عہد حکومت میں ملک کی آبادی تین کروڑ سے زیادہ تھی۔ بڑے بڑے شہروں کی تعداد اتنی تھی جن میں اشبیلیہ اور المبریا کی آبادی پانچ پانچ لاکھ۔ غرناطہ کی چار لاکھ پچیس ہزار۔ ملاغہ کی تین لاکھ۔ بلنسیہ کی ڈھائی لاکھ اور طلیطلہ کی دو لاکھ تھی چھوٹے شہروں اور قصبوں کی تو کوئی گنتی ہی نہ تھی۔ صرف وادی الکبیر ہی پر بارہ ہزار گاؤں بستے ہوئے تھے شہروں میں صفائی اور روشنی کا خاص انتظام تھا۔ سڑکیں پختہ تھیں اور ان پر دور دریا لٹینیں نصب تھیں گندے پانی کے لئے باقاعدہ نہایت چوڑی اور پختہ موریرا اور نالوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ حکومت کے علاوہ عوام کبھی اس قدر صفائی پسند تھے کہ مورخین کا بیان ہے کہ انہیں بھوکا رہنا منظور تھا مگر گندگی اور غلاظت کو دور کرنے کے

لئے وہ آخری پائی تک صرف کر دیتے تھے۔ بقول لبن پول جب قرون وسطیٰ کے عیسائیوں نے نہانے دھونے اور پاک و صاف رہنے کو کافروں کی رسم سمجھ کر مردود قرار دے دیا تھا اور جب پادری اور پادریں اپنی گندگی کی فخریہ نشرو اشاعت کرنی پھرتی تھیں یہاں تک کہ ایک عیسائیہ ولیہ نے نفاخریہ واقعہ قلمبند کیا ہے کہ اس نے ساٹھ سال کی عمر میں ایک مرتبہ بھی غسل نہ کیا اور سوائے مذہبی ضرورت کے انگلیوں پر پانی چھڑکنے کے سوا کبھی بانی کے قریب تک نہ گئی۔ جس زمانہ میں میلہ کچلا رہنا عیسائی تقدس کا تختہ تھا اس زمانہ میں مسلمان صفائی اور پاکیزگی کے سبب سے بڑے علبردار تھے۔ . . . . آخر میں جب اسپین پر دوبارہ عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تو فلپ دوم، انگلستان کی ملکہ میری کے شوہر نے جو اسپین کا بادشاہ تھا اپنے حکم سے تمام پبلک حماموں کو توڑ داکر زمین کے برابر کر دیا تھا کیونکہ وہ ”کفار“ کی تہذیب و تمدن کے اعلیٰ نمونہ تھے، اور بات بھی یہی تھی کہ چونکہ حاکم مسلمانوں کی معاشرت و تہذیب کا جزو لا ینفک تھے۔ آبادی اتنی گنجان تھی کہ ایک دن کے سفر میں ایک مسافر کو مین شہروں اور لالہ دادیہات اور قصبات سے گزرنا پڑتا تھا اور شہر کے دونوں طرف پھل اور سایہ دار درختوں کا لالہ تنہا ہی سلسلہ ہوتا تھا آبادی کی طرح اندلس کی دولت مند بھی ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہے فارغ البالی اور مرزا الحالی کے سلسلہ میں پورب کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ بغداد اور الف لیہ کی رنگین و مبالغہ آمیز روایات پہنچ ہیں۔ حکومت کی سالانہ آمدنی ساڑھے آٹھ کروڑ روپے تھی دوسویں صدی میں روپیہ کی قیمت کی نسبت آجکل کے لحاظ سے وہی تھی جو ایک کوئس سے ہوتی ہے (عبدالرحمن نے محاصل میں کمی و تخفیف کر دی تھی۔ معدنیات، مال تجارت اور پیداوار پر ۱/۱۰ ٹیکس تھا مال درآمد۔ جائداد کی فروخت اور دوکانوں پر بھی کچھ برائے نام ٹیکس تھا۔ حکومت کے

رعب و دبدبہ اور غلیفہ کی شان و شوکت کے لئے عمارات و قصور پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا اور عیسائیوں کے خلاف مسلسل پچاس سال جنگ میں پانی کی طرح روپیہ بہا یا گیا لیکن پھر کبھی غلیفہ کی وفات کے وقت پچاس کروڑ روپیہ خزانہ میں موجود تھا یہ دولت ٹیکسوں کی بھرمار غلاموں کی محنت یا جنگ کے مال غنیمت سے نہیں حاصل ہوتی تھی بلکہ زراعت اور صنعت و حرفت کی ترقی نے ملک کو مالا مال کر دیا تھا۔ زراعت کو اس قدر ترقی دی گئی تھی کہ ایک فٹ زمین بھی بھر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ جنگلات صاف کر کے کاشت کی جاتی تھی اور سارے ملک میں آبپاشی کا نہایت معقول انتظام کیا گیا تھا۔ اسکاٹ کا بیان ہے کہ ”مسلمانوں کو کچھ ایسا تجربہ تھا کہ خشک زمین کو کبھی دیکھ کر بتلا دیتے تھے کہ آیا یہاں پانی ہے یا نہیں آج تک پہاڑوں میں ان کی کھودی ہوئی نالیاں موجود ہیں جو ان کی محنت و مشقت کی زندہ شہادت ہیں“ تمام ملک میں ہندوں کا جال بچھا ہوا تھا اور ہر جگہ ہلہاتے ہوئے باغات، پھل پھول اور مہوے نظر آتے تھے جنوبی صوبوں میں نوسال میں تین تین اور چار چار فصلیں تک پیدا کی جاتی تھیں۔ سامنٹک طریقوں سے کاشتکاری ہونے کی بدولت غلہ کی اس قدر فراوانی تھی کہ تین کروڑ سے زیادہ آبادی کے لئے کافی ہوا تھا اور نہایت سستا تھا۔

انڈس میں مام سیرٹھی اور فارغ البالی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معمولی سے

۱۔ فضائے قدیم بے گیارہ اور غیر ہونے میں ضرب المثل تھا مگر مسلمانوں کے زمانہ میں وہاں سرسبز جنگلات اور باغات بھورت گاؤں آباد تھے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں لامٹکا کے جس میدان میں مد نظر تک کہیں تک بھیت تھے وہاں اس وقت بھوکے جانوروں کو کہیں کہیں منارنے کو گھاس نظر آ جاتی ہے۔۔۔۔۔

۲۔ آج کل کے مقابلہ میں فصلیں پوری سوگنی پیداوار دیتی تھیں۔ (اسکاٹ)

معمولی آدمی بھی صاف اور خوبصورت لباس زیب تن کرتا تھا۔ سواری کو کھاتا تھا۔ اور خوش ذائقہ دشبیر پہل اس کی غذا کا ضروری جزو تھے جبکہ اس وقت یورپ میں گرانی اور کمیابی کی وجہ سے پھلوں کا تعلقاٹ میں شمار ہوتا تھا۔ پیشہ ورنقبیرنا پید تھے۔ بیمار اور اچھوں کے علاج اور خبر گیری کا ہافا عدہ سرکاری انتظام ہوتا تھا۔ یتیموں کی تعلیم اور پرورش کا بھی خلیفہ کی جانب سے مناسب اور معقول بندوبست تھا۔

علم دوستی | خلیفہ کو علم و ادب سے خاص شغف تھا۔ اور خلیفہ کی فیاضی۔ قدر افزائی اور فراخ خوئی کی شہرت نامہ دنیا میں تھی اور اس کی قدردانی کی وجہ سے فرطہ جبہ علوم و فنون کے علماء اور فضلا کا مرکز و منزل ہو گیا تھا۔ فرطہ کے طبیب اور جراح اپنا جواب نہیں رکھتے تھے خلیفہ کی علم دوستی اور شوق کی وجہ سے سارے ملک میں علم و ادب کا خاص جرجا تھا اور بقول اسکات ”قصر شاہی میں، شہزادوں کے محلوں میں، امرا کے مکانات میں، علما کے گھروں میں ہر ایک متلاشی علم کو اپنے دل و دماغ کی ترقی کا پورا سامان مل جاتا تھا کیونکہ ہر جگہ مذاق عام کے مباحثے ہوتے رہتے تھے کہیں سائنٹفک تحقیقات ہوتی تھیں کہیں علمی تقریریں سنی جاتی تھیں۔ کہیں بدیہ گوئی کی مشق ہوتی تھی۔ کہیں شعراء کی آپس میں طبع آزمائیاں ہوتی تھیں۔ ہر ایک پیشہ، ہر ایک طبقہ، ہر ایک گروہ میں نہایت کارآمد اور خوبصورت صنعتوں کا زور تھا مرد، عورت علم و ادب کے شیدائی تھے اور ہر فرد اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ خلیفہ اور خلیفہ کے بڑے بیٹوں نے اپنی اپنی علیحدہ لائبریریاں قائم کی تھیں۔ اور خود خلیفہ اپنی لائبریری میں کئی کئی گھنٹے علمی بحث و مباحثہ میں صرف کیا کرتا تھا اور یہ خلیفہ کی علم دوستی اور شوق کا اثر تھا کہ رعایا کو بھی علم سے انٹی دھسپی اور گر دیدگی ہو گئی تھی۔ کہ وہ عدہ کتب کے مقابلہ میں زرد و اجاہر کو، سچ سمجھتے تھے۔ بہترین اور بے مثل

کتب خلیفہ ناصر اور اس کے بعد اس کے لائق، علم دوست اور علم پرور بیٹے حکم کے دورِ حکومت میں تصنیف کی گئیں۔ قابل اور لائق مصنفین کی تعداد کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عبدالرحمن کی وفات کے تین سال بعد ابن خلدون نے ایک ضخیم کتاب صرف مولفین اور مصنفین کے مختصر حالات پر لکھی۔

تعلیم عام تھی۔ عام طور سے ہر شخص قرآن کریم پڑھ سکتا تھا قریب قریب ہر جگہ میں ایک اسکول تھا۔ جہاں مفت تعلیم ملتی تھی۔ اہل اسپن علم کے اس قدر شائق ہو گئے تھے کہ اوسط درجہ کے مسلمانوں نے بھی اپنے گھروں اور احاطوں میں مکتب اور مدرسے قائم کئے تھے۔

رفاہ عام تجارت، زراعت اور صنایعوں نے ملک میں دولت کے انبار لگا دئے تھے اور شاہی خزانوں کے علاوہ رعایا بھی مالا مال تھی خلیفہ کو رفاہ عام کا اس قدر شوق تھا کہ دنیا کی سلطنت کا ایک تہائی حصہ اس میں خرچ کرنا تھا مسلم قیدیوں کی رہائی کے لئے خلیفہ بڑی جدوجہد کی اور اس کام کو اس دقت تک جاری رکھا گیا جب تک خلیفہ کو یہ یقین نہ ہو گیا کہ ایک بھی مسلمان کسی دوسری مملکت میں بطور قیدی یا غلام کے موجود نہیں ہے۔ عمارت بنوائے گا بھی خلیفہ کو بہت شوق تھا۔ محلات، مساجد، حمام، چشمے، فوارے، پل، باغات، شکرین وغیرہ وغیرہ آج بھی مسلمانوں کی اس عظمت و شکوہ کی شاہد ہیں جن کی یاد دل سے کبھی فراموش نہ ہوگی۔

صنعت و حرفت ملک کی بیرونی تجارت اور سواحل اندلس کی حفاظت کے لئے ایک نہایت ہی طاقتور اور بحری بیڑہ تھا۔ اور لوگ بحری سفر کے اس قدر شائق ہو گئے تھے کہ جو مقامات یا علاقے دریادوں کے کنارے نہیں تھے ان کو مضبوط اور پنجہ شکر دلوں کے ذریعہ

درباروں سے ملا دیا گیا تھا۔ چنانچہ اکثر شہر و دیہات سے صرف ایک دن سے زیادہ کی مسافت پر نہ گئے تجارتی بیڑہ کی بدولت اندلس کے تجارتی تعلقات نہایت وسیع تھے۔ اور یورپ ایشیا اور افریقہ کی نادرا اشیاء اندلس کے شہروں میں نہایت آسانی اور فراوانی سے ملتی تھیں جو خام پیداوار غیر مملکت سے آتی تھیں اس کو اہل اسپین تیار کر کے باہر بھیجتے تھے اس وقت بارچہ بانی، فن مشینہ گری، مرصع طلائی زیورات بنانے، چاندی اور تیل کے برتن ڈھانے میں کوئی ملک اسپین کا ہمسر نہ تھا قرطبہ میں تقریباً دو تین لاکھ گھر تھے جن میں سے تین چوتھائی گھرانہ صنایعوں اور کاریگروں کے تھے جو بارچہ بانی اور دیگر فنون کے استاد کامل تھے مگر صنایع کے لحاظ سے المیریا اور اشبیلیہ کو قرطبہ پر بھی فوقیت حاصل تھی اور یہ صنعت و حرفت و راعمت و تجارت کی بجالی اور ترقی کا نتیجہ تھا کہ تکلیف دہ ٹیکس معاف کر دینے اور محاصل میں کمی کر دینے کے باوجود خلیفہ عبدالرحمن الناصر کی آمدنی عبدالرحمن اول سے بیس گنی اور عبدالرحمن دوم سے پانچ گنا زیادہ تھی۔

ملک میں امن و امان کا دور دورہ تھا خلیفہ ہر ایک کے ساتھ یکساں انصاف و عمل کا حامی و خواہاں تھا ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے آدمیوں کی جان و مال اور حقوق کا یکساں لحاظ کیا جاتا تھا۔ محافظہ و ستر کوں پر پورہ دینے تھے اور آمد و رفت کے ذرائع اتنے عمدہ اور محفوظ تھے کہ دیہاتوں کی پیداوار اور صنعتی اشیاء ملک کے گوشہ گوشہ میں باسانی پہنچ جاتی تھیں۔

قرطبہ افریقہ کی شان و شوکت یورپ میں فسطاطینہ کے سوائے سب سے بڑھی ہوئی تھی فلسفہ اور سائنس کا مرکز و بیع تھا۔ جگہ جگہ علم و سہرہ۔ فن و کمال کا چراغ تھا۔ اس کی علامات باغات، مدرسے، کتب خانے، شفا خانے، سڑکیں اور اس کے شہریوں کی

نفاست و لیاقت کا عام شہرہ تھا۔ اور ان باتوں میں یورپ کا کوئی شہر بھی اس کا مقابلہ کر سکتا تھا اس کا یورپی مورخین کو کبھی اعتراف ہے۔ لیکن پول لکھتا ہے:۔

”جب ہمارے سیکسن آباؤ جی مکانات میں رہتے تھے اور گندی ہپالوں پر سوتے تھے جب ہماری زبان بھی نہ بنی تھی اور جب لکھنا پڑھنا صرف معدودے چار پادریوں کا اجارہ بنا ہوا تھا ہمیں اس زمانہ کے اندلسی مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی فوج کئے بغیر چارہ نہیں اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں تمام یورپ جہالت اور دہشت کا آماجگاہ بنا ہوا تھا تو اندلس کے دار الحکومت قرطبہ کے علوم و فنون کی روشنی سے ہمارے آنکھوں میں چمکا چوندھ پیدا ہونے لگتی ہے۔“

قرطبہ دس میل کی لمبائی میں بسا ہوا تھا اور اس کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ تھی۔ مکانات کی تعداد دو اور دین لاکھ کے درمیان تھی۔ اس میں سات سو مسجدیں، سو پبلک حمام، اسی ہزار چار سو دکانیں، چار ہزار تجارت کے گودام، پچاس شفاخانے، ایک دارالعلوم اور لاتعداد مدرسے و مکتب اور پبلک کتب خانے تھے۔ باغات اور تفریح گاہوں کا کبیا شمار۔ مرقی کے بیان کے مطابق قرطبہ اس زمانہ میں تمام دارالعلوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا اور دنیا کے مختلف حصوں سے طلباء تحصیل علم کے آیا کرتے تھے اور فن شعر، سائنس، فلسفہ، انبیات اور قانون وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

برہنہاٹ اور ای ایم ویشیا لکھتے ہیں کہ ”سائنس آرٹ، اور ادب اس عہد میں جیسے مسلم اسپین میں عروج پر تھے۔ ویسے یورپ میں اس وقت کہیں بڑا شاندار عمارات اور خانگی زندگی کی عیش و عشرت یورپ میں اندلس جیسی کہیں بھی نہ ملتی تھی

سوسائٹی میں مسلمان عورتوں کو وہ مرتبہ اور عزت حاصل تھی۔ جو اس وقت یورپ میں  
میسائی عورت کو کہیں بھی نصیب نہ تھی اور نہ صدیوں بعد تک حاصل ہو سکی۔ صنعت و حرفت  
اور زراعت میں ملکہ علوم و فنون، فلسفہ و سائنس کے ہر شعبہ اور ہر شے میں عروں نے  
اس قدر ترقی کی تھی اور ان کی ترقی سے دنیا کو اس قدر فائدہ پہنچا کہ اس کی شکر گزاری کسی طرح  
مکن نہیں ہے۔“

اعتراضات | مندرجہ بالا صفحات میں ہم نے خلیفہ عبدالرحمن کے دور حکومت پر ایک سرسری  
نظر ڈالی۔ اور قبل اس کے اس مختصر مضمون کو ختم کیا جائے چند اعتراضات کا جواب دینا  
مزدوری ہے۔

۱۔ اسکاٹ کا یہ اعتراض ہے کہ عبدالرحمن کا دامن بہت سے بدناماؤں سے  
لوٹ ہے اس کے عادات و اطوار پسندیدہ نہ تھے۔ اور اہل کے جذبات عیش و نشاط  
..... دیوانگی کی حد تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ تعصب پر مبنی ہے  
معلوم نہیں اس نے کہاں سے اور کیونکر یہ الزام تراشا۔ کیونکہ علامہ مقری نے صاف  
صاف لکھا ہے کہ عبدالرحمن کی سیرت کے خط و خال اسلامی تھے۔ جب ہم خلیفہ کی  
خدمات ملک کو دیکھتے ہیں تو ہم کیسے اور کیوں کہ یقین کر لیں کہ اس شخص کی زندگی بوجہ  
میں بسر ہوتی یا یہ کہ وہ نفسانی خواہشات سے مغلوب رہتا تھا؟ عرب مورخین کا بیان  
ہے کہ خلیفہ کی وفات کے بعد ان کے کاغذات میں ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا پرچہ نکلا جس  
میں انھوں نے ان دنوں کو احتیاط سے قلمبند کیا تھا جن میں بے فکر رہے تھے ایسے  
دنوں کی کل تعداد چودہ تھی۔ یہ اس شخص کی ذمہ داری اور احساسِ فریق کا حال ہے جسے  
عیش پرست کہا جاتا ہے اور جس کے متعلق بقول علامہ مقری سعادت نے قسم کھائی



تقی۔ ترقیات دنیاوی اور وسعت ملک میں وہ ضرب اٹھاتا تھا۔ اس نے پچاس برس سے زیادہ حکومت کی مگر صرف چودہ دن بے نگرانی کے ملے اس میں شک نہیں کہ اس کے حملات کی سجادت، اور بناوٹ میں اکثر جگہ عریاں مناظر پیش کئے گئے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عریاں تصاویر و نقوش اس کی اخلاقی پستی اور درکیک جذبات کا مظہر ہیں بلکہ حبیبیہ کہ پردیسر ڈوزی نے لکھا ہے کہ ”یہ چیزیں خلیفہ کی قوتِ تخلفی اور فنِ سبہ گری کا مظاہرہ کرتی ہیں“

عمارات سے معمار کا اندازہ کیا جاتا ہے اور عبدالرحمن کی قابلِ توصیف و ذریں کامیابیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اپنی سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار کے اعتبار سے اور علم و ادب، ہنر و ذہانت کی سرپرست حیثیت سے وہ یورپ کے ہر تاجدار سے بڑھا ہوا تھا۔

اس طرح لعین مورخین زوالِ نبو امیہ کا سبب خلیفہ عبدالرحمن کو قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ وہ خلیفہ ہے جس نے اسپین کو دنیا کا سب سے مضبوط اور ترقی یافتہ ملک بنایا۔ درحقیقت زوالِ اسپین کا سبب عبدالرحمن کا دور حکومت نہیں بلکہ اس کے بیٹے حکم ثانی کی حد سے زیادہ معزوفیاتِ علم و ادب تھی۔ حکم کا سارا وقت علم و فنون کی ترقی میں صرف ہوا اور وہ انتظامِ مملکت کی طرف متوجہ نہ ہو سکا جس کی وجہ سے خلافتِ اندلس کی بنیادوں میں وہ استواری اور مضبوطی نہ رہی جو اس کے علیل القدر باپ نے چھوڑ دی تھی۔ مگر اسپین کی تباہی کا ذمہ دار حکم بھی نہیں بلکہ اس کے مکرور عیش پرست ہانشین اور وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذہبی چھبڑ بھارت اور خانہ جنگی کے اس کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا وہ ملک جو اتحاد و اتفاق، اخوت و یگانگت کی وجہ سے

رفت میں فریادِ مقابل تھا اور جو آسمانِ شہرت پر مثلِ ماہِ چہارِ دہم جگ رہا تھا، انفاقِ بول کی بدولت اپنی حفاظت نہ کر سکا اور مسلمانوں کی جلاوطنی کے بعد بقولِ لیلین بول تھوڑے عرصہ تک عیسائی اسپین ماہتاب کی طرح مستعار روشنی سے بارونق نظر آیا۔ اس کے بعد اس کو گھن لگ گیا اور آج تک ایسی تاریکی میں پڑا ذلتیں اٹھا رہا ہے۔ زوال اسپین ایک الگ مضمون ہے اور آئندہ کسی موقع پر اس سے بحث کی جائیگی۔

تاریخ میں خلیفہ کا مرتبہ | عبدالرحمن بڑا فرض شناس اور لائقِ فرمانروا تھا وہ امورِ سلطنت میں معمولی سے معمولی چیزوں پر بھی غور و فکر کیا کرتا تھا نہ صرف زمانہ و سطح کا ایک طبعِ اللہ خلیفہ تھا بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی جبکہ جمہوریت اور عوامیت کا دورِ دورہ ہے وہ ایک اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیونکہ عبدالرحمن نے رعایا کی خوشی اور خوش حالی کو ہمیشہ اپنا فرضِ اولین تصور کیا اور کبھی ایک منٹ کے لئے بھی اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کو فراموش نہیں کیا یہی جمہوریت کی اساس ہے لیکن اگر ہم بنظرِ غور اور انصاف دیکھیں تو نہ صرف اس زمانہ میں بلکہ آج بھی اس کا عملی سبق کہیں نہیں ملتا۔

اس نے رعایا میں صحیح جذبہ ترقی پیدا کیا انھیں علم و ادب صفاتی اور پاکیزگی تہذیب و تمدن رحم و انصاف اُفت و محبت حسن و نفاست صناعی اور کاریگری کا فگر بنا کر گمنامی کے فرِ ذلت سے نکال کر بامِ عروج و شہرت پر پہنچا دیا اس نے عرب قوم اور اسپین کا نام تمام دنیا میں روشن کیا اور تاریخِ عالم میں ایک ازوال ایک ادبی اور غیر فانی کارنامہ چھوڑ گیا وہ دور

دستلی کا مکیم تھا جس نے اپنی ضربِ حیات آفریں  
سے اسپین کی جانِ خفته کو بیدار کیا وہ ایک مسیحا  
تھا جس نے اپنے ملک اور قوم کی چارہ سازی کی۔

## مُصَنَّفُ لُغَاتِ الْقُرْآنِ

### جلد اول

### طبع جدید

لغات القرآن، جلد اول بہت دن ہوئے کہ ختم ہو چکی تھی اور ادارہ اگر اگست ۱۹۷۸ء کے  
بہنگاموں کی پریسٹ میں بڑا گیا ہوتا تو اب سے بہت پہلے اس کا دوسرا ایڈیشن طبع ہو چکا ہوتا لیکن اس  
قیامتِ خیر نہ گامے میں لاکھوں روپے کے اسٹاک کے ساتھ اس کتاب کی بھی بہت سی کتابت  
شدہ کاپیاں ضائع ہو گئیں اور تقریباً تمام کاپیاں نئے سرے سے لکھی گئیں شکر ہے مہینوں کی  
کاوش کے بعد حد درجہ اہم اور ضروری کتاب تیار ہو گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ لغتِ قرآن پر  
ایسی جامع اور مکمل کتاب ہماری زبان میں آج تک شائع نہیں ہوئی، الفاظِ قرآن کی مکمل تشریح،  
اور متعلقہ مباحث کی ضروری تفصیل کے ساتھ تفصیلِ قرآن اور اہل قرآن یعنی قرآن مجید نے  
جن مقامات کا تذکرہ کیا ہے ان کا مفصل بیان بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔

ہندوستان کے مشہور مرمون، اخبار "مدینہ" نے کتاب کی پہلی ایڈیشن پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا "جو  
لوگ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے اس میں کلامِ پاک کے تمام الفاظ و  
کلمات کے معنی نہایت شرح و بسط کے ساتھ عام فہم اردو میں درج کئے گئے ہیں جو اردو میں اس موضوع پر چند  
کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن زیر تبصرہ کتاب ہر لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتی ہے طاعت و کتابتِ قرآن و ترویجِ معنی کی روایت  
شان کے مطابق اس گرانی و گرانی جانی کے زمانہ میں بھی حریت ناک طور پر بہت عمدہ اور دیدہ زیب ہے" صفحات ۲۷۶  
بڑی نفع بخش قیمت چار روپے پچاس پائے۔ ۳۲

# ابو المنظر حلال الدین محمد شاعر ثانی

(۳)

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

آگے فرماتے ہیں۔

”پس اول مقدم میں اسست کہ اں صاحب بذات خود مستعد محنت کشی  
دملک گیری شونند“

آپ کے سامنے فقہ اٹھ رہے تھے، سکھوں نے ظلم پر کمر باندھی تھی اسباق  
کا ناغل بڑھا ہوا تھا ایک دن خود دربار میں تشریف لے گئے اور فرمایا۔  
”بہ قبیہ آہنا (حق سیکھاں) باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در ضمن  
آں اسست“

سکھوں کی چیرہ دستیایں انہما کو پہنچ گئی تھیں۔ دہلی کے علماء کے خاندان  
ہراساں در پرتیان تھی بڑے بڑے خاندانوں کو عزت و ناموس کا خطرہ تھا شاہ عبدالعزیز  
نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ کو ایک خط میں لکھا۔

ایام برداشت فالقلب منخیرع من قوم سکہ وان الخوف معقول  
سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے سکہ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے  
تذکرہ شاہ ولی اللہ میں مولوی رحم بخش دہلوی نے پورا خط نقل کیا ہے اس مہد کے

علماء کی سنی ٹھوڑی بہت مرزا خف خاں کے ہاتھوں پوری ہوئی جس کی تفصیل پہلے  
آچکی ہے

شعرا کا جھگڑا دہلی میں ان دنوں اردو شاعری شہساز پر تھی آئے دن مشاعرے ہونے  
میر تقی میر کے یہاں مشاعرہ ہوتا اس کے بعد میر ممنون نے اپنے یہاں شعرو شاعری  
کی محفل جمائی مگر مرہٹہ گردی نے صحیحوں کا لطف اٹھا دیا تھا۔

دلی کی شعرو شاعری کی سبھا کا اجازت دلی میں جاٹ گردی نے امرتوار امرابا فصل دکنال کو بھی  
چین نہ لینے دیا۔ کوئی مرشد آباد و عظیم آباد گیا کوئی دکن پہنچا جن میں دوی کی سکت نہ تھی  
وہ فرخ آباد اور فیض آباد سدھارے

نواب شجاع الدولہ کو محمد اسحق خاں شوسری کی بیٹی امہ الزہرا بیگم جو محمد شاہ آباد  
کی منہ بولی بیٹی تھیں ان کی سیر حشمتی سے آدھی دلی ادھر کھینچ گئی مرزا جواں نخت جو لکھنؤ گئے  
کچھ شعرا انکے پاس پہنچے مرزا سلیمان شکوہ کا لکھنؤ میں دوسرا دربار نقادلی سے جو جانا ان کا  
خوان کرم کا مہمان رہنا۔

علامہ سراج الدین علی خاں آرزو دلی سے لکھنؤ چلے گئے نواب سالار جنگ کے  
یہاں دن گزارے میر غلام حسین فاضل نے فیض آباد جابا یا میر سوزا اور مرزا رفیع  
دلی کا گہرا رنگ دیکھ کر فرخ آباد گئے وہاں نواب مہربان خاں رند نے ہاتھوں ہاتھ  
”جب وہاں کا کھیل بگڑا تو فیض آباد بھر لکھنؤ آ گئے“

میر محمد تقی میر نے جاٹ گردی سے گہرا کر دھن اکبر آباد چھوڑا کچھ عرصہ دلی میں  
خوش وقتی سے بسر کی بقول صاحب گل رعنا و شعدار نے مدتوں ان کو دلی سے نکلنے نہ  
دیا آخر کب تک وہ گہرا کر لکھنؤ چلے گئے پھر شیخ غلام بہدانی مصحفی۔ میر دلی اللہ محب

میر غلام حسین پرستہ۔ میر انشاء اللہ خاں انشاء اور جرأت بھی لکھنؤ پہنچ گئے۔ مرزا قلی  
جو ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے ساتھ شمل ساہ کے تھے اُن کے مرنے پر دلی سے منہ  
موڑ گئے غرض کہ دلی کی شعرو شاعری کی سبھا جڑ گئی۔

علمی دور | شاہ عالم کا ابتدائی زمانہ دلی سے باہر گندرا عالمگیر ثانی کا عہد تھا گو طوائف الملوک  
کا دور دورہ تھا امن صین کہاں مگر علمی زنی بالخصوص دینیات کی وسعت پذیر تھی حضرت  
شاہ دلی النذ کے صاحبزادگان علمی باط بچھائے ہوئے تھے حضرت شاہ عبدالعزیز شاہ  
عبدالقادر کی درسگاہیں رونق پر تھیں اقطار ہند سے طالبان علم حدیث و قرآن آ کر فیض  
باب ہو رہے تھے قال اللہ وقال الرسول کی گرم بازاری تھی یہی زمانہ تھا۔ حضرت شاہ  
فخر الدین دکن سے دلی آئے تو اجمیری دروازہ کے باہر امیر غازی خاں فرزد جنگ کے  
مدرسہ میں درس دینے لگے علوم معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہائے  
”سینہ“ نے نگوہ حقائق و دلہائے معارف گشت خفقان بیدار  
دے ہو شان ہو شیار گشتند بے خبراں باخیر و بے ازان باؤ گر دبد بند

آپ کے شاگرد مولانا سید احمد گبی درس دیتے تھے میر بدیع الدین حضرت  
شاہ عبدالرحمن لکھوی آپ کے شاگردوں میں نامور تھے۔

غرض کہ ملکی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانہ میں بھی علماء درس و تدریس  
میں مشغول تھے مخالف ہوا تیز و تند لیکن یہ لوگ اپنا جوار غ جلا رہے تھے حضرت شاہ  
عبدالعزیز قدس سرہ نے اپنے عہد کے علمی جہڑوں کا اس طرح ذکر کیا ہے  
بہادر رس کو طائف النصیب بہا کہم نفع عینہ لا علی الصحف  
لہ مناقب فخریہ۔

جس طرف نکل جائے اس میں ملازم نظر آئیں اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہو گا  
حضرت شاہ فخر الدین اور حضرت شاہ مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ علم طریقت  
کی باطنیں بھجائے ہوئے تھے۔

ان درسگاہوں نے کثرت سے علماء پیدا کر دیے اور یہاں سے کامیاب  
ہو کر جہاں گئے وہاں علم کی ترویج کی۔ شاہ عالم کے عہد میں اردو میں قرآن مجید کے  
ترجمہ ہوئے بشاہ عبدالقادر شاہ رفیع الدین حکیم شریف خاں کی سعی کے مشکور ہوئے  
شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے دہائی پارہ کی تفسیر فارسی میں لکھی۔

فصول حکم کا ترجمہ اردو میں کلیم دہلوی نے کیا۔ الہی بخش اکبر آبادی نے ایک  
کتاب اردو میں لکھ کر بادشاہ کے نذر کی۔ اس عہد میں اردو میں کثرت سے کتابیں  
لکھی گئیں۔

علمائے کرام | حضرت شاہ فخر الدین ابن شاہ نظام الدین اوزبک آبادی ندوۃ شیخ الشیوخ  
شہاب الدین سہروردی والدہ سیدہ بیگم حضرت سید محمد گیسو دراز کی پوتی تھیں ۱۲۶۷ھ  
میں پیدا ہوئے مولانا محمد میاں محمد جان مولوی عبدالحکیم سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل  
کی بیعت اپنے والد سے فرمائی وہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مرید تھے  
۱۲۶۷ھ میں دہلی آئے اور مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ میں درس و تدریس میں  
لگ گئے اس کے علاوہ رشد و ہدایت کی محفل الگ جنہے لگی بڑے پائے کے بزرگ  
تھے ۲۷ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ کو وصال ہوا تاریخ گفت ہالفت خورشید دوجہانی  
۱۱۹۹

لے تذکرہ خواجہ امیر حسن لے تذکرہ ہمیشہ بہار نضر اللہ خاں قمر

حضرت نظہریان جاناں ابن مرزا جان دہلوی - شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے حدیث پڑھی تیس برس تک مشائخ نقشبندیہ سے کسب کمال کیا شعر و شاعری میں صاحب کمال تھے فارسی میں بیس ہزار اشعار میں سے ایک ہزار اشعار کا دیوان ہے جو زلیط جواہر سے کم نہیں اردو میں غزلیں اور اشعار کافی ہیں۔ ساقیوں محرم <sup>۱۱۵۰ھ</sup> کو ایک ایرانی نے مرزا نجف خاں کے اشارہ سے ان کے قرا میں ماری دوسویں کو وصال ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ابن شاہ دلی اللہ عمری دہلوی باب سے جملہ علوم حاصل کئے سن پیدائش <sup>۱۱۵۰ھ</sup> ہے اور وفات کا <sup>۱۲۳۹ھ</sup> تفسیر فتح القدیر تحفہ اثنا عشریہ بستان المحدثین یادگار سے ہیں

حضرت شاہ رفیع الدین ابن شاہ دلی اللہ عمری قدس سرہ کا قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور چند تصانیف یادگار سے ہیں <sup>۱۲۳۳ھ</sup> میں انتقال کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر ابن شاہ دلی اللہ نے تمام عمر اکبر آبادی مسجد میں گزار دی مفتح القرآن <sup>۱۲۰۵ھ</sup> میں لکھی تینوں بھائی درس و تدریس میں تمام عمر لگے رہے بعد ۶۳ سال <sup>۱۲۳۳ھ</sup> میں وصال ہوا مہندیوں میں دفن ہیں۔

حافظ فخر الدین محدث نبیرہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی محمد شاہی عہد کے بزرگ تھے عمر کا بقیہ حصہ شاہ عالم کے عہد میں گزرا بڑے فاضل اور عالم اہل تھے۔ صحیح مسلم کی شرح فارسی میں لکھی اور عین العلم اور حصن حصین کی شرحیں یادگار سے ہیں تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

مولوی سلام اللہ بن شیخ ملا سلام ابن حافظ فخر الدین دہلوی فقیہ فاضل محدث کامل مفسر منہج علامہ عصر تھے علوم اپنے والد شارح صحیح بخاری فارسی سے تحصیل کیے

لہ مناقب فخریہ دگل رعنا وغیرہ



مسندِ افاضت پر شکن ہو کر مثل اپنے اجداد کے نشرِ علوم میں لگ گئے تصانیف میں کما بین  
حاشیہ تفسیر ملائین۔ محلی شرح موطا ترجمہ فارسی صحیح بخاری ترجمہ فارسی شمائل ترمذی مشہور  
ہیں ۱۲۳۳ھ میں انتقال فرمایا

مفتی محمد ولی بن مفتی محمد امان بن ابوسعید سعید صاحب بحر الحقائق بن مفتی علی بن  
بن مفتی عبید اللہ برادر ملا وجیہ الدین گویا موی مولف فتاویٰ عالمگیری۔ ملا مغزالدین داماد  
ملا محمد صالح ہرگامی رجب مولانا فضل امام خیر آبادی کے قواسم تھے تذکرہ علما اودھ میں ہے  
”ادب و علم و دانش و اطراف و اکناف عالم بنیاد مشہور اندوہار نش  
در علم فقہ و حدیث عربی المشل جمہور علما نزدیک و دور در بدر سے پدر بزرگوار خوش  
پیوستہ با فادہ قیام می نماید در عہدہ افتاء بعد وفات پدر ممتاز شدہ  
فتاویٰ یادگار سے ہے۔“

یورپ میں آپ کے اجداد اور محب اللہ بہاری اور غلام کجی بہاری سے علم بھارا  
بنگال اور مدراس میں قاضی حکیم علی بن قاضی مبارک شارح سلم و دیگی علماء گویا موی  
مجتبیٰ علیاں بہادر افضل العلماء قاضی ارتقا علی خاں بہادر علامہ عبد العلی سکر العلوم سے  
سے علم بھلا اور خوب بھیلا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی اولاد کے ذریعہ  
تمام ہندوستان میں علوم کی اشاعت ہوئی۔ مگر عجب اتفاق ہے کہ یہ خاندان اور  
شاہ محمد انصاف محب اللہ ملا محمود جو پوری صاحب شمس باز غنہ بلگرام میں عبد الجلیل اور  
غلام علی آزاد یہ سب خاندان دو تین پشت سے آگے نہ چلے یعنی وہ علمی حیثیت برقرار نہ  
رہی لیکن سکر العلوم کا خاندان اور مفتیان گویا مورد سو برس تک ایک حیثیت پر قائم رہا  
اور سیکڑوں علماء و فضلا پیدا ہوئے مفتی محمد ولی کے صاحبزادہ قاضی محمد اسماعیل مدظل

ہیں قاضی القضاۃ اور نکات تفسیر فارسی کے مولف تھے مفتی محمد دلی کا انتقال ۱۹۱۹ء  
شوال ۱۲۸۰ھ کو ہوا۔

قاضی احمد علی سندھوی ابن سید فتح محمد شاگرد دودا داد مولانا محمد اللہ سندھوی  
دانشمند منہج کثیر الدرس والمتانین ذکی دذہین بود از پیشگاه سلاطین دہلی  
بہدہ قضاۃ قصبہ سندھ غزانیاز داشت علیہ

ان کی تصنیفات میں حاشیہ میرزا بدر سالہ و حاشیہ میرزا بدجلال میرزا شرح مولا  
و شرح سلم العلوم مشہور و معروف ہیں ۲۲ ہجری کے اواخر میں انتقال کیا مولوی جید علی سندھوی  
مولا محمد اللہ کے نصف رشید اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں والد خود اور قاضی احمد علی کے شاگرد  
تھے عمر کا بڑا حصہ باپ کے ساتھ دہلی میں گزارا آخری عمر میں وطن چلے گئے درس و تدریس  
جاری کیا۔ مشاہیر علماء افضل العلماء قاضی ارتضیٰ علی خاں گوباموی مولوی ولد دار علی مجتہد لکھنؤ کا  
روزی نور اللہ فرنگی محلی و قاضی جلال الدین آسیونی سے شاگرد تھے حاشیہ میرزا بدر سالہ  
و تصنیفات میرزا بدجلال علمی یا دگار چھوڑیں۔ ۶ رجب ۱۲۸۰ھ کو انتقال ہوا۔

مولوی عبد الحمی دہلوی شاگرد دودا داد مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی

”ورفعہ حنفی دستگاہ ہے کامل داشت“

رسالہ نکاح ایامی و فتاویٰ متفرق تالیف سے ہیں ۸ شعبان ۱۲۳۳ھ کو وفات پائی۔  
قاضی ثناء اللہ عثمانی بنیرہ شیخ جلال الدین کبیر بانی پتی، سال کی عمر میں قرآن مجید  
اور ۱۶ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول کی تکمیل کی فقہ اور اصول میں مجتہدانہ درجہ حاصل  
تھائیں سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں کتب حدیث کی سند حضرت شاہ ولی اللہ سے  
لے آثار علماء کے تذکرہ علماء ہند۔

حاصل کی تفسیر مظہری جس کو اپنے پیڑ پر نیت مرزا مظہر شہید کے نام سے لکھی سنہ ۱۲۲۵ھ میں وصال ہوا۔

علامہ عبد العلی سحر العلوم بن ملا نظام الدین سہالوی نے سترہ برس کی عمر میں تحصیل علوم عربیہ سے فراغت پائی لکنئو سے شاہجہاں پور گئے حافظ الملک حافظ رحمت خاں باغرازا داکرام اپنے پاس رکھا بہاں درس کا سلسلہ شروع کیا ان کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ خاں نے رام پور بلا لیا کچھ عرصہ رہے دہلی آئے حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں گئے آپ نے ہی سحر العلوم کا خطاب دیا نواب والا جاہ محمد علی فاروقی گوپاموی رئیس کراٹھک نے خرچ بھجور مدراس بلوالیا۔ جب آپ مدراس پہنچے تو نزک و احتشام سے استقبال کیا گیا خود والا جاہ نے بالکی کو کندھا دیا اور دربار میں اپنی نشست پر بگڑ دی مالیشان مدرسہ بنوا کر آپ کے سپرد کیا اور ملک العلماء کا خطاب دیا کثیر المقدار کتب ارکان اربعہ در اصول فقہ حاشیہ بر میرزا ہد رسالہ حاشیہ بر زاہد بر شرح تہذیب جلالیہ۔ حواشی غلثیہ بر حاشیہ زاہد یہ امور عامہ جدیدہ و قدیمہ۔ شرح مسلم مع حاشیہ منیبہ۔ مجالہ نافذہ فرائخ الحموت۔ شرح مسلم الثبوت۔ مکملہ بر شرح ملا نظام الدین بر تحریر ابن ہمام تنویر الابصار شرح فارسی منار حاشیہ بر شرح صدر شیرازی۔ شرح مثنوی مولانا روم۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ محمد علی والا جاہ امورات ملکی میں آپ سے مشورہ لیا کرتا ۸۳ برس کی عمر میں ۱۲ رجب سنہ ۱۲۳۱ھ کو وفات ہوئی۔

حکام علامہ حکیم شریف خاں دہلوی شاہ عالم کے سرکاری طبیب تھے شفاء الملک کا خطاب تھا۔ مجالہ نافذہ۔ تالیف شریفی۔ علاج الامراض۔ حاشیہ نفسی۔ حاشیہ شرح اسباب۔ ترجمہ فارسی مشکوٰۃ المصابیح۔ ترجمہ اردو کلام مجید یادگار سے ہے۔ سنہ ۱۲۳۱ھ کو وفات ہوئی۔

# ابوالمغظم نواب سراج الدین احمد حساس

(از جناب مولوی حفیظ الرحمن صاحب داصف دہلی)

تازہ خواہی داشتن گردا غمنائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں این قصہ پارینہ را  
تمہید۔ آج کل اردو زبان کو بگاڑ کر ایک نئی زبان بنانے کی ادرا اس کے  
بئے ہندی رسم الخط رائج کرنے کی زبردست کوشش کی جا رہی ہے اتنی زبردست  
کوشش ملک کو آزاد کرانے کے لئے کی جاتی تو غالباً نصف صدی قبل ہی ملک آزاد ہو چکا  
ہوتا۔ کاش کہ اب ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد ہندوستانی قوم اس کی تعمیر و ترقی  
کی طرف اپنی تمام قوتیں متوجہ کرتی اور ایک صدی کی برطانوی تخریب کا علاج کرتی! مگر  
افسوس ایک ہزار برس میں ہندوستان کے تمام فرقوں کے اشتراک عمل سے جو تمدن  
بناتھا اس کو آج بیگانہ سمجھا جا رہا ہے اور مسلمانوں سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ہندوستان  
میں رہنا ہے تو اپنا تمدن (یا کلچر) چھوڑنا پڑیگا۔ یہ صرف مطالبہ ہی نہیں بلکہ اس کے لئے  
سخت جدوجہد کی جا رہی ہے مگر یہ بالکل بے دلیں اور بے سوچ سمجھی بات ہے  
غالباً ان لوگوں نے اس حقیقت کو نہیں دیکھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا اپنا کوئی خاص  
تمدن نہیں ہے ان کا تمدن وہی ہے جو ہندوستان کے تمام باشندوں کا ہے غیر ملکی تمدن  
کو انھوں نے اسی وقت خیر باد کہہ دیا تھا جب انھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا  
تھادہ ہندوستان کی دولت اور پیراوار کو کسی دوسرے ملک کا پیٹ بھرنے کے لئے

نہیں لے گئے۔ نہ کسی دوسرے ملک کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ اپنا الوسیدھا کر کے نئے ہندوستان کو آکر کاربنائے تمام فرقوں کے اشتراک سے ایک تمدن کی بنیاد پڑ گئی حتیٰ کہ اس کے لئے بعض شوریدہ سروں نے مذہب کی وحدت کو بھی ضرور سمجھا اور اکبر بادشاہ کے عہد میں یہ کوشش کی گئی کہ ہندوستان میں ایک ایسی عظیم قومی وحدت قائم کی جائے۔ جس میں کسی قسم کی تفریق و امتیاز کا شائبہ نہ رہے، لیکن نظریہ ناکام رہا اور چھوٹ چھات کی صورت میں اس کا عظیم رد عمل ہوا۔ اس کے باوجود تمدن کا اشتراک رہا اور آج تک ہے۔ اب اگر کسی نئے تمدن کی طرف دعوت دی رہی ہے تو صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام ہندوستانیوں کو اپنا تمدن چھوڑ کر نیا تمدن اختیار کرنے کی دعوت دینی چاہئے مگر ان مدعیوں نے اب تک اس نئے تمدن کی اس رسائی نہیں فرمائی ہے اس لئے ابھی ہمیں اس بات کا انتظار ہے کہ وہ نیا تمدن کیا ہے یہ ایک لسانی کلیہ ہے کہ نئی زبان ہمیشہ مختلف قوموں کے اشتراک اور اختلاط سے بنتی ہے۔ قانون سے نہ کوئی زبان بن سکتی اور رائج ہو سکتی ہے اور نہ مشائی جاسکتی ہے ہندوستان میں مسلمانوں کے ایک ہزار برس کے عہد حکومت میں سرکاری زبان فارسی وغیرہ رہی اور انگریزوں کے دو سو برس کے زمانہ عروج میں انگریزی کا عروج ہوا لیکن نہ فارسی ہندوستان کی ملکی زبان بن سکی نہ انگریزی بلکہ ایک بین الاقوامی زبان بنی۔ خود بن گئی اور یہ زبان سب سے بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کا تمدن جدا جدا نہیں ہے۔ بکھرے تھکے ہیں انہیں آنا کہ اب آزادی ملنے کے بعد بعض لیڈر کون سے تمدن کی طرف مسلمانوں کو لٹا چاہتے ہیں انگریزوں کے دو سو برس کے عروج کے زمانہ میں باوجودیکہ ہندوستان میں بھی انگریزی زبان کا عروج رہا اور آج تمام

نیا کی بین الاقوامی زبان بھی انگریزی بن گئی ہے مگر ہندوستان کی مشترک زبان جو تھی وہی  
 ہی اور آج تک ہندوستانی ادب میں انگریزی کے چند الفاظ بھی راہ نہ پاسکے۔ اگر قانون  
 طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال سے کوئی زبان بن جایا کرتی تو انگریزوں کے عہد  
 میں ہندوستانی ادب میں انگریزی بھی داخل ہو جاتی اور ضرور کوئی نئی زبان بن جاتی۔ مگر  
 زبان کیوں کر بنتی انگریزوں نے ہندوستان کو نہ اپنا وطن سمجھا نہ اپنے ملکی تمدن کو چھوڑ  
 اپنے ذہن سے اپنے ملکی وطنی رجحانات کو محو ہونے دیا ان کا تمدن تہذیب، زبان  
 و رنگ روپ بالکل اجنبی اور بیگانہ ہی رہا۔ کسی ملک کی وحدت کو قائم رکھنے کے  
 لئے افراد کی قوت کو ملک کی تعمیر میں لگانے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ آپس  
 میں واسطے مطالب کے لئے ایک ہی زبان ہو ایسا نہ ہوا تو ملک کی ترقی صدیوں پیچھے  
 اڑے گی جو لوگ ایک نئی زبان کو بھنے کی فکر میں سرگرداں ہیں کیا اچھا ہونا کہ اتنا وقت  
 دوسرے تعمیر کاموں میں صرف کرنے صنعت و حرفت و تجارت میں الاقوامی تعلقات کا بغیر  
 رہیں نہیں کر سکتی۔ اب ہم کو متحد ہو کر دنیا کی سائنسی و ادبی میں شامل ہونا چاہئے اگر ملک کی  
 فریت زبان اور چھوٹ چھات کے الجھبیروں میں پھنسی رہی ادیبوں ہی اپنا وقت ضائع  
 رہی تو جب تک ہم نیا تمدن بنا کر اور نئی زبان سکھا کر فارغ ہوں گے دنیا ہمیں سے  
 پیچھے چلی ہوگی ملک کے سامنے زبان سے زیادہ بہت سے اہم مسائل ہیں ہم کو ان  
 ماطرت متوجہ ہونا چاہئے اور جو زبان پہلے سے بولی اور سمجھی جاتی ہے اُسی سے کام لینا  
 چاہئے۔

کوئی زبان نہ خود بنتی ہے نہ فنا ہوتی ہے اس لیے یہ بالکل واضح حقیقت ہے  
 ملک کے بعض لیڈروں کا جو قیمتی وقت اوروں کے خلاف محاذ بنانے میں صرف ہوتا

وہ بالکل رائیگاں ہے ہوتا یہ چاہئے تھا کہ آنادی کے بعد کے یہ بے بہا ملکات ملک کے دفاع اقتصاد اور امن و اتحاد پر صرف کئے جاتے۔ مگر افسوس کہ اس وقت اردو کی کچھ اس انداز سے مخالفت کی جا رہی ہے کہ گویا مسلمان بادشاہوں نے اس زبان کو مستند کرنے میں زبردستی ٹھونس دیا تھا اس کو اب اگل دینا چاہئے۔ علامہ اسلامی حکومت کو اخطا ط کے وقت سے اردو نے ترقی شروع کی اور زوال کے بعد وہ ایک ترقی یافتہ عالمگیر زبان بنی۔ یہی نو کبیر داس اور امیر خسرو کی زبان ہے جو نکھر نکھر کر داغ کے زمانے میں اردو نے معلیٰ کہلائی اور نپٹ رتن ناٹھ سرشار منشی پریم چند کی زبان بنی۔

انڈین نیشنل کانگریس جو ہندوستان کے تمام عناصر کی واحد نمایندہ جماعت ہے جب اس نے یہ محسوس کیا کہ اکثریت کے انتہا پسند طبقہ میں لفظ اردو سے نفرت کی جانے لگی ہے اور کچھ ایسا سمجھا جانے لگا ہے کہ گویا یہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور فرقہ پسند افراد اس لفظ سے چڑھنے لگے ہیں تو اس نے اس لفظ کو ترک کر دیا اور ہندوستان کی مشترک زبان کو ہندوستانی کا لقب دیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستانی زبان کے سوا کسی زبان میں یہ اہمیت نہیں ہے کہ وہ تمام ہندوستان کی ساری زبان بن کر قومی وطن کی وحدت کو بقاء رکھ سکے۔

ہندوستانی زبان کی ادبی حیثیت آج تک وہی ہے جو داغ نے قائم کی تھی۔ جس پہنچ پر داغ نے زبان کو نکھارا اور لغات و تراکیب کو مرتب کیا تھا اس سے بہتر تبدیلی اب تک نہیں ہوئی۔ اس لحاظ سے زبان کے اس آخری دور کا مورث اعلیٰ صرف داغ مرحوم کو کہا جاسکتا ہے داغ مرحوم اور ان کے تلامذہ دورِ حاضر کی عالمگیر اور صالح زبان کے معمار ہیں۔ بڑی بد نصیبی ہوگی اگر ہندوستانی قوم ان حضرات کے حالات سے

واقف رہے جنہوں نے ہندوستانی ادب کو نکھار کر ایک بین الاقوامی زبان بننے کے قابل بنایا۔

ستمبر ۱۹۴۷ء دشوال ۶۵ھ میں ہندوستان اور فاسکے دلی اور پنجاب میں جو فرسین انقلاب آیا اس کے نتیجے میں دلی پر صرف پنجاب ہی نہیں بلکہ تمام مغربی اضلاع کی تہذیب بھاگ گئی۔ اور اب دہلی بڑا ہی عجیب و غریب شہر نظر آنے لگا۔ کثرت آبادی کی وجہ سے نہایت آباد لیکن دیدہ عبرت کے لئے میکس ویران جن لوگوں کے دم سے دہلی کی کچی کچی روایات باقی تھیں سب منتشر ہو گئے یا تہ تیغ ہوئے۔ شاندار عمارتیں، مدرسے، مدارس اور علوم و فنون کے بے بہا ذخیرے نذر آتش ہوئے۔ اس آٹھویں بربادی کے بعد زبان کے لحاظ سے دہلی کی مرکزیت ختم ہوئی۔ اور ممکن ہے کہ دنیا کچھ عرصے کے بعد زبان کے ان اولوالعزم معماروں کو بھول جائے جن بزرگوں نے ہندوستانی ادب کی خدمت کے لئے اپنی عمر کے بہترین لمحات صرف کئے۔

ان میں سے ایک درخشندہ ستارا حضرت ابوالمنعم نواب سراج الدین احمد سائل دہلوی کی ذات گرامی تھی جو خاندان لوہارو کے ایک ممتاز فرد اور دہلی کی قدیم تہذیب کے ایک مکمل نمونہ تھے اور جہاں استاد داغ مرحوم کے عزیز ترین شاگرد اور بیٹھے اور داماد تھے۔ داغ مرحوم کے دہلی کے شاگردوں میں سے تین دلی والے مشہور ہیں ایک سائل مرحوم دوسرے حضرت سید وحید الدین بخاری دہلوی مدظلہ تیسرے پنڈت ترپوہن ناتھ زٹشی انتمہیں بہ زار دہلوی مدظلہ موزا الذکر ہر دو حضرات الحمد للہ حیات ہیں۔

(متعنا اللہ بطول حیاتہما)

مزدی ہے کہ دلی کے اس آخری دور کے تمام مشاہیر ادب کے حالات



قلعہ بند کیے جائیں۔ فی الحال اس سلسلے کو میں اپنے استاد جناب سائل مرحوم سے  
شروع کرتا ہوں اگر حالات سازگار رہے تو ممکن ہے کہ دیگر حضرات کے حالات قلعہ بند  
کرنے کا موقع مل جائے۔

افسانہ یاران کہن خواندم درنستم درباب اکہ لعل و گیسرافشاندم درنستم  
سائل صاحب کے خاندانی حالات | نعل بادشاہ عزیز الدین عالمگیر ثانی (المتوفی ۱۰۷۵ھ) کے  
عہد میں تین قورانی بھائی سمرقند سے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ قاسم جان۔ عارف جان  
عالم جان (یہی عارف جان ہمارے سائل مرحوم کے دادا کے دادا ہیں)  
قاسم جان | قاسم جان کو نواب معین الملک ناظم پنجاب (عرف میر منو خٹک نواب  
قمر الدین خاں وزیر محمد شاہ بادشاہ) نے سندھ کی جاگیر دی۔ اور نظیر بیگ خاں ہزارہ  
کی صاحبزادی سے شادی کر دی۔ عارف جان کی شادی انک کے ناظم مرزا محمد بیگ  
کی صاحبزادی سے ہوئی۔ تینوں بھائی میرنوں کی رفاقت میں سکھوں کے مقابلے میں  
اپنی شجاعت اور سپہ سالاری کے جوہر دکھانے رہے۔ نواب معین الملک کے انتقال  
کے بعد قاسم جان با پنج سو قورانی سوار لے کر بہار پہنچے اور شہزادہ عالی گہر شاہ عالم  
ثانی کی معیت میں میرن بن میر حفیظ کو شکست دی (جو لارڈ کلائیو کی معیت میں شہزادہ  
سے نبرد آزما تھا) شہزادہ نے ان کو شرف الدولہ سہراب جنگ کا خطاب اور مفت  
ہزاری منصب دیکر اپنے رفقا میں داخل کر لیا۔ جب شہزادہ وہاں سے واپس ہوا تو یہ  
تینوں بھائی دہلی آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ دہلی میں گلی قاسم جان انھیں کے  
نام سے مشہور ہے اس محلے میں قاسم جان نے حویلی بنوائی تھی جو اطالعہ کالے صاحب  
کہلاتی ہے اور اسی کے قریب ایک مسجد ۱۱۹۷ھ میں بنوائی گئی جو اب نواب احمد سمیع خاں  
لے واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم صفحہ ۴۴ و جلوة داغ ص ۱۷۷ آبیات آزاد ص ۱۷۷ سے تاریخ  
روسائے پنجاب ص ۱۱۷ کے غالب الذہر۔

کی مسجد کہلاتی ہے حاجی شیخ نصیر الدین عرف مبارک کا لے صاحب رجب بہادر شاہ کے سپر  
تھے اور ایک مقدس بزرگ تھے، یہ حویلی حاجی بیگم زوجہ نواب ضیاء الدین احمد خاں  
نے ان کو نذر کر دی تھی اس لئے اب انھیں کے نام سے منسوب ہے۔

اس کے بعد عالمگیر نانی کا قتل شہزادہ عالی گہر کی تخت نشینی - وغیرہ معاملات میں

ذوالفقار الدولہ نواب بخت خاں سپہ سالار کے لئے قوت بازو رہے اور معاملات  
سلطنت میں دخل رہے۔ نواب عارف جان دیہات جاگیر وغیرہ کا انتظام کرتے تھے  
بخت خاں کے انتقال اور دہلی پر غلام قادر ردہیل کے تسلط کے بعد قاسم جان بہادر صفت الدولہ  
لکھنؤ چلے گئے تھے۔ نواب قاسم جان اور نواب عارف جان دونوں بھائی حضرت خواجہ  
قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں سماع خانے کے صحن میں مدفون ہیں۔

نواب قاسم جان و شرف الدولہ سہراب جنگ، کے مین زم کے تھے فیض الشریک  
قدرت الشریک خاں فیروز - محمد بخش خاں - قدرت الشریک خاں کی صاحبزادی حاجی بیگم  
نواب ضیاء الدین احمد خاں شیر خشاں کو منسوب تھیں۔ فیض الشریک خاں کے دو فرزند  
تھے نواب غلام حسین خاں مسرور جن کی شادی بنیادی بیگم بنت نواب الہی بخش خاں  
مردوف کے ساتھ ہوئی تھی مسرور صاحب مرزا غالب کے ہم زلف ہوئے کیونکہ نواب  
مردوف کی دوسری صاحبزادی امراؤ بیگم مرزا غالب کو منسوب تھیں۔ مرزا غالب نے جس  
زم کے کو متنبی کیا تھا وہ انھیں نواب غلام حسین خاں مسرور کے صاحبزادے زین العابدین  
عارف تھے مرزا صاحب نے ان کو بیٹے کی طرح پرورش کیا اور جب جمادی الثانی ۱۲۶۵ھ  
م اپریل ۱۸۴۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا تو مرزا غالب نے نہایت پرورد مرثیہ لکھا جو دیوان غا

واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ۳۳۳ ص ۲۰۰ ایضاً ص ۲۰۰ واقعات ایضاً ص ۲۶۹

میں موجود ہے۔ عارف کے انتقال کے بعد ان کے دونوں لڑکوں باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں کی غور و پرداخت بھی مرزا غالب کے ذمہ رہی عارف کی شادی ذاب منیاء الدین احمد نیر خشاں کی بہن ذاب بیگم سے ہوئی تھی ان کے دو ہی لڑکے تھے باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں شاداں باقر علی خاں کامل کی شادی منیاء الدین احمد خاں کی صاحبزادی منظم زمانی بیگم (عرف بکا بیگم) کے ساتھ ہوئی ان کی صرف تین لڑکیاں تھیں محمد سلطان بیگم (عرف جند بیگم) فاطمہ سلطان بیگم (عرف بندو بیگم) رقیہ سلطان بیگم (عرف مہین بیگم) جندو بیگم مرزا شجاع الدین احمد خاں تائبان کو منسوب تھیں بندو بیگم مرزا بشیر الدین بن ذاب علاء الدین والی لوہار کو منسوب تھیں۔ مہین بیگم ڈاکٹر ذوالنور علی احمد آسامی عرف کرنل زید احمد کو منسوب ہوئیں۔

عارف کے دوسرے صاحبزادے حسین علی خاں شاداں کی شادی حسن جہانگیر بنت مرزا اکبر علی خاں بن بنی بخش خاں بن عارف جان) کے ساتھ ہوئی تھی

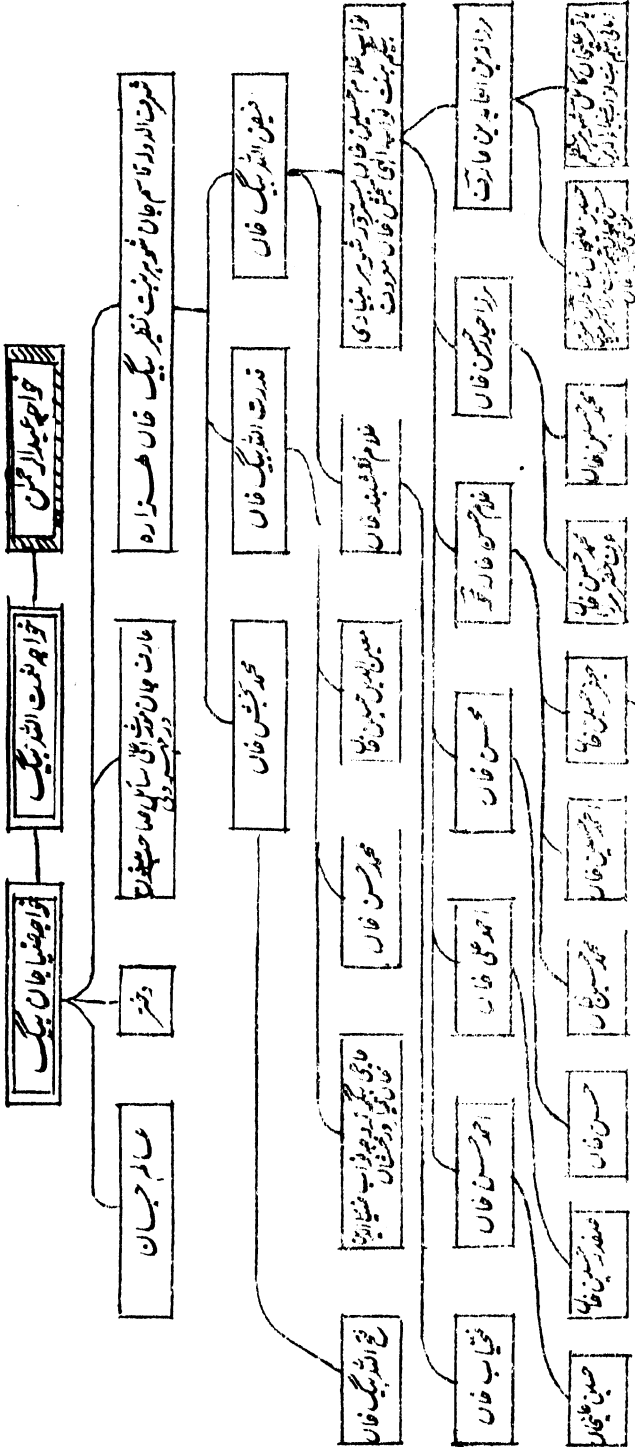
(مکاتیب غالب از درشی صفحہ ۹۶ و ۹۷)

عارف جان | عارف جان کے چار بیٹے تھے الہی بخش خاں۔ احمد بخش خاں۔ بنی بخش خاں۔ محمد علی خاں اور ایک لڑکی تھی جو مرزا غالب کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ کو منسوب تھی۔

ذاب الہی بخش خاں مودت ایک مالی خاندان امیر تھے علوم ہندوئی سے باخبر تھے اور شاہ کے کہنے مشاق مگر اس فن سے اب عشق رکھتے تھے کہ فانی الشعرا مرتبہ اسی کو کہتے ہیں اب۔ امین شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لی اور سید علی خاں غلجین وغیرہ سے استفادہ کیا آخر عمر میں ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ذاب الہی بخش خاں حضرت مولانا محمد الدین فخر عالم کے مرید تھے۔ آپ کا سلسلہ سبیت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادی سے ملتا۔

لہ آب حیات آزاد ص ۲۴

از یاد داشت مخطوط طبرستان شیراز (برشکر بن خراب خسرو و مرزا)



مرزا احمد محمد بن

خواجه عبدالرحمن خاندان شیراز (برشکر بن خراب خسرو و مرزا)

شیخ نصیر الدین عرف میاں کا لے صاحب - مولانا فخر عالم کے پوتے اور مولانا قطب الدین کے صاحبزادے تھے۔

نواب محروف نہایت متقی اور صاحبِ دل انسان تھے، ہیرنجی اور سخاوت ان کی ضرب المثل تھی ان کے دور رس کے اور دور کیاں تھیں۔ مرزا علی بخش خاں رنجور مرزا علی نواز خاں بنیادی بیگم امراؤ بیگم مرزا علی بخش خاں رنجور کے صاحبزادے غلام فخر الدین خاں کی شادی مرزا غالب کی بھینجی عزیز النساء بیگم بنت مرزا یوسف خاں کے ساتھ ہوئی ان کے صاحبزادے مرزا محمد سعید خاں اور ان کے صاحبزادے میرزا نصر اللہ خاں ہیں جو آج کل سرکار نظام میں صدر محاسب کے عہدہ پر فائز ہیں۔

مرزا علی نواز خاں کا حال معلوم نہ ہو سکا بنیادی بیگم نواب غلام حسین خاں مسرور بن فیض اللہ بیگ خاں بن شرف الدودہ قاسم جان کو منسوب تھیں اور امراؤ بیگم مرزا غالب کو منسوب تھیں۔

نواب احمد بخش خاں اپنے بزرگ بھائی پر جان چھڑکنے لگے تھے۔ ان پر سیدربخ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اور ان سے صرف دعا کی التجا رکھتے تھے۔ نواب الہی بخش خاں محروف کی سخاوت، سیرنجی اور مہمان نوازی، فوق شعر و سخن اور اپنے بھائیوں سے محبت و الفت وغیرہ دلچسپ واقعات تفصیل کے ساتھ مولانا آزاد نے آبجیات میں لکھے ہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

نبی بخش خاں کے ایک صاحبزادے مرزا اکبر علی خاں ہیں معلوم ہو سکے ہیں انھوں نے خورشید بیگم (بنت جنرل اختر لونی) سے شادی کی تھی۔ ان کی صاحبزادی حسن جہاں مرزا حسین علی خاں شاداں (بن زین العابدین خاں عارف) کو منسوب ہوئیں۔

رکاتیب غالب از امتیاز علی غفری صفحہ ۹۵ و ۹۶



# عالم جہان

رب بیک خان

بیگم جہان

محمد علی خان

طوبہ اہل خانہ

غلام معین الدین خان

سہمہ اہل خانہ

حسین الدین خان  
نانا وکلا کدو خان

کریم الدین خان

ابو حماد دین خان

الحمد دین خان

غلام افغان الدین

معین الدین خان

ممتاز خان

ممتاز الدین خان

غلام حسین خان

غلام الدین خان

استاد بیگم

ممتاز دین خان

علی ممتاز خان

بیگم جہان

امیر القاسم بیگم و نوت غلام بیگم

ممتاز العقیل علی خان

ممتاز الدین محمد و نوت امیر القاسم بیگم

ممتاز محمد علی خان

مشرک مالک رام مصنف ”ذکر غالب“ کو غالباً اس بارے میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اس غلط فہمی میں سولہ ماہر بھی مبتلا ہو گئے ہیں جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے مرزا اکبر علی خاں بنی بخش خاں کے بیٹے تھے پوتے نہ تھے اور انھوں نے ایک انگریز جنرل ڈبوڈا اختر لونی کی لڑکی سے نکاح کیا تھا جس نے یہاں بیگم جس کو غالب نے ذواب احمد بخش خاں کے بھائی کی پوتی لکھا ہے مرزا اکبر علی خاں کی بیٹی مبارک بیگم کے بطن سے تھی مبارک بیگم جنرل اختر لونی کی واسطہ تھی (مبارک بیگم کی بنیادی ہوئی لال مسجد دہلی میں تھانہ سونے فاضلی کے پاس موجود ہے) مرزا غالب نے حسن جہاں بیگم اکبر علی خاں کی بیٹی کا نام لکھا ہے بیوی کا نہیں۔ لہذا مالک رام ایم اے اور مرزا غالب کے بیانات متضاد نہیں معلوم ہوئے۔

(دارالافتاء دارالحکومت دہلی جلد دوم ۱۹۶۹ء)

مرزا محمد علی خاں کی ایک لڑکی سستی بیگم عرف ذواب دہن تھیں۔ چوہدری زین العابدین عارف کی دوسری زوجہ تھیں۔

ذواب احمد بخش خاں (عارف خاں) کے دوسرے صاحبزادے ذواب احمد بخش خاں نہایت اچھے پرائس تھے۔ چند سال مرمتوں کی خدمت کرنے کے بعد راجہ اور راجہ پنجاہ اور سنگھ والی کو سے اپنی عقیدت ظاہر کی جنھوں نے ان کو بطور مستند لارڈ لیک کے پاس بھیجا یہ کائنات خفیف کے ساتھ بہت سی مہموں میں رہے سرولیم فریئر ریڈیٹنٹ خلی کے ساتھ ان کے دستاں مراسم تھے ان کی عام خدمات اور خصوصاً اس کا رگداری کے باعث جو انھوں نے اس عہد نامے کے بارے میں کی تھی جو گورنمنٹ انگریزی اور راجہ اور کے ساتھ ہوا ان کو ضلع گوردگانوہ کے چھ محال فیروز پور جھک، پوناہانا، سانجھ، پچور، نگینہ، اور توبار بطور روم جاگیر میں سے اس جاگیر کو جس کی آمدنی تین لاکھ روپے سالانہ تھی گورنمنٹ ہند نے باضابطہ



منظور کر لیا اور نواب احمد بخش خاں کو فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ کا خطاب عطا فرمایا۔ نواب موصوف نے ۱۲۸۷ھ میں فیروز پور جھکاس جو مسجد بنوائی تھی وہ اب بھی موجود ہے اس مسجد کے حوض کی مکر تعمیر ۱۲۸۷ھ میں آخری نواب لوہارو امین الدین احمد خاں ثانی کے اہتمام سے ہوئی اس کا قطعہ تاریخ راقم الحروف و آصف نے کہا :-

### قطعہ تاریخ تعمیر حوض جامع مسجد جبر کا

امین الدین احمد خان ثانی      ہمے ازال احمد بخش خانی  
 ارمیں و حکم فرمائے ہمارو      علاء خلق و لجا ئے امانی  
 امیر خوش گہر سرخ نژادے      اعز عمر و فخر و دودمانی  
 بہ ایمانیش خدا میں حوض مصطفیٰ      خجستہ یادگار جادوانی  
 منور با صفا سے آب پاکش      ز سطحش تا فضا سے آسمانی  
 بچمن مسجد میں حوض مطہر      چواند نسیم جسام انخوانی  
 برو آصف دہلوی تلمیذ سائل      رسیدہ قائل بمن و شادمانی  
 ہزار سہ صد و شصت و شمش

زجہرت بابہ منتظم ابن معانی

خواصوں کے علاوہ نواب احمد بخش خاں کی دو بیگمیں تھیں ایک میروانی الاصل جبر کا نام مدی خانم عرف بہو بیگم تھا اس کے بطن سے بڑے صاحبزادے نواب نسیم الدین احمد اور دوسرے صاحبزادے ابراہیم علی خاں دہلوی ۱۲۸۳ھ اور ایک بیٹی نواب بیگم تھیں جو زین العابدین عارف کو متسوب تھیں اور دوسری بیگم ان کے اپنے خاندان کی تھی اس کا نام بیگم جان تھا یہ غالباً نواب احمد بخش خاں کی چچا زاد بہن تھی ان کے بطن سے نواب بن الدین

سہ تاریخ روسائے پنجاب ص ۱۱۹

اور نواب ضیاء الدین احمد خاں تھے۔

نواب نے ۱۸۲۲ء میں بڑے صاحبزادے نواب شمس الدین احمد خاں کو اپنا نشان قرار دیا۔ چونکہ وہ میواتی بیگم کے بطن سے تھے اس لئے خاندان کے دوسرے افراد جن میں غالب بھی شامل تھے انھیں نسباً اپنا ہم پایہ نہیں گردانتے تھے اس وجہ سے خاندان میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ شمس الدین احمد خاں ایک طرف تھے اور باقی سارا خاندان دوسری طرف تھا۔

معاملے کی نزاکت کو محسوس کر کے نواب احمد بخش خاں نے ۱۸۲۶ء میں فیروز پور کی مسند شمس الدین احمد خاں کو دے کر لوہارو سے دست برداری کا اقرار نامہ لکھوا لیا اور لوہارو کی جاگیر امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کو سونپ کر اپنی فاندانی جوبلی (دائع مہر دلی) میں گوشہ نشین ہو گئے اکتوبر ۱۸۲۶ء (۱۲۴۳ھ) میں وفات پائی اور اپنے پیر مرشد مولانا فتح الدین اورنگ آبادی کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

نواب شمس الدین احمد خاں نواب کے انتقال کے بعد تینوں صاحبزادوں میں کافی کشمکش اور رسد کشی رہی۔ شمس الدین احمد خاں نے دعویٰ دائر کیا کہ لوہارو کی مسند بھی مجھے ملنی چاہئے اور دونوں بھائیوں کی بخششیں ہونی چاہئیں۔ آخر کار دونوں جاگیروں کا فیصلہ نواب شمس الدین کے حق میں ہو گیا۔ ۱۸۳۲ء میں ولیم فریزر دہلی کے ایجنٹ مقرر ہو کر آئے یہ نواب احمد بخش خاں کے خاص بے تکلف دوست تھے انھوں نے بہ تجویز کی کہ نواب مرحوم کی تقسیم کے مطابق لوہارو دونوں چھوٹے صاحبزادوں کو ملنا چاہئے اس زمانے میں ایسٹ انڈین کمپنی کا ہیڈ کوارٹر کلکتہ تھا، ولیم فریزر کے مشورے اور تجویز کے مطابق امین الدین احمد خاں نے کلکتہ جاکر قانونی چارہ جوئی کی اور شمس الدین احمد خاں کے خلاف

# عارف جان

زود و مرزا نصر الله بیک

مرزا محمد علی خان

مرزا بخش خان

مرزا ابی سیدی خان میرزا حسن

مرزا احمد بخش خان

مرزا محمد علی خان میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا علی میرزا حسن

مرزا علی بخش خان

مرزا میرزا حسن خان میرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن خان میرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

مرزا میرزا حسن

فیصلہ ہو گیا۔ اس فیصلے کے بعد ولیم فرزید کو ۸۳۷ھ میں کسی شخص نے قتل کر دیا۔ تفتیش شروع ہوئی قاتل کے ساتھی کے بیان سے نواب شمس الدین احمد خاں پر تشریف قتل کا لازم ثابت ہو گیا اور بڑی زبردست اضیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد کشمیری دروازہ دہلی کے باہر نو سو فوجیوں کے پہرے میں اس بہادر رئیس کو بھانسی دی دی گئی۔ یہ واقعہ عام مورخین کے متفقہ بیان کے مطابق ۱۲۵۲ھ میں ہوا۔ نواب شمس الدین احمد خاں <sup>لیفٹننٹ</sup> قدم قدم پر مدفون ہیں۔ ان کا مدفن اس چوڑے کے پائین ہے جس پر نواب ابراہیم علی خاں دہلی باؤری کا مزار ہے یعنی قدم شریف میں داخل ہونے کا چوڑا دروازہ ہے اس دروازہ کے اگلے مقابل چوڑے کے نیچے سنگ مرمر کے تعویذ دہلی قبر انہیں کی ہے اور دوسری قبر برابر اس نواب شہاب الدین احمد شاقب یعنی سائل صاحب کے والد کی ہے۔ نواب موصوف دہلی دو لڑکیاں تھیں احمد النساء بیگم محمد النساء بیگم ریاشمس النساء بیگم (فرزند پڑھ کر کی یاست منبط ہو گئی)۔

جب نواب کو بھانسی دی گئی اس وقت داغ کی عمر ۶ سال سے کم تھی ان کی والدہ نے نواب شمس الدین احمد خاں کے بھانسی پا جانے کے بعد حضور صاحب عالم مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر دہلی عہد بہادر شاہ کے دامن عاطفت میں پناہ لی اور اپنی زندگی بہت بڑا حصہ محل شاہی میں گزارا اور نواب شوکت محل سلیم خطاب پایا۔ دلی عہد مرزا فتح الملک زن مرزا خسرو کی پہلی شادی مرزا الہی بخش بن مرزا بچہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ مرزا الہی بخش

غالب از مرہ میں خاندان لوہار کے مناقشات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ لے بعض لوگ ولیم فرزید کے قتل کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فرزید صاحب نواب صاحب کے رشتے کی کسی بیگم سے ناجائز تعلقات رکھتے تھے اس بنا پر نواب نے فرزید صاحب کو قتل کر دیا۔ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۲۹۷، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹

التوفی ۱۸۵۷ء کی والدہ عمدۃ الزمانی بیگم بنت عالمگیر ثانی تھیں۔ یہ مرزا الہی بخش دہلی ذات شریف ہیں جو ذاب زینت محل کے ہاں کافی رسائی رکھتے تھے اور جنہوں نے شاہ دہلی کو ہنایت آسانی کو ساتھ کرتا کر دیا تھا۔ شہر اور اندرون لال قلعہ کی ضروری خبریں سرکار انگریزی تک پہنچایا کرنے تھے۔ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد ان کے اس قابل قدر اور تاریخی کارنامے کے صلے میں سرکار انگریزی کی طرف سے ان کے اور ان کے خاندان کے لئے ۳۰ ۲۲۸ روپیہ سالانہ کی منشن سنڈا بعد نسل بیگم مئی ۱۸۵۷ء سے عطا کی گئی اس کے علاوہ بہت کافی انعامات و اکرامات سے نوازا گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں ”سانڈرس“ نے ان کی طرف ان لفظوں میں انشاء کیا ہے کہ ”فالتو کی خوشنودی کے لئے اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے باپ کو بھی بکڑ وادے“۔ ہنگامہ فرو ہونے کے بعد گورنمنٹ چاہتی تھی کہ قلعہ کے خاندان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے اس لئے الہی بخش جیسے خاندان فروش کو بھی دہلی میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی بہر حال کچھ دنوں کی نازنالی کے بعد انہیں قیام کی اجازت مل گئی اور خاندان شاہی کے ہیڈ قرار پائے عید کے دن انہوں نے جاپا تھا کہ چار گھوڑوں کی گاڑی میں بیٹھ کر عید گاہ جائیں دینی کشتہ کو معلوم ہوا تو چوہدری بھیکرمال نعت کر دی کہ یہ امتیاز قلعہ کے شہزادوں کو حاصل تھا اب وہ زمانہ گیا =

من بعد المقوم الظالمین“ (غالب از مہر ص ۲۹۱)

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ذاب شمس الدین احمد خاں کی بڑی صاحبزادی محمد النساء بیگم ذاب سعادت علی خاں کو منسوب ہوئیں جو ذاب عبدالرحمن خاں والی جھجہ کے چچا تھے ان کے دو لڑکیاں سکندر جہاں اور اکبری بیگم اور ایک لڑکے ذاب قاسم علی خاں مرحوم تھے۔ سکندر جہاں جناب سائل مرحوم کی والدہ ہیں اور اکبری بیگم ذاب مختار حسین خاں والی پاٹودی کی زوجہ ہیں ذاب قاسم علی خاں کی دو اولاد ہیں ذاب عباس علی خاں اور ذاب سردار جہاں بیگم زوجہ ذاب ممتاز حسین خاں مرحوم والی پاٹودی۔ ذاب شمس الدین خاں کی دوسری صاحبزادی احمد زینت

لہ تاریخ دوسرائے با اختیار دہلی خاندان پنجاب ص ۱۸۹

## تدوین حدیث

(۶) کاپیوں کی ایک خاص ترتیب کی وجہ سے مٹی کے رسالے میں اس مضمون کے یہ چیزیں صفحہات نہیں آسکتے تھے اب انکو اس اشاعت میں دیا جا رہا ہے اور اسی اعتبار پر مضمون ختم ہو رہا ہے۔  
حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صد شعبہ دینیات مدیر  
(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

جس کا حاصل یہی ہوا کہ صرف گناہگار ہی قرار دینا نہیں بلکہ ان مسائل میں کسی فریق کو اس کا بھی حق نہیں ہے کہ اپنے مخالف کو برسر غلطی سمجھے جیسے قرآن کی مختلف متواتر قراءتوں میں سے کسی قراءہ کے قاری کو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صحیح قرآن نہیں پڑھ رہا ہے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ صحابہ میں بھی اس قسم کے اختلافات موجود تھے، باوجود اس کے جب ان میں ہر ایک کو علی الہدی اور برسر حق یقین کیا جاتا ہے تو ان کے بعد ان ہی اختلافات کی بنیاد پر کسی ایک فریق کو برسر غلطی قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک مسلک دوسرے مسلک کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے انھوں نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے جو تم دیکھتے ہو کہ سلف ان اختلافی مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مسلک کے متعلق اس قسم کے الفاظ لکھا کرتے تھے یعنی

هذا أحوط، هذا هو المختار وهذا  
یہ پہلو احیاط سے زیادہ قریب ہے، یہی

احب لی وما یلغنا الا ذلک  
بات زیادہ پسندیدہ ہے، یہ پہلو مجھے زیادہ

مخرب ہے یا یہ کہ نہ پہنی عورت تک مگر یہ بات

سلف کی کتابوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں

وهذا الكتاب في المبسوط وانا سار  
و مختلف پہلوؤں میں سے کسی مسئلہ کے متعلق

محمد و کلام الشافعی  
کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے ہوئے مذکورہ

۵۹۰ انصاف  
بالا نوعیت کے الفاظ مبسوط اور کتاب الآثار

مصنفہ امام محمد شاگرد ابو حنیفہ) اور امام شافعی

کے کلام میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کے کسی گوشہ کو نبوت کی پرہیزگاروں اور رسالت کی تجلیوں سے جو خالی رکھنا نہیں چاہتے، دین کے ان دیوانوں، شمع نبوت کے ان پردانوں کے قرار و سکون کے لئے ایک طرف اگر اتنے عظیم و وسیع پیمانے پر انتظام کر دیا گیا ہے جس کا تجربہ کسی پیغمبر کی امت کو اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، اور پیغمبر ہی کیا سچ تو یہ ہے کہ بھلی نسلوں کے لئے اتنے ہمہ گیر ہر جہتی معلومات انگلیوں کی کسی چھوٹی یا بڑی شخصیت کے متعلق پیش کرنے سے انسانیت کی پوری تاریخ کا صر ہے لیکن جہاں یہ کیا گیا ہے وہیں ان کو تاہ نصیبوں کو بھی مایوس نہیں کیا گیا جن کا سعادت کی اس لازوال دولت میں کوئی حصہ نہ تھا، یا تھا تو بہت کم تھا،

درس بخاری کی اعلیٰ تقریر (فیض الباری مطبوعہ مصر) میں اسی مسئلہ کے متعلق

حضرت الاستاذ الامام مولانا السید انور شاہ کشمیری قدس سرہ کا یہ فقرہ جو نقل کیا گیا ہے

ان جمع الحدیث فی عہد النبی صلی  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں مہربان

اللہ علیہ وسلم دان کا احسن  
اگر جمع ہو جائیں تو گو دنیا ہر یہ زیادہ اچھی بات

نبی بادی الرای الا ان المرصی  
نظر آتی ہے۔ لیکن درحقیقت منصف ہی یہ تھا

ان ذلک کان اولاد تدون الاحادیث  
مثل تدوین القرآن ولا یحفظ  
حفظہ مشہور ۱  
کہ حدیثوں کی تدوین ہی اس طریقے سے نہ ہو  
جیسے قرآن کی تدوین پر غیر معمولی توجہ صرف  
کی گئی اور قرآن کی حفاظت میں جو دہسچلی  
گئی، یہ کیفیت حدیث کی تدوین میں نہ پیدا کی گئی

سچ پوچھئے تو اسی اجمال کی یہ تفصیلات تھے جو اس وقت تک آپ کے سامنے  
پیش کئے گئے۔ شاہ صاحب نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ دین میں عام حدیثوں سے  
پیدا ہونے والے نتائج کی جو ناوی حیثیت ہے اس کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ کسی  
اتفاقی حادثہ کا یہ اتفاقی نتیجہ ہے، بلکہ شروع ہی سے ارادہ ہی یہ کیا گیا کہ حدیثوں کا یہ سرمایہ  
لا تتھی فی الخلفہ کھائے ولا تبلغ  
فلی الہامام بالفاظہا سبلعھا بل  
بقی فی مسننہ ثانیۃ ہمیشی فیہا  
الاجتہاد فخص العلماء وغیرہ  
اور نہ اس کے ساتھ وہ سرگرمی دکھائی جائے جو  
قرآن کی تدوین میں دکھائی گئی، بلکہ قصداً وارادۃً  
حدیثوں کے ساتھ ایسا فرض سل اختیار کیا گیا  
کہ قرآن کے مقابل میں، ان کا درجہ دوسرا ہو گیا  
ایسا دوسرا درجہ جس کی وجہ سے ان کے متحن علماء  
کے اجتہاد اور تحقیق و تدقیق کی فقہاء کی فکر و نظر اور  
محدثین کی تلاش و جستجو کی گنجائش ان میں پیدا ہو گئی

اور کس لئے کیا گیا شاہ صاحب اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ  
تینفسہ علیہم امر الدین و تدبیرہ  
علیہم من کل جانب  
اور آخر میں وہی بات کہ عام لوگوں کے لئے دین کو آسان بنانے کی یہی شکل تھی اسی کی  
طرف شاہ صاحب مرحوم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔  
صدق حیث قال ان الدین سہل  
سچ فرمایا گیا کہ الدین صرف سہولت اور آسانی ہے



# تبصرہ

نزہۃ الخواطر فی ہیجۃ المسامع والنواظر (عربی) | از مولانا سید عبدالحی المحسنی  
تقطیع کلاں صفحات ۲۴۴، مطبوعات ٹائپ جلی مطبوعہ دارۃ المعارف حیدرآباد وکن قیمت  
دربج نہیں۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی جب کہ اسلام کے آفتاب صداقت فی سبیل  
عرب سے بلند ہو کر عجمی ممالک پر اپنی کرنی بکھیرنی شروع کیں تو ہندوستان کی زمین بھی  
اس کی نورپاشیوں سے محروم نہ رہی۔ ہندو میں عربوں کے علاوہ ملک کے دوسرے  
گروہوں میں مختلف مسلمان خاندانوں نے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ سلطنتیں قائم کیں  
صوفیائے کرام نے روحانی تزکیہ و تصفیہ باطن کی خانقاہوں میں طریقت و معرفت کی شمعیں  
روشن کیں علماء نے مدارس میں علوم و فنون کی محفلیں گرم کیں۔ شعرا نے شعرا و ادب کی برم  
کو نغمہ سرائی سے رونق بخشی اور اب قلم و تصنیف نے صفحہ قرطاس پر موتیوں کی چادریں  
بچھائیں اور ان سب کی کوششوں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ چند صدیوں میں ہی مرزوبوم ہند خطہ  
بغداد و قرطبہ کا ہم نشین ہو گیا اور کو ذول بصرہ کے علمی و دینی شہ نشینوں سے دعوائے جنگ  
زنی کرنے لگا لیکن نہایت افسوس ہے کہ عرب مورخین نے کچھ تو اپنی عربی عنصرت  
کی وجہ سے اور کچھ اور اسباب کی بناء پر ہندوستان کی ان کوششوں کو اپنی کتابوں میں وہ  
مرتبہ نہیں دیا جس کا کہ وہ بجا طور پر مستحق تھا چنانچہ حافظ ابن حجر نے دررکامنه میں امام بخاری  
نے الفوائد الامع میں اور قاضی شوکانی نے البدایہ الطالع میں اور حضرمی نے النورانیہ  
میں ہندوستان کے صرف انھیں چند علماء کا تذکرہ کیا ہے جو یہاں سے ہجرت کر کے

عرب ممالک میں آباد ہو گئے تھے یا ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے تھے حد یہ ہے کہ امام سخاوی نے اپنی کتاب میں گیارہ ہزار چھ سو گیارہ اصحاب کے تراجم لکھے اور وہ خود اس کے مدعی بھی ہیں کہ انھوں نے کسی ملک کی کسی قابل ذکر شخصیت کو نظر انداز نہیں کیا ہے لیکن اس کے باوجود علمائے ہند میں ان کو صرف ۳۸ شخصیتیں نظر آئیں جن کو وہ اپنی وسیع و ضخیم مجلدات میں جگہ دے سکے۔ فاضل شوکانی جو نسبت ہند کے علماء سے زیادہ واقف تھے انھوں نے تقریباً چھ سو اصحاب کی طویل فہرست تراجم میں ہندوستان کے صرف سات علماء کا ذکر کیا ہے۔

اس بنا پر بڑی ضرورت تھی کہ علمائے ہند میں سے ہی میدان تصنیف و تالیف کا کوئی شہسوار اٹھئے اور اپنے ملک کے اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش کرے نہایت مسرت کی بات ہے کہ مولانا سید عبدالحی صاحب التحسینی مرحوم جو ہمارے گذشتہ کاہدانِ علم و ادب کے ایک نہایت نامور اور نینز گام مسافر تھے انھوں نے اس بارگراں کو اپنے ذمہ لیا اور نرنہ الخواطر کے نام سے آٹھ جلدوں میں ایک محققانہ اور مستند کتاب بزبان عربی تصنیف کر دی مولانا کو سب علوم سے عموماً اور تاریخ و روایت سے خصوصاً بڑا لگاؤ تھا مطالعہ وسیع رکھتے تھے حافظ بڑا کا تھا پیر تفسیر کا ذوق بھی بڑا احصاف ستھرا اور پاکیزہ پایا تھا اس بنا پر مرحوم کا یہ کارنامہ علمی اور ادبی اعتبار سے کسی طرح ہمارے کسی متقدم مصنف تراجم کے کارنامہ سے کم نہیں ہو سکتا تھا۔ افسوس ہے مولانا کی وفات ہو گئی اور ان کی زندگی میں اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا کام سرانجام نہیں پاسکا اب ایک مدت کے بعد سرکار آصفیہ کی امداد و توجہ سے اس کی پہلی جلد جو اس وقت زیر تبصرہ ہے چھپ کر آئی ہے اس جلد کے شروع میں مولانا مرحوم کے خلف الصدق مولانا ڈاکٹر سید عبدالحی صاحب

کے قلم سے ایک مقدمہ ہے جس میں موصوف نے پوری کتاب کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے اس کے بعد خود فاضل مصنف کے قلم سے ایک مختصر مقدمہ ہے پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے جس میں پہلی صدی سے ساتویں صدی تک کے مشاہیر علم و فن کا تذکرہ ہے ان مشاہیر کو صدی وار بیان کیا گیا اور ہر صدی کے علماء کو ایک طبقہ قرار دیا گیا ہے اس طرح یہ کتاب سات طبقات پر مشتمل ہے۔

مولانا نے اس میں صرف واقعات و تراجم کے جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ممکن الاصول ذرائع و وسائل کی روشنی میں ان کی تحقیق و تنقید بھی کی ہے اور حواشی میں جو تاریخی اور جغرافیائی نوٹس لکھے ہیں ان میں بعض مثلاً ص ۶ پر تانہ کی تحقیق بہت کام کے ہیں ان سے قدیم تاریخوں کے بیانات سے جو الجھن پیدا ہوتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ معجزات، ترتیب تحقیق و تنقید اور زبان و بیان ہر اعتبار سے یہ کتاب عربی ادبیات کے ذخیرہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ امید ہے کہ ارباب ذوق اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے پہلی جلد تو شائع ہو گئی لیکن اب جبکہ ”آں قدر شکست د آں سائی نمائندہ کا عالم ہے نہیں کہا جاسکتا کہ باقی جلدوں کی طباعت کا کیا اور کب تک سامان ہوگا۔ اس تصور سے بڑی حسرت ہوتی ہے۔“ دیکھو ”کس کے گھر جانے کا یہ سیلاب بلا۔“

..... بعد ! (س)

# بُرْہَانُ

جلد ہست دوم شمس (۵)

مئی ۱۹۴۹ء مطابق رجب المرجب ۱۳۶۸ھ

## فہرست مضامین

- ۱۔ نظرات ۲۵۸ سعید احمد
- ۲۔ تدوین حدیث حضرت مولانا سید منافہ حسن حسنگیلانی ۲۶۱
- ۳۔ امیر المومنین سید الرحمن الناصر لدین اللہ جناب سید انوار الحق صاحب حق ائمہ ۲۸۹
- ۴۔ ابو المنظر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی ۳۰۵
- ۵۔ ادبیات منزل جناب روش صدیقی ۳۱۹

موجودی محمد ادریس صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کر کے دفتر سربراہ حج شامیہ

# نظرات

افسوس ہے گزشتہ ماہ کے نظرات ڈاک میں گم ہو گئے اور برادر محترم مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب کو باوجود صاحب فراش ہونے کے زحمتِ خامہ فرسائی کرنی پڑی بہر حال مقام اشاعت سے اس قدر دور ہونے کا یہ ناگزیر نتیجہ ہے اور ایک یہ ہی کیا سر ہے تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

اس کے علاوہ تبصرہوں کا نظم بھی تشکیک نہیں ہے لیکن امید ہے کہ آئندہ ماہ سے تبصرے بھی باقاعدہ شائع ہوں گے قارئین اور ناشرین کتب الطیبان رکھیں۔

مارچ کے نظرات میں اس طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ ملک کے آزاد ہوتے ہی اردو زبان و ادب - اور اسلامی علوم و فنون میں تصنیف و تالیف کی گرم بازاری ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے برعکس ناگزیر اسباب کی بنا پر ہو رہا ہے کہ ہماری پُرانی مطبوعات بھی بازار سے غائب ہوتی جا رہی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر حالات یہ ہی رہے تو شاید پورے ملک میں عربی، فارسی اور اردو کی ایک قابل ذکر کتاب بھی دستیاب نہ ہو سکے ضرورت ہے کہ مسلمان اس ضرورت کو محسوس کریں اور دلوں سے پاس و نیکی کو دور کر کے بھرپوری لگوں میں زندگی کا نیا خون پیدا کرنے کی سعی کریں۔

انہیں یاد کرنا چاہئے کہ ۱۹۴۷ء میں جو انقلاب آیا تھا اور جس نے مسلمانوں کی حیات

ملی کو سخت خطرہ میں ڈال دیا تھا اس کا فدی اثر یہ ضرور ہوا کہ تمام علمی اور ادبی سرگرمیوں پر مجبور مطلق طاری ہو گیا لیکن پھر مختلف سمتوں سے چند خدا کے بندے اُٹھے اور انھوں نے علم و ادب کے کالبند بے روح میں حرکت ہی پیدا نہیں کی بلکہ بعض اعتبارات سے اسے پہلے سے زیادہ مضبوط اور تندرست و توانا بنا دیا۔ دارالعلوم دیوبند۔ ندوۃ العلماء۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔ دارالمصنفین۔ ندوۃ المصنفین۔ جامعہ ملیہ اور اس طرح کے اور بیسیوں ادارے سب اسی عہد "غلامی" کی یادگار ہیں اور پھر مولانا نانوتوی۔ سید اقدس شاہ۔ شیخ الہند۔ شبلی حالی۔ اکبر۔ اقبال۔ ابوالکلام۔ حسین احمد۔ اور سید سلیمان ندوی یہ اور ان جیسے اور اکابر و افاضل علم و ادب سب اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں اس بنا پر کون کہہ سکتا ہے کہ علمی، ادبی اور ثقافتی اعتبار سے مسلمانان ہند کا یہ دوران کے سابق دور حکومت سے بہتر اور عمدہ تر نہیں تھا۔

مسلمانوں نے اس دور میں ایک طرف جدید علوم و فنون حاصل کئے اور ان میں تصنیف و تالیف کی اور دوسری جانب اپنے قدیم سرمایہ علوم و فنون کی حفاظت کا یہ بند و بست کیا کہ ان کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کئے اور پرائی کتبوں کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اسی سلسلہ میں دکنشوری پریس۔ مطبع مجتبائی اور کانپور و کلکتہ کے دوسرے مطابع نے جو اہم اور عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ ہماری شخصیت قومی کی تاریخ کا ایک شاندار باب ہیں مگر ان مطابع کے مالک مسلمانوں کی اجتماعی موت کا یقین کر کے پرائی کتبوں کی اشاعت و طباعت کا کام سرانجام نہ دیتے تو کوئی ختبہ نہیں کہ آج ہمارے علوم و فنون کا بازار کبھی کا سرد ہو گیا ہوتا اور ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کی ہوا کبھی نہ لگتی۔

یہاں اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ ان مطابع کے۔ لگوں نے صرف علوم و فنون کی حفاظت ہی نہیں کی بلکہ دنیوی اعتبار سے بھی انھوں نے بے شمار منافع حاصل کروا دیے ایک ایک نے لاکھوں روپے پیدا کئے آج ان لوگوں کی نسلیں اسی زمانہ کی کمائی کے سہارے ترقی کر رہی ہیں۔

پس موجودہ حالات میں ہیں اس دور سے سبق لینا چاہئے اور پورے عزم و حوصلہ اور دلولہ کے ساتھ علمی و دینی سرمایہ کی حفاظت اور اس کی ترقی کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے اس سلسلہ میں اگر مسلمان ملی تنظیم و تعمیر کا ایک ہمہ گیر پروگرام بنا کر اس کو شروع کریں تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ انفرادی طور پر بھی اس کام کو اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ صورت حال سے مایوس نہ ہو کر متمول ارباب مطابِع عربی، فارسی اور اردو کی پرانی کتابوں کو زیادہ سے زیادہ چھاپنے کا بندوبست کریں۔ ان کا یہ کام ایک بڑی قومی خدمت ہوگا اور امید قوی ہے کہ تجارتی طور پر بھی وہ گھاسٹے میں نہیں رہیں گے۔

دارالمصنفین اعظم گٹھ ایک پرانا اور مشہور تعلیمی ادارہ ہے اور اس نے اسلامی تاریخ و سیر کی خصوصاً اردو دوسرے علوم و فنون کی عموماً اردو زبان میں جو شاندار خدمات انجام دی ہیں اور علمی طریقہ پر جس طرح اسلامیات کی اشاعت کی ہے وہ اردو زبان کا سرمایہ افتخار ہیں ملک کے حالات اس ادارہ کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہے چنانچہ ابھی حال میں ادارہ کے چند ذمہ دار عمائد کی طرف سے ایک اپیل شائع ہوئی ہے جس میں ادارہ کی امداد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس جیسے ادارہ کی نہ صرف بقا بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کی سعی کرنا مسلمانوں کا خصوصاً اور اربابِ فِذق کا عموماً ایک اہم وقتی فریضہ ہے امید ہے کہ دردمند اصحاب بہ تعداد کثیر اس ادارہ کے محکمہ سنبھالیں گے اور اس کو باقی رکھ کر اپنی زندگی کا ثبوت دیں گے۔

# تدوین حدیث

## تدوین حدیث کا ماحول

(۵)

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات

(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اس کو بھی جانے دیجئے کہ پیغمبرؐ کی طرف کسی جھوٹ کو منسوب کرنا خود اپنے اندر کن بدہوناک نتائج کو پوشیدہ کئے ہوئے ہے ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنا، درحقیقت یوں سمجھنا چاہتے ہیں کہ منسوب کر دالا اس کا انتساب اس خدا کی طرف کر رہا ہے جس کی مرضی کی نماندگی کرنے کے لئے پیغمبرؐ اٹھایا اور بھیجا جاتا ہے پھر کیا جن بزرگوں کی راہ سے ہم تک حدیثیں پہنچی ہیں، ان کو ہم اتنا بڑا مجرم ٹھہرالیں جس سے بڑا مجرم قرآن کا فیصلہ ہے کہ کوئی دوسرا نہیں ہے، ایک سے زائد جگہوں پر فرمایا گیا ہے کہ اس سے بڑا عالم اور کون ہے جو خدا پر افترا کرتا ہے اور خدا کی طرف جھوٹ بات منسوب کرتا ہے۔ ان جن کی زندگی از سر تاپا مجرمانہ ہے کیا خدا کی شان ہے وہی اللہ کے دوستوں، رسولوں کے جانبازوں کو مجرمین کی اس جماعت میں ضم کر کے کرنے کی جسارت کر رہے ہیں



جن سے بڑا مجرم قرآن کی رد سے کوئی نہیں ہے اور طرہ تماشا یہ ہے کہ ان بزرگوں کو مجرم ٹھہرانے کی اس مہم میں چاہتے ہیں کہ سارے مسلمانوں کو گھسیٹ لیں۔ بلا خوف و تردید میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انکارِ حدیث کے فتنہ پر دانیوں کا آخری انجام یہی ہے اور یہی ہو سکتا ہے۔

حدیث اور روایۃ حدیث کے مقابلہ میں عصری ہنگامہ آرائیوں کا اگر یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ کہنے والے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دین کے بینات کی حفاظت اٹھانے کی جو سرگرمیاں مسیرائی ہیں چونکہ صحاح کی عام حدیثوں (یعنی اصطلاحاً جنہیں خبر اصل کہتے ہیں) ان کے ساتھ شروع ہی سے یہ سلوک اختیار نہیں کیا گیا اس لئے ان حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج و احکام کو چاہا جاتا ہے کہ اعتماد و وثوق قطعیت ملے بینات کی یہ اصطلاح قرآن سے ماخوذ ہے دین کے ان عناصر و اجزاء کی یہ تعبیر ہے جن کا تعلق دین سے آدمی کے عقلی احساسات کے آگے اتنا واضح دین اور کھلا ہوا ہو کہ سوچنے والے دین کو ان کے بغیر اور ان کے بغیر دین کو سوچ نہیں سکتے تو ارث و تعامل کی بنیاد بنا ہی میں نسلاً بعد نسل مسلمانوں میں جو چیزیں آغازاً اسلام سے منتقل ہوئی ہوئی ان متواترات کی شکل اختیار کر چکی ہیں جن کے انکار کی گمانش آدمی کی فطرت میں نہیں رکھی گئی ہے ان کے انکار کی عبرت اسی قسم کی جرأت ہے لکھائی یہ کہنے لگے کہ دنیا اسی وقت سے پائی جاتی ہے جب سے ہم اسے دیکھ رہے ہیں، باقی کہنے والے جو یہ کہتے ہیں اور خبر دیتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی دنیا موجود تھی آفتاب و مانتاب پائے جاتے تھے یہ صرف خبر دینے والوں کی ایک تراشی ہوئی خبر ہے ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو کبھی سمجھا جائے گا کہ انسانی فطرت اور اس کے تمدنی اتقناؤں سے وہ محروم ہو چکا ہے، بالفاظ دیگر باطل و اعدوان ہے۔ بہر حال دین اسلامی کے بینات مثلاً قرآن ہی کو لیجئے۔ کیا قرآن کو الگ کر کے کوئی اسلام کو سوچ سکتا ہے اور یہی حال اسلام کی ان ساری چیزوں کا ہے جو اسی راہ سے منتقل ہوئی ہوئی اگلوں سے پھیلوں میں آ رہی ہیں جس راہ سے قرآن منتقل ہوتا ہوا آ رہا ہے۔ بینات اور غیر بینات کے مباحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب مذہب و دین فقہ ۱۲

دین کے ساتھ ساتھ وہ مقام حاصل نہ ہو جو دین کے بیانات اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج و احکام کی خصوصیت ہے، اگر واقعی کہنے والے یہی کہنا چاہتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا منکر کون تھا مجھ ہی سے آپ سن چکے کہ ماننے والوں نے آج ہی کیا ہمیشہ سے یہی مانا ہے اہمیت میں شرعی قوانین کے ان دونوں سرچشموں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے اس کا قائل ہی کون تھا جس کی تردید کی خواہ مخواہ زحمت اٹھائی جا رہی ہے، مانی ہوئی بات کو منوانے کے لئے بھلا ان بے ہنگام شورشلوں کی کیا ضرورت تھی، یہی نہیں بلکہ ان حدیثوں میں بھی کون قائل ہے کہ سب کا درجہ اعتماد میں برابر ہے جن حدیثوں کی سند میں معنی بیان کرنے والوں کے سلسلہ میں یا متن میں جہاں جہاں کوتاہیاں پائی گئی ہیں۔ ان کوتاہیوں سے کس زمانے میں چشم پوشی کی گئی ہے؟ ہذا آپ نے کیا نہیں سنا ہے کہ حدیثوں کے اسی ذخیرے میں صحیح حدیثوں کے ساتھ حسن اور ضعیف حدیثوں کی نشان دہی خود محدثین نے کی ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کے علمی مجاہدات اور جان پر کھیل کر جو معلومات انھوں نے فراہم کئے ہیں ان ہی مجاہدات اور معلومات کی روشنی میں ہم نے ان روایتوں کو پہچانا ہے اور پہچان سکتے ہیں جن کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انساب درست نہیں ہے العوض اس سلسلے میں کام کرنے کا کون کام تھا جو اٹھا رکھا گیا ہے آپ اگر ان سے نادانفت ہیں تو آئیے اور مجھ سے اس داستان کی تفصیل سنئے میں خیال کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ اور ملت منصورہ کی فکر میں گھلنے والوں پر اس کے بعد خود بخود واضح ہو جائے گا کہ ان خود ساختہ انکار اور خود آفریدہ ادہام و شکوک میں ان کا گھلنا بھی بے معنی ہے اور مدسروں کو بھی گھلانے کی کوشش

جو ان کی طرف سے مسلسل جاری ہے لا حاصل کو شمش ہے بلکہ اگر کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مجرمانہ کو شمش ہے اللہم اھد قومی فانھم لا یعلمین - وسیعاً سمون الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون -

ان لوگوں کے لئے جو نہیں جانتے ہیں یا جانتے ہیں مگر سوچنے کا موقعہ ان کو نہیں ملا ہے، سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں مستحقِ توجہ یہ ہے کہ دین کے لئے ”بیانات“ کو نگرانی و حفاظت، تبلیغ و اشاعت میں جو تاریخی سرگرمیاں مسیر آئی ہیں ان سرگرمیوں سے مدنیوں کا وہ ذخیرہ کیوں استفادہ نہ ہو سکا جن سے پیدا ہونے والا نتائج و احکام کو فاعل و توارث کی قوت حاصل نہیں ہے یعنی وہی مدنی جنہیں خبر اہل کہتے ہیں ان کے ساتھ یہ صورتِ حال کیوں پیش آئی؟ آیا یہ کوئی اتفاقی واقعہ ہے، یا قصد و ارادۃً ان کو اس حال میں رکھا گیا ہے؟ اس حادثہ کو اتفاقی واقعہ قرار دینے پر علاوہ دوسرے اسباب و وجوہ کے جو اجماعی بیان کئے جائیں گے اگر سوچا جائے تو یہ کسی عجیب بات ہوگی آخر اتفاق کا کیا مطلب ہوگا؟ یہی تو کہ ان کی حفاظت و نگرانی کی ذمہ داری جن لوگوں پر عاید ہوتی تھی، ان لوگوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کیں اور بجائے اس کے بے اعتنائی اور بے توجہی سے کام لیا، ظاہر ہے کہ یہ کام تو ان ہی لوگوں کا تھا۔ جو دینِ اسلامی کے سب سے پہلے محافظ اور مبلغ ٹھہرانے گئے تھے پھر کیا اعیانِ بائند صحابہ کرام بلکہ خاتمِ بدین خود پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان مہرلوں اور بے اعتنائیوں کو منسوب کر دیا جائے؟

ابتدائی تاسیس و آغاز کی تاریخ اسلام کی بھی اگر وہی ہوتی جو تاریخِ دنیا ان اکثر مذاہب و ادیان کی ہے جن سے ہم واقف ہیں، تو شاید اس کے تصور کی

حد تک گنجائش بھی پیدا ہو سکتی تھی، یعنی کہا جاسکتا تھا کہ یہ مجبوری کا نتیجہ تھا لیکن کون نہیں جانتا کہ ظہور کے ساتھ ہی ایک عظیم نشان سیاسی طاقت اسلام کی نشپت بنا ہی کے ٹٹے اس کی تاسیس و آغاز کی ابتدائی دلوں ہی میں ہمیا ہو گئی اور کیسی سیاسی طاقت، کل دس پندرہ سے بیس سال کے اندر بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرۂ زمین کی سب سے بڑی قاہرہ حکومت و سلطنت اسلام کی حفاظت و بقاء و تبلیغ و اشاعت کو اپنا واحد نصب العین قرار دینے ہوئے قائم ہو چکی تھی، آخر اسی دین اسلام کے بیانات کے متعلق بقول ابن خزم دنیا کی یہ سب سے بڑی طاقتور حکومت جب اس تماشے کو پیش کر چکی تھی کہ

ولی عمر ففتحت بلاد الفرس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد خلافت

طیلا و عرضا فتحت الشام کھلا کی باگ ہوئی، ان کے زمانہ میں ایران کا سارا

والجزیرۃ دمصر و لمری بلد علاقہ فتح ہوا، اسی طرح شام و الجزیرہ و مدینہ

الادینیت فیہ المساجد و مسخت فرست کا دمیانی علاقہ مصر پر سارے علاقے

فیہ المصالح و دمرہ ائمۃ القلہ فتح ہوئے، اور ان تمام ممالک میں کوئی ایسا

وعلہ الصبیان فی المکاتب شرقا ملک باقی نہ رہا جس میں مسجد نہ تعمیر ہوئی ہو ہر ملک

دعنا باد یعنی گذشتہ عشرۃ اعوام میں قرآن کے نسخے لکھے گئے۔ قرآن کے پڑھنے

داشکھلا ۶۷۰ والوں نے انہیں پڑھا اور مکتب خانوں کے بچوں

کو پڑھایا گیا، مشرق و مغرب ہر جگہ یہی کیا گیا حضرت

عمر دس سال اور کچھ مہینے زندہ رہے، اور اسی

زمانہ میں ہی حال ان سارے مغربہ علاقوں کا تھا

لہ لڑکے تو لڑکے اسی سے اندازہ کیجئے کہ ترسان جیسے دور دراز مقام میں لکھا ہے کہ ابن عباس کے شاگرد بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ

اسی دس سال کچھ پہلے کے اندر یہ ہو گیا جیسا کہ ابن حزم ہی نے لکھا ہے کہ  
 دان لم یکن عند المسلمین اذما  
 جس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
 عمر مائة الف مصحف من مصر  
 وفات ہوئی، تو مصر سے لے کر عراق تک اس  
 الی العراق الی الشام الی  
 عراق سے شام تک شام سے یمن تک قرآن  
 الیمن من ابین ذلک فلم یکن  
 کے نسخے جو پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد اگر  
 اقل ۱۰۰۰  
 ایک لاکھ سے زیادہ تھی تو کم بھی نہ تھی۔

سوال یہی ہے کہ جس حکومت کی طاقت سے یہ کام قرآنی نسخوں کے پھیلانے  
 میں لیا گیا تھا وہی حکومت اگر چاہتی تو پچیس تیس ہزار حدیثوں کے اس مجموعہ کی حفاظت  
 و اساعت کا انتظام اسی پہلے پر کیا دہ نہیں کر سکتی تھی، جس پہلے پر قرآن کی حفاظت و اساعت  
 کا فرض انجام دیا گیا جس کے فائدے کے ایک ایک قطعہ اور خط کی آمدنی سے لوگ فرعون اور فرعون  
 کی شان و شوکت کو مہیا کر سکتے تھے، خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس حکومت کے قبضے میں یہ سارے علاقے  
 ہوں وہ کیا کچھ نہیں کر سکتی تھی یہ یہ مبالغہ نہیں کہ وہ اگر کہو، جس طاہرہ حکومت کی نصرت و تائید اسلامی دین کا  
 اپنی تاریخ کے ابتدائی دہائیوں میں مسیرا گئی تھی سونے کے پتروں پر جو اہرات کے حوض  
 میں بھی ان حدیثوں کو وہی حکومت اگر لکھوانا چاہتی تو یقیناً وہ لکھوا سکتی تھی، یہی السجریہ  
 (عراق و عرب) کے حکمرانوں نے ذات و دجلہ کے کنارے سونے کی کتنی گائیں ڈھلا  
 ڈھلوا کر گڑوا دیے تھے یا مصر کے بادشاہوں نے جو کچھ کیا یا جو کچھ دہ کر سکتے تھے  
 اس کا اندازہ ان کی قبروں سے برآمد ہونے والی چیزوں سے ہو سکتا ہے آخر ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فتاح بن خزام کے کتب خانوں میں ہزار ہا لکڑیوں کے ساتھ سات سو لکھیاں

پڑھتی تھیں مکتبہ مفتاح السعاده ج ۱ اردو حال اسلام کے ابتدائی عہد کا ہے ۱۲

ہی کی تو آمدنی تھی، جس سے سکندریہ میں جیسا کہ کہا جاتا ہے چھ لاکھ کتابوں کا کتب خانہ  
 قائم کیا گیا تھا پھر اس کے کوئی معنی ہو سکتے ہیں کہ اسی آمدنی کی وارث حکومت کو تھیں  
 تیس ہزار حدیثوں کے مجموعہ کے لکھوانے سے بھی معذور و مجبور قرار دیا جائے، اور یہ  
 حال تو خیر عہد صحابہ کا ہے خود نبوت کا جو دور تھا مانا کہ اس وقت کی حکومت کے طول  
 و عرض میں اتنا اضافہ نہ ہوا تھا۔ لیکن جو حکومت اس وقت بھی قائم ہو چکی تھی جہاں  
 ابن خزم ہی کے الفاظ میں اس نے ہر کر کے دکھایا تھا

الاسلام قد انتشر وظہری	اسلام (نبوت کے آخری زمانہ میں) پھیل گیا
جميع جزيرة العرب من منقطع	اور سارا جزیرہ عرب یعنی بحر قلزم سے جو خط
البحر المعروف ببحر القلزم ما دارا	بحرین کے ساحل سے گذر کر خلیج فارس کے
الی سواحل الیمین لکھا الی بحر	آخری حدود تک پہنچا ہے اور وہاں سے
الافراس الی منقطعہ ما دارا الی	دیا ہے فزات پر اگر ختم ہوتا ہے پھر فزات
الفزات ثم علی ضفۃ الفزات	سے گذرتے ہوئے شام کے آخری حد
الی منقطع الشام الی بحر القلزم	پر پہنچ کر بحر قلزم سے خط جو مل جاتا ہے
ونی هذه الجزيرة من المدن	اس سارے علاقے میں اسلام غالب
والقری ما لا يعرف عدده الا	اگیا ظاہر ہے کہ عرب کے اس جزیرے میں
الله عز وجل کالین و البحرین،	شہر بھی تھے اور دو سری آبادیاں بھی کہیں
وعمان ونجد، و جبل طی، بلاد	ایسی آبادیاں جن کی صحیح تعداد اللہ عزوجل
مضر و دبیعة و قضاة و العظا	کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً یمن۔ بحرین
ومکنہ و لکم قد اسلم و بنو النسا	عمن نجد، امیل۔ قح، مضر و ربیعہ و قضاء

لیس منھا مدینۃ ولاقریۃ ولا  
حلت الاعراب الا قد قرء فیھا  
القرآن فی الصلوات وعلیٰ الصیۃ  
والرجال والنساء ص ۶۲  
کے علاقے اسی طرف طائف کا شہر مکہ کا شہر  
دعہ نبوت کے آخری عہد میں، ان علاقوں کے  
باشندے اسلام قبول کر چکے تھے اور مسجدیں  
تعمیر کر لی تھیں، پھر ان میں کوئی شہر کوئی آبادی  
بایدیوں کی فزود گاہ ایسی نہ رہی تھی جن میں  
نازوں کے اندر قرآن پڑھا جانا تھا، اور  
مکتب خاقوں میں بچوں کو اسی طرح مردوں  
اور عورتوں کو قرآن نہ پڑھا دیا گیا تھا۔

کیا عہد نبوت کی اسی حکومت کے لئے یہ کوئی بڑا مسئلہ ہو سکتا تھا کہ قرآن  
اور قرآن کے ساتھ دین اسلام کے دوسرے یقیناتی عناصر کی اشاعت عام میں اپنی  
جس طاقت کا مظاہرہ اس شکل میں جیسے اس نے کیا تھا کہ بقول ابن خزم۔  
”پانچ دفتوں کی نازوں میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ مومن ہو یا کافر کسی کے  
بئے اس شبہ کی گنجائش“ ان میں نہ جھوڑی گئی، ان میں ہر ایک جانتا ہے کہ ان نازوں  
کو مفرہ اوقات پر پیغمبر اپنے صحابیوں کے ساتھ پڑھتے رہے اور جو بھی جہاں کہیں آپ  
کے دین میں داخل ہوئے وہ بھی ان نازوں کو پڑھتے رہے اور آج تک پڑھ رہے ہیں بغیر کسی شک  
دشہ کے اس یقین کو ہر ایک اپنے دل میں پاتا ہے کہ سندھو لے بھی ان نازوں کو اسی طرح پڑھ  
میں جس طرح اندلس دے ان کو ادا کرتے ہیں آرمینہ کے باشندے ان ہی نازوں کو پڑھتے ہیں جو  
بمن دے پڑھتے ہیں یہی حال رمضان کے روزوں کا ہے کہ نہ کسی مومن کے لئے شک کی گنجائش  
بائی رہی اور نہ کافر کے لئے کہ رمضان میں آنحضرتؐ نے روزے رکھے اور جہاں کہیں جو لوگ

بھی آپ کے دین میں داخل ہوئے وہ بھی ہر سال ان روزوں کو رکھتے ہیں، اسی طرح  
 نسلاً بعد نسل رمضان کے روزوں کا یہ سلسلہ مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے  
 یہی حال حج کا ہے کہ مومن ہو یا کافر سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے خود بھی حج کیا اور اس کے مناسک کو ادا فرمایا، اور ہر علاقہ کے مسلمان ہر سال ایک  
 ہی مہینہ میں اس کو ادا کرتے ہیں، الغرض یہ اور اسی قسم کی وہ ساری چیزیں جن کا قرآن  
 میں مطالبہ کیا گیا ہے ان سب کا یہی حال ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کی فرضیت، مردار اور  
 سود وغیرہ کی حرمت وغیرہ ملل والنحل ابن خزم صفحہ ۶۸ ج ۲

جس طاقت سے کام لے کر ان دینی عناصر کو قطعیت کا یہ رنگ بخشا گیا  
 تھا کیا وہ ہو سکتی تھی کہ قطعیت کے اسی رنگ کو، اسی طاقت اور قوت کو اگر خبر اُچار  
 دے احکام و مسائل میں بھی بھرنے کا ارادہ کیا جانا تھا تو اس مقصد کی تکمیل سے  
 اسی حکومت کو کون روک سکتا تھا، حکومت تو بہر حال حکومت ہی ہوتی ہے ان ہی  
 ہدنیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی انفرادی شخصیتوں نے پچھلے زمانے میں جب جہاں  
 تو واقعہً ان کو آب زر اور سونے کے پانی سے لکھوایا۔ مفتاح السعاده میں ابو محمد زنی  
 ایک عالم کے تذکرے میں لکھا ہے کہ

امر بکتاب اللہ عن جبل بصحیح کتاب اللہ یعنی قرآن مجید، اور صحیح بخاری

النجادی تکتبوا لہ بساء الذهب کے متعلق انھوں نے حکم دیا تو لوگوں نے

من الاول الی آخرہ صحیح آپ زہد سے دونوں کتابوں کو ادا سے ہٹ کر لکھا

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اتفاقاً کتابوں میں اس قسم کے واقعہ کا ذکر آ گیا اور نہ مسلمانوں  
 نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا ہوگا، اس کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ طلانی مودون کے



قرآن مجھے نسخے آج بھی جس کا جی چاہے اوسط درجے کے جس اسلامی کتب خانہ میں چاہے دیکھ سکتا ہے قرآن کے لکھوانے میں جو جذبہ کار فرما رہا ہے حدیثوں کے متعلق کیوں سمجھا جائے کہ وہی جذبہ اثر انداز نہ ہوا ہوگا خیال تو کیجئے تیسری صدی ہجری کا زمانہ ہے، ابو عبید نے اپنی مشہور کتاب کتاب الاموال لکھی تھی، جس میں ”مالیات“ کے متعلق عہد نبوت و عہد صحابہ کے آثار جمع کئے گئے ہیں گویا براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متصل مسند حدیثوں ہی پر یہ کتاب مشتمل نہیں ہے بلکہ مدنیوں کے ساتھ ساتھ صحابہ تابعین کے آثار اور فتوے سب ہی طرح کی چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں لیکن بایں ہمہ اندازہ کیجئے مسلمانوں کے جذبات کا، ابن عساکر کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل بن رستم اصفہانی محدث المتوفی ۲۴۱ھ خود کہتے تھے کہ میں نے ابو عبید سے عرض کیا۔

یا ابا عبید! رحمک اللہ! اسیدان اکتب کتاب الاموال جاء الذہب  
 ابو عبید اللہ اپنی رحمت آپ پر نازل کرے  
 کہ ایسی کتاب آپ نے لکھی، میں چاہتا ہوں  
 کہ آپ کی کتاب الاموال کو اب زور سے لکھواؤں

ص ۲۱  
 ۲۲

لیکن خود ابو عبید نے ابن رستم کو اس سے منع کیا اور کہا کہ جو دمالی سبر خاں سیاحی سے لکھوانا بہتر ہوگا، کیونکہ دیر تک اس کا اثر باقی رہتا ہے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ ابن رستم

۱۔ صوبہ بہار کے ایک دور افتادہ گاؤں خضر چک میں بٹویوں کے گھرانے میں ایک کتب خانہ کے دیکھے ہوئے مجھے معلوم ہوئے دوسرے نواز کے میں نے حدیث کی دعاؤں کی کتاب دو حصن حصین کا ایک نسخہ دہان دیکھا تھا جس کا زین بن یلم کے بانی سے اودے رنگ سے تیار کی گئی تھی، اور حروف اول سے آخر تک طلائی تھے عوانات اور فضول ص کر دہ موتی کے بانی سے لکھے گئے تھے غالباً ابھی وہ نسخہ خضر چک میں موجود ہوگا ۱۱

نے صرف ارادہ ہی کیا تھا، میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر ابو عبیدہ نہ روک دیتے تو ضرور بائیں  
ارادے کو وہ پورا کر کے رہتے، آخر جس شخص کے متعلق ابن عساکر ہی نے یہ لکھتے  
ہوئے کہ ان کے پاس حدیث کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا آخر میں بیان کیا ہے کہ

أَفْنَقَ عَلَيْهِمُ اخْتِوَامُ ثَلَاثَةِ أَلْفٍ حَسْبُ تَقْرِيبًا مِّنْ لَّا كُودَرُمُ الْهَوْنُ نَعْنُ مَرْنُ

کئے تھے۔

درہم

ابن لاکھ درم جس نے حدیثوں کی کتابت پر خرچ کر دیا ہو، کیوں تعجب کیجئے  
اگر ابو عبیدہ کی کتاب الاموال کو وہی آب زر سے، جیسا کہ ارادہ کیا تھا لکھوا دیتے مسلمانوں  
کے مذاق کا اس باب میں کون اندازہ کر سکتا ہے حکومتیں اور سلطنتیں جو کچھ کر سکتی ہیں  
ان کو تو جانے دیجئے، منیری صدی کے محدث حافظ یعقوب بن شیبہ کے تذکرہ  
میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں اپنی مسند تیار کر رہے تھے۔

کان عند منزل یعقوب ابن یحیٰ کان عند منزل یعقوب ابن یحیٰ کان عند منزل یعقوب ابن یحیٰ

لحافا اعدا ہا لمن یبیت عندہ لے تاکہ حدیثوں کے نقل کرنے کے لیے ان

من الوراقین الذین یبضون کے ہاں رات کو کاتبوں کی جو جماعت سوتی

المسند علیٰ انکرة المفاہیج ۲ تھی اس کے اڑھنے میں کام آتیں۔

میں جو حیران ہوں کہ پڑھنے والے عام متداول کتابوں میں اس قسم کے واقعات  
بھی پڑھتے ہیں، مثلاً قرأت اور عربیت کے امام ابو عمرو بن العلاء جن کے متعلق سمجھا  
جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پچاس اور پچھپن سال یا چھ سال اسی کے  
آگے پیچھے مکہ میں پیدا ہوئے، آخر میں مصر کے کو اہل وطن بنا لیا تھا، بعض صحابہ مثلاً  
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی استفادہ کا موقع ان کو ملا تھا بہر حال کہنا یہ

ہے کہ ان ہی کے حالات میں ابن خلکان البانی وغیرہ سبوں نے لکھا ہے کہ  
 كانت كتبه التي كتب عن العرب ابو عمرو بن العلاء في فضاء عرب في حين حيا  
 الفصحاء قد ملأت بيتا له الى  
 السنن ۳۲۵ ۱۲ البانی  
 تک کرہ بکرا ہوا تھا۔

سوچنے کی بات ہے کہ ابو عمرو دانا کہ کوئی بڑے رئیس آدمی نہ تھے تاہم بعض  
 معلوم خصوصاً قرآن کے پڑھانے میں اور ادب عرب کے امام مانے جاتے تھے،  
 عربی ادبی میں ان کی واقفیت کا کیا حال تھا، اسی سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو  
 اہمعی ان کے شاگرد رشید کی اس ذاتی شہادت سے ثابت ہے، یعنی اہمعی کا بیان  
 ہے کہ

”میں دس سال تک ابو عمرو بن العلاء کے حلقہ میں بیٹھا ہوں، لیکن کسی  
 لغوی مسئلہ میں شعر کے پیش کرنے کی جب ضرورت ہوئی تو اس شخص نے  
 کبھی اسلامی شاعر (یعنی عہد اسلام) کے کلام کو پیش نہیں کیا۔“

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قبل اسلام کے جاہلی شعراء کا کلام ہی ابو عمرو کو اتنا اچھا  
 تھا کہ اسلامی شعراء کے کلام میں اس مسئلہ کے متعلق شہادت ڈھونڈنے کی ضرورت  
 پیش نہیں آتی تھی۔ کچھ بھی ہو یہ ماننا پڑے گا کہ ابو عمرو کا مکان کوئی معمولی غریبوں کا جو پڑ  
 نہ ہوگا، بصرہ اور کوفہ میں مسلمانوں کی تعمیر یافتہوں کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، وہ سمجھ  
 سکتے ہیں کہ جس حیثیت کے آدمی ابو عمروؒ تھے ان کے کتب خانہ کا یہ کرہ کافی طول و عرض

۱۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابو عمرو کو بچوں کا خاص شوق تھا، مدد نہ گھبرا جاتا تھا، وہ بڑی پھولا  
 کو خشک کر کے منہ دھونے کی چیزوں میں کوٹ کر ملا دیا جاتا تھا گویا خوشبودار مابن بنایا جاتا تھا ۱۲

بھی رکھنا ہوگا، اور بلندی بھی اس کی اسی نسبت سے ہوگی یہ کمرہ نیچے سے اور چھت تک کتابوں سے پٹا ہوا تھا، خیال کرنا چاہیے کہ ان کتابوں کی اور قتبے اوراق پر وہ منسلک ہوں گی ان کی تعداد کیا ہوگی اندازہ میں انتہائی مسامحت سے کیوں کام نہ لیا جائے، پھر بھی وہ دس بیس کتابیں اور ستودہ ستودہ ورق تو کبھی نہیں ہو سکتے، بہر حال اتنا تو یقینی ہے کہ جتنے صفحات میں پچیس تیس ہزار حدیثوں کے متون سند کے ایک دورادی کے ناموں کے ساتھ لکھے جاسکتے ہیں، ان سے توان کی مقدار یقیناً زیادہ ہی ہوگی۔

میں پوچھنا ہوں کہ پہلی صدی ہجری میں نصیر کے ایک خوش باش شہری تو غلطاً کاغذ بڑا ذخیرہ مہیا کر سکتا ہو، لیکن جس حکومت کا وہ ادنیٰ رعیت ہو، اس کو اتنا مجبور و معذور، بے دست و پا فرض کر لینا کس حد تک درست ہو سکتا ہے کہ جاہلی شعرا کے اشعار نہیں بلکہ جس پیغمبر کے صدقہ میں یہ حکومت قائم ہوئی تھی، اس کے ملفوظات انتشار و رفتار سیرت و کردار کے متعلق معلومات کے قلمبند کرنے کا سامان نہیں رکھتی تھی،

اب میں کیا عرض کروں ابو عمرو بن العلاء کی چھت سے لگی ہوئی ان کتابوں کی صحیح مقدار پر کمرے کی صحیح مقدار کے نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کہنے والے جو کچھ بھی کہتے ہیں، لیکن اسلام کی ان ہی ابتدائی صدیوں میں اسی حکومت کے ایک عام باشندے ابن عقیلہ کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ

تحوّل مراۃ دکان کتبہ ست جہاں پہلے رہتے تھے وہاں سے جب ایک

مائلۃ جبل الیافنی ص ۳۲۰ دفعہ منتقل ہوئے تو چھ سو ادھار نوں پران کی

کتابیں لادی ہوئی تھیں۔

نہری صدی کے ایک محدث ابن عقدہ جن کی وفات چوتھی صدی میں ہوئی ہے  
 یہ ان کے کتابی سرمایہ کا حال بیان کیا گیا ہے کہتے ہیں کہ ہراونٹ نو من بوجھ لادینا  
 حساب کر لیجئے کہ ابن عقدہ کی ان کتابوں کا مجموعی وزن کتنا ہوا، گو مورخین نے تصریح  
 تو نہیں کی ہے لیکن غالب فرینہ یہ ہے کہ اس کتابی سرمایہ میں زیادہ تر وہی چیزیں  
 تھیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خاندان، آپ کے اصحاب  
 سے متعلق تھا کیوں کہ ابن عقدہ ان ہی چیزوں کے اپنے وقت میں بے نظیر عالم اور  
 حافظ سمجھے جاتے تھے اور اس کو بھی جانے دیجئے زمانہ چونکہ آگے بڑھ گیا ہے اس  
 لئے گفتگو کی گنجائش پیدا ہو سکتی ہے، لیکن ابو قلابہ کا نام حدیثوں کی سند میں آپ کی  
 نظر سے گزرا ہو گا ان کی وفات ہی ہوئی ہے سنیہ ۱۸۷ میں جس کا مطلب یہی ہوا کہ پہلی  
 صدی ہجری کے علماء میں ہیں، سنئے ان کی کتابوں کی مقدار میں اللہ ہی نے نفل کیا۔

مات ابو قلابہ بالشام فارسی  
 بکتبہ لایوب السخنیانی نجی  
 فی عدل ساحتہ مشہور

ابو قلابہ کا جب انتقال ہوا تو وفات سے  
 پہلے اپنی کتابوں کے متعلق انھوں نے وصیت  
 کی تھی کہ ابوب سخیانی ران کے شاگرد تھے،  
 ان ہی کے سپرد کر دی جائے کتابیں جب  
 ابوب کے پاس آئیں تو ایک اونٹ کا نصف

بار تھیں۔

سائے چار من تو ان کتابوں کا وزن ہونا چاہیے آئندہ کبھی کسی موقعہ پر ان  
 کی کتابوں کا ذکر آئے گا، جہاں بتایا جائے گا کہ زیادہ تر ان کی یہ کتابیں رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں ہی پر مشتمل تھیں۔

اور فقہ کچھ اسی پر کیا ختم ہو جاتا ہے ؟ ابو قتادہ تو بہر حال تابعی ہیں ، لیکن بن عباس تو تابعی نہیں ہیں ان کے مشہور مولیٰ رازاد کردہ غلام ، کریم بن ابی مسلم کا بیان طبقات ابن سعد میں پڑھے ، موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں ۔

دفع عندنا کریم بن ابی مسلم ہمارے پاس عبداللہ بن عباس کے مولیٰ  
مولیٰ عبداللہ بن عباس حمل کریم نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں  
بعید من کتب ابن عباس جو ایک بار فتر تھیں ۔

ع ۲۱۶  
ج ۵ ابن سعد

ابن عباس کی ان کتابوں کا انشاء اللہ آگے بھی ذکر آئے گا ، اس وقت تو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ جس حکومت کی رعایا کے افراد ایک ایک بار فتر کتابیں لکھوا سکتے تھے خود اس حکومت کے امکانات کا اس باب میں لوگوں کو اندازہ کرنا چاہئے عہد نبوت اور عہد صحابہؓ کے متعلق جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ عہد جاہلیت سے چونکہ یہ زمانہ بہت فریب تھا اس لئے نوشت و خواند کے ساز و سامان کا اس وقت بہ سہولت میسر آنا آسان نہ تھا ہم اس کے متعلق پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ جاہلیت کے لفظ کا عوام جو یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ نوشت و خواند سے عرب کے باشندے اسلام سے پہلے قطعاً نا آشنا تھے یہ صحیح نہیں ہے جاہلیت قرآن کی ایک اصطلاح ہے ، ایک سے زائد مقامات پر قرآن نے اپنی اس اصطلاح خاص کا تذکرہ کیا ہے قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص قسم کے خیالات و عقائد ، عادات و اطوار کی تعبیر جاہلیت کے لفظ سے کی گئی ہے ورنہ جہاں تک عرب جاہلیت کے حالات سے بہت عیاں ہے نوشت و خواند میں اس ملک کے باشندوں کی اسلام سے پہلے

اگر بالکل یہ نہیں تو قریب قریب وہی حالت معلوم ہوتی ہے جو اس زمانہ کے عام متداول ممالک دایران روم مصر وغیرہ کی تھی بعضوں میں غلط فہمیاں تدوین قرآن کی ان روایتوں

سہ یعنی لازمی تعلیم اس زمانہ میں جہاں تک تاریخی روایات کا اقتضاء ہے کہیں نہیں تھی البتہ چین شاید اس کا سے مستثنی ہو، دوسری تیسری صدی ہجری کے ان سیاحوں نے جو چین پہنچے ہیں ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے لازمی تعلیم کا انتظام اس ملک میں اس وقت جاری تھا بہر حال چین کے سوا ملک میں کھینے پڑھنے والوں کا ایک خاص طبقہ پایا جاتا تھا اکثریت اس سہ سے بے گناہ تھی، اور یہی حال اب بھی تھا کہ اکثریت یقیناً نوشت و خاند سے ناواقف تھی لیکن ہر شہر میں کچھ لوگ پائے جاتے تھے جو کتب کا کام کرنے میں صرف فرائض کی کتابت کے لیے صحابیوں میں (۴۲) بزرگوں کا نام لیا جاتا ہے ان کے سوا تلاش اور متبع سے اس وقت بھی سیکڑوں آدمی کا نام بتایا جاسکتا ہے، ان امور کی تفصیل آپ کو یہ کتاب ”تدوین قرآن“ میں ملے گی جس میں دکھایا گیا ہے کہ عرب اہم جاہلیت میں کتابوں سے بالکل غفلت رکھتا تھا، میں وغیرہ میں مختلف خاندانوں میں کتابوں سے بھرے ہوئے صندوق پائے جاتے تھے عسائیوں کے گرجے عرب میں جہاں کہیں تھے ان میں پتہ چلتا ہے کہ (۴۳) کتاب عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں، یہی حال عرب کے یہودیوں کا بھی تھا یہ منورہ، خیبر وغیرہ جہاں کہیں رہتے تھے یہودی مذہب کی کتابوں کا ذخیرہ بھی وہاں پایا جاتا تھا جن کا ذکر کثرت کتابوں میں کیا گیا ہے۔ عرب کے یہودیوں اور عسائیوں کے سوا عام جاہلی خاندانوں میں ”مجلہ“ نقان نامی کتاب کا پتہ چلتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کتاب پیش بھی ہوئی تھی، ابراہیم کے شاہ نامہ کا عربی ترجمہ کہتے ہیں کہ ”یا کما تھا بلکہ نضر بن الحارث جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ابراہیم شاہنامہ کو لکھ کر حیرہ سے لایا تھا اسی کے متعلق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام سے بھی اسی قسم کا تاریخی نسخہ پر وہ مکہ لایا کرتا تھا، ممکن ہے کہ رومیوں کی تاریخ کا کچھ حصہ ہو، ان روایات پر اگر کھوسہ کیا جائے جو دینشو وغیرہ میں سہولت سے نقل کی ہو تو کیا جاسکتا ہے کہ عرب کے بازاروں میں یہودی کتابوں کی تجارت بھی کرتے تھے قرآن میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، ان ہی یہودیوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا عربی میں ترجمہ کر کے عربوں میں اس کی اشاعت کرنے کے لیے اور یہ تو بخاری میں بھی ہے کہ درق بن نوفل مکہ میں قوراء و انجیل کا ترجمہ عربی میں کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ جاہلیت کا جو ماحول جاہلیت کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے یہ درست نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی قسم کا ماحول علمی عرب بھی رکھتا تھا، ابن ابی اصیبع کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عارض بن کلابہ نے طاقت نے ایران کی مشہور طبی درسگاہ جہندساور میں طب کی تعلیم حاصل کی تھی اور عربی میں ایک طبی کتاب بھی اس نے لکھی تھی جو دوسروں کے قصائد بھی مکتوبہ شکل میں پائے جاتے تھے ۱۲

سے پیدا ہوئیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ شروع میں قرآن ادنٹ کی ہڈیوں یا کھجور کے عسب یا لحاف (پتھر، یا دم، چمڑے) وغیرہ پر لکھا جاتا تھا، سمجھ لیا گیا کہ نوشتہ خواند کے ساز و سامان کی کمی کا یہ نتیجہ تھا، حالانکہ پہلے ان الفاظ ہی کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ ان سے واقعی مقصد کیا تھا؟ لوگوں نے دماغ پر اتنا زور دینا بھی گوارا نہ کیا کہ بن گھڑے پتھر یا گری پٹری ہڈیوں پر لکھنے کی شکل ہی کیا ہو سکتی ہے، یا کھجور کی شاخ اور اس درخت کے پتوں میں اتنی وسعت کب ہوتی ہے کہ اس پر کچھ لکھا جاسکے، بس کہہ دیا گیا، اور لوگوں نے مان لیا، آگے بڑھ گئے، حالانکہ لغت کی کتابوں کا مطالعہ ذرا توجہ سے اگر کیا جاتا تو معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ سارے الفاظ اصطلاحی ہیں ان چیزوں کی تعبیر ان الفاظ سے کی گئی ہے جو خاص کر کے لکھنے ہی کے لئے مصنوعی تدبیروں سے اس زمانہ میں بنائی جاتی تھیں، آپ ہی سے میں پوچھتا ہوں کہ اسکولوں میں لوگ پتھر پر لکھتے ہیں، اس بیان میں اور اس میں کہ سلیٹ پر لکھتے ہیں کیا کوئی معمولی فرق ہے، لکڑی پر لکھنا اور سختی پر لکھنا، کیا دونوں ایک ہی بات ہے، درحقیقت ہڈیاں ہوں یا لحاف، پتھر، یا کھجور کی شاخ عسب، عربی زبان کے جو الفاظ اس وقت پر استعمال کئے گئے ہیں، ان سے یہ قطعاً عام چیزیں مقصود نہیں ہیں، بلکہ سلیٹ کے لفظ سے جیسے لکھنے کی چیز سمجھی جاتی ہے اگرچہ وہ پتھر ہی سے تیار ہوتی ہے، اسی طرح ان الفاظ سے خاص چیزیں مقصود تھیں نیز دو دوتین مین آتیں جو نازل ہوتی رہتی تھیں جن کا تعلق مختلف سورتوں سے ہوتا تھا ان آیتوں کو ابتدائی یادداشت کے طور پر ایسی چیزوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوایا کرتے تھے جو نسبتاً کتابت کی دوسری چیزوں کے لحاظ سے زیادہ پائدار تھیں، غلاصہ یہ ہے کہ سامان کتابت کی کمی اور قلت



کی وجہ سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اور مجھے اپنے اس خیال پر اصرار ہے کہ ان چیزوں کا انتخاب قرآن کی بنیاد پر نازل ہونے والی آیتوں کو قلم بند کر لینے کے لئے اختیار نہیں کیا گیا تھا بلکہ واقعہ کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے گویا یہ خیال کرنا چاہئے کہ شعراء کا جیسے یہ عام قاعدہ ہے کہ مصرعے اور اشعار جیسے جیسے تیار ہوتے جاتے ہیں انکو چھوٹی چھوٹی پرزوں پر پہلے لکھ لیتے ہیں اور بعد کو پوری غزل کے تیار ہو جانے کے بعد کسی بڑے کاغذ پر سب کو ایک جگہ جمع کر کے نقل کرتے ہیں، کچھ یہی صورت ان قرآنی آیتوں کی کتابت کی تھی جو تھوڑی تھوڑی مقدار میں نازل ہوئی رہتی تھیں، فرق صرف یہ تھا کہ شاعر اپنی ابتدائی یادداشت کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاغذ ہی کے استعمال کرتا ہے اور قرآنی آیات کی اہمیت کی وجہ سے بجائے کمزور چیزوں کے پرزوں کے ایسی چیزوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استعمال کئے گئے تھے جو نسبتاً زیادہ مستحکم اور زیادہ پائدار تھیں، مثلاً پتھر، ہڈی، کھجور کی شاخ سے لکھنے ہی کے لئے یہ ٹکڑے یا تھے بنائے جاتے تھے، اسی لئے جو میں پچیس سال بعد عہدِ مدنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لکھوائی ہوئی ساری ابتدائی یادداشتیں محفوظ حالت میں مل گئیں صرف سورۃ برأت یا سورۃ احزاب کی چند آیتوں والا رقم نہ مل سکا تقریباً ربع صدی تک ان تمام یادداشتوں کا محفوظ رہ جانا حیرت انگیز بات ہے، ان امور کی پوری تفصیل آپ کو میری کتاب تدوین قرآن میں ملے گی اس وقت تو یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن کی کتابت کی متعلقہ روایتوں کا اثر چونکہ حدیث کی کتابت پر بھی پڑا ہے، سمجھنے والوں نے سمجھ لیا ہے یعنی راوی کو یہ یاد نہیں رہا کہ ایک ٹکڑا ابتدائی یادداشت کے اس مجموعہ میں جو نہ ملا تھا اس میں بلاق کی آخر کی دو تین آیتیں تھیں یا سورۃ احزاب کی ۱۲

ہے اور دوسروں کو بھی وہ یہی سمجھاتے ہیں کہ ابتدا میں حدیثوں کے مکتوب نہ ہونے کی وجہ  
 سامانِ کتابت کی کمی تھی حالانکہ یہ قطعاً غلط خیال ہے، مان لیا جائے کہ عرب میں مصر کا  
 کاغذ یا چین کا کاغذ بھی میسر آتا ہو، پھر بھی اس زمانے میں لکھنے کی جو عام چیز تھی، یعنی رق  
 (یا پارچمنٹ) جو جانوروں کے معدے کے پاس کی باریک جھلیوں سے بنایا جاتا تھا اس  
 کے قحط کی عرب میں کیا وجہ ہو سکتی تھی عرب کی عام خوراک گوشت تھی، گوشت کھانے  
 والے ملک میں چربی آسانی کے ساتھ یہ جھلیاں فراہم ہو سکتی ہیں کیا اس پر تقریر کرنے  
 کی ضرورت ہے یا رقی شتر مرغ، یا خرگوش وغیرہ کی باریک کھالوں سے تیار کرتے تھے  
 سو ظاہر ہے کہ عرب میں ان چیزوں کی قلت کے بھی کوئی معنی نہیں ہو سکتے اور میں نوجو  
 کچھ کہہ رہا ہوں اس حکومت کے امکانات کے متعلق کہہ رہا ہوں، جو دینِ اسلامی کی پشت پناہی کے  
 لئے ٹھیک اس دین کی استیلاء ظہور ہی کے دفتروں میں قائم ہو چکی تھی کیا ایسی حکومت جس کا اقتدار سارے  
 عرب پر قائم تھا، اگر چاہتی تو تیس چالیس ہزار حدیثوں کے مجموعے کے لکھوانے کا بھی بندوبست نہیں  
 کر سکتی تھی، اس حکومت کے زیر اقتدار سارا عرب عہدِ نبوت ہی میں آگیا تھا، کیا آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ جانا زوں کا جو گرد  
 صحابہ کرام کی شکل میں آپ کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا، جان مال اور ہر وہ چیز جو ان کے  
 امکان میں تھی سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں پر جب وہ نثار کر رہا تھا  
 تو سوچنا چاہتے کہ ان سرفروشیوں کے لئے بھلا یہ بھی کوئی بڑی بات تھی؟ منشاء مبارک  
 کا ہلکا سا احساس بھی یقیناً ماننے کے ایک مجموعہ کیا ایسے سینکڑوں مجموعے کے لکھوانے کے  
 لئے کافی ہو سکتا تھا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ دس سال کے بعد ہی کیا  
 مصر اسلامی محروسہ میں شریک نہیں ہو چکا تھا، مصر اور مصر کے مشہور کاغذ بردی یا سپرس

کے تاریخی تعلقات سے جو واقف ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ حدیثوں کے لکھوانے کے لئے اس کاغذ کی جتنی بڑی مقدار حکومت چاہتی مصر سے فراہم کر سکتی تھی۔

بہر حال بات ذرا طویل ہو گئی لیکن کیا کیا جائے غلط نہیں کی گئیاں بھی تو کافی ہو رہی

اور لمبی ہیں گرہوں پر گرہیں پڑتی چلی گئی ہیں جب تک ساری گرہوں کو صبر سے کام لیتے ہوئے کھول نہ لیا جائے۔ جس واقعہ کو پیش کرنا ہے شاید آسانی سے لوگوں کے دماغ میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا۔ ورنہ کہنا تو صرف یہ تھا کہ دین اسلامی کے لحاظ سے جن امور کی حیثیت ایلیات کی نظر آتی ہے، ان کی حفاظت و اشاعت، تبلیغ و نگرانی میں غیر معمولی اہتمام

شروع ہی سے جو کیا گیا، اور یہ کیفیت اس غیر بینائی حصہ میں جو نظر نہیں آتی ہے جس کا عام حدیثوں (یعنی خبر واحد) سے تعلق ہے تو یہ نہ کوئی اتفاقی واقعہ ہے اور نہ قرن اول کے

لے اس مصری کاغذ کی تاریخی تفصیل پر مستقل معنون ہمارے مرحوم رفیق مولوی جمیل الرحمن عفر اللہ نے ایک مقالہ کی شکل میں جامع عثمانیہ کے تحقیقاتی مجلہ میں شائع کر دیا تھا، جو پر مغز معلومات سے معمور ہے یہ کاغذ مصر

میں کب سے بن رہا تھا، کیسے بنایا تھا، اس کی خصوصیت کیا ہوتی تھی، مصر کے سوا اور دوسرے ممالک میں بھی صنعت بانی جاتی تھی یہ سارے مباحث آپ کو اس مقالے میں میں گئے مسلمانوں نے مختلف مقامات

میں مختلف ملکوں سے اس صنعت کو حاصل کیا۔ لکھا ہے کہ مشہور پجری میں نطن ردوی، سے کاغذ بنانے کا کارخانہ یوسف بن عمرو نے مکہ میں جاری کیا اسی طرح موسیٰ بن نصیر نے مغرب کے علاقہ میں کنان وغیرہ سے کاغذ بنانے

کا طریقہ مروج کیا۔ ریشم سے بھی کاغذ بنایا جاتا تھا۔ ان ہی دلوں میں اسے چلنے کاغذ تیار ہونے لگے تھے جس میں لکھا ہے کہ آدمی کو اپنا چہرہ تک نظر آ سکتا تھا، دیکھو دنیا کی اسلاف لشہاب المرجانی ص ۳۳ مسلمانوں نے کاغذ

کی طرف اتنی توجہ کی کہ ملک بہت جلد کاغذ سے بھر گیا سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ تک کاغذ کی اتنی کثرت ہو چکی تھی کہ ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے لئے الگ الگ دراصلہ فارسی سے جاری کیا جاتا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز

نے اسراف فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ ہر چیز کے لئے الگ الگ دراصلہ کی ضرورت نہیں بلکہ چند ضرورتوں کا ذکر ایک ہی دراصلہ میں ممکن ہو تو خواہ مخواہ کاغذ ضائع نہ کیا جائے۔ نیز آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ خوش خطی کے لئے موٹے موٹے حروف کا لکھنا غیر ضروری ہے، ہر ایک حروف سے کام نکل سکتا ہے تو اسی سے کام لیا جائے ۱۲

مسلمانوں کی بے اعتنائی اور بے توجہی کا لعلیاذ اللہ اسے نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسبابِ حفاظت مثلاً کتابت و اشاعت وغیرہ کے ساز و سامان کی ابتداء اسلام میں کمی تھی، بلکہ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے میرا دعویٰ ہے کہ ہوا نہیں بلکہ کیا گیا ہے۔  
 قصدِ ارادۃً کیا گیا ہے، ایسی صورتیں اور ایسے حالات جان بوجہ کر اختیار کئے گئے جن کا لازمی نتیجہ ہی نکل سکتا تھا جو نکل آیا، یعنی دین کے ”بینات“ کی حیثیت تو یہ ہوئی ہے کہ ان کا انکار خود دین کا انکار ہے گویا کسی کل کے ان اجزاء کا انکار ہے جن کے نکل جانے کے بعد کل کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے، یوں سمجھنا چاہئے کہ جسدِ انسانی کے ساتھ جیسے ان اجزاء کا تعلق ہے جن کو نکال لینے کے بعد آدمی زندہ ہی نہیں رہ سکتا، اور ان ہی کے مقابلہ میں وہ چیزیں جو مذکورہ بالا حدیثوں سے پیدا ہوتی ہیں گودینی زندگی کی تعمیر میں ان سے بھی کام لیا جاتا ہے لیکن حیثیت ان کی ایسے اجزاء کی ہے جن کے نکل جانے کے بعد بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آدمی دین سے نکل گیا، گویا جو نسبت جسدِ انسانی سے ان اجزاء کی ہے جن کے کٹ جانے اور نکل جانے کے بعد بھی آدمی زندہ رہتا ہے یا رہ سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو اپنی تفسیری اور سہولت پسندانہ خصوصیتوں پہ چونا نہ پڑے، اور یہ سمجھا جاتا ہے دیکھا جا رہا ہے کہ کسی دین میں وہ سہولتیں نسلِ انسانی کو نہیں عطا کی گئی ہیں،

۱۔ منہ احمد میں اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے جس میں ہے کہ حبشیوں کے حبی رقص کا تماشا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہؓ کو دکھارہے تھے تو اس میں یہ بھی ہے کہ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعلمہم یھود النبی حینئنا فیئحہ (یہود کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے دین میں کتنی وسعت و فراخی ہے) در منثور ص ۱۹۱ ج ۱۲

جن آسانوں سے اس آخری دین میں نبی آدم کو سرفراز کیا گیا ہے، سچ پوچھئے تو یہ  
 کے ان ہی ابواب میں ایک بہت بڑا اساسی اور اصولی باب وہ امتیاز بھی ہے  
 دین اسلامی کے مبنائی اور غیر مبنائی حصہ میں قصداً و ارادۃً پیدا کیا گیا ہے ابتداءً  
 سے ایک ایسا محتاط حکیمانہ طرز عمل دین کے ان دونوں شعبوں کے متعلق اختیار  
 کیا کہ علاوہ مبنائی حصہ کے جو جاتے ہیں کہ اپنی زندگی کے جو میں گھنٹوں کو نبی  
 کبریٰ کے ان مقدس نمونوں سے معمور کہیں جنہیں محبوبیتِ حق کی آسمانی سند حاصل  
 ہے، تو ان کے لئے بھی انتہائی سیرجمنی کے ساتھ راہیں بالکل کھلی رکھی گئی ہیں یہ ما  
 نہیں واقعہ ہے کہ صرف دینی مشاغل اور مذہبی کاروبار کی حد تک نہیں بلکہ سو-  
 جا گئے ہیں، اُنٹھے میں بیٹھنے میں کھانے میں بیٹھنے میں، ان فرض زندگی کے ہر شعبہ میں  
 ہی نمونوں کے مطابق جینے والے چاہیں تو جی سکتے ہیں، اور مرنے والے چاہیں  
 مر سکتے ہیں، جن سے بہترین نمونے ارتقاء و عروج کے لئے انسانیت کے آگے نہ انا  
 پہلے رکھے گئے اور نہ ان کے بعد پیش ہوئے یا ہو سکتے ہیں۔

اور جہاں ایجابی وسعت و امانیوں کا یہ حال ہے، وہیں ان بچاؤں کے۔  
 جو ان نمونوں کی پیروی سے محروم رہ جانے والے تھے، ان کے لئے یو کتنی عظیم  
 وسیع سبلی سہولت ہے کہ نہ نئی زندگی ہی کے ان نتائج سے ان کو محروم ٹھہرایا گیا  
 جن کا استحقاق مذہب کے مبنائی حصہ کی تعمیل سے ہر تعمیل کرنے والے کو حاصل ہو  
 ہے اور نہ ان لوگوں کو بغاوت کے جرم کے مجرم ہونے کا موقع دیا گیا ہے جو بدستور  
 ان معلومات ہی کے انکار پر آمادہ ہو جاتیں، جن سے قدرت کے ان محبوب نمونا  
 کا علم حاصل ہوتا ہے ان اگر معلومات کے اس حصہ کو بھی مبنیات ہی کی شکل عا

رہی جاتی، اور چاہا جانا تو عرض کر چکا ہوں کہ یہ کوئی بڑی بات نہ تھی، ”بنیات“ کو بنیات بنانے میں جس قوت سے کام لیا گیا تھا کونسی چیز مانع ہوتی اگر اسی قوت سے کام لے کر ان معلومات کو بھی ”بنیات“ کے قالب میں ڈھال دیا جاتا، لیکن سوچئے تو یہی کہ ان نمونوں کی روشنی میں چلنے سے محروم رہ جانے والوں کا انجام اس کے بعد کیا ہوتا۔ خود ان نمونوں کی روشنی میں چلنے سے محروم رہ جانا یہی محرومی کیا کم ہے اور چوں کہ ایسی صورت میں دین کے ”بنیات“ سے کترانے اور ہٹنے کے بھی یہ محروم بن جانے تو ان خمیازوں سے ان کو کون بچا سکتا تھا جو اس جرم کے لازمی نتائج ہیں، لیکن آپ سن چکے ہیں کہ ان معلومات کی جو موجودہ کیفیت ہے یعنی خبرِ آحاد کی شکل میں ان کا ہونا محض اسی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا تارک ہی نہیں بلکہ سرے سے ان معلومات کے انکار کرنے والوں کو بھی دین کے دائرہ سے باہر کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ دینی زندگی کے ان اثرات و نتائج سے بھی ان کو محروم نہیں ٹھیرا گیا ہے جن کی ذریعہ ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے آنے والی زندگی میں رکھتا ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ

و افعال خمسہ الصلوٰۃ من	نماز سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
المشي والملبس والاكل فان	ایسے افعال مثلاً آپ کی رفتار آپ کے لباس
العبد لا يطالب باقامتها ولا	آپ کے کھانے کے طریقے، تو بندوں سے
ياثم تبرکھا ولا يصير مستثیا	ان امور کی بجا آوری کا مطالبہ کیا گیا ہے
کشف بزدلی منہ	اور نہ ان امور کے چھوڑنے والے گنہ گار
	تفسیر رائے جائز سکے نہ ان کو برائی کا مرتکب

قرار دیا جائے گا۔

اور اسی قسم کی چیزیں نہیں بلکہ اسی کتاب میں ہے کہ یہی حکم ان چیزوں کا بھی ہے جن کا نماز ہی سے متعلق کیوں نہ ہو مثلاً

تطويل الصلوة في حالة العتيا م نماز کے قیام و رکوع و سجود میں دیر تک

والركوع والسجود مشغولیت کا یہی حال ہے،

حتیٰ کہ جن سنتوں کا نام سنن الہدیٰ رکھا گیا ہے مشہور اصولی امام ابو اللیسر بزوری کے حوالہ سے صاحب کشف نے ان کا فتویٰ نقل کیا ہے یعنی یہ فراموشی کے بعد کہ

کل فعل واجب علیہ رسول اللہ ہر ایسی نفی عبادت جس کی رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مثل التشهد علیہ وسلم بائنا بطریق مذی فرماتے تھے مثلاً نماز

فی الصلوة والسنن الرواتب میں تشہد یعنی التعمیات، اور فرض نمازوں

فحکمها ان یندب الی تحسینها کے بعد جو سنیں پڑھی جاتی ہیں جنہیں سنن

رواتب کہنے میں تو ان چیزوں کا بھی حکم یہ

ہے کہ لوگوں کو ان کی تعمیل پر آمادہ ہو کر ناچا،

اور چھوڑنے والوں پر طاعت و نفرت بھی کی

جلسے کی نحوڑا سا گناہ کا بدلہ بھی اس میں

پیدا ہوتا ہے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ دنیا میں اسلامی حکومت ایسوں پر تخریری کا رسوائی نہیں کر سکتی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی پر طاعت

کی جاتے اور اس کے طرز عمل کو موجب نفیریں ٹھیرایا جائے، رہا آخرت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، صدر الاسلام ابو اللیسر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا بہت گناہ اس کو ہوگا، لیکن خود یہ گناہ کس نتیجہ کو پیدا کرے گا، گواہوں نے اس کی تعین نہیں کی ہے، لیکن بعض روایتوں کی بنیاد پر فقہاء کا خیال ہے کہ

حرمان الشفاعۃ فی العقبیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے

مستحق کشف آخرت میں محرومی

کے انجام کو اس کا یہ گناہ اس کے سامنے لائے گا لیکن یہ تو سنن الہدیٰ کے ترک کا نتیجہ ہو سکتا ہے، باقی

کل نفل لہ واطلب علیہ من سؤل	ہر ایسا نفل جس کی باضابطہ پابندی شرعاً ہے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ترکہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی بلکہ کبھی کبھی اسے چھوڑ بھی دینے سے، مثلاً ہر نماز کے لئے تارہ و منورہ یا و منورہ میں ہر ہر عھق کو بار بار دہونا (یعنی بجائے تین دفعہ کے ایک ہی دفعہ دھو لیا جائے)، اور و منورہ کرنے میں اعضا کی ترتیب (یعنی پہلے منہ پھر کہنی تک ہاتھ پیر مسح پھر پاؤں دھونا) تو اس قسم کے امور کی تعمیل چاہئے تو یہی کہ لوگ کریں، لیکن ان کے چھوڑنے پر زور ملامت اور نفرت ہی کے مستحق ہیں اور نہ اس کی باز پرس کا بار ہر چاہیوگا
فی حالۃ کالطہارۃ لکل صلوۃ	
و تکرار الغسل فی اعضاء الوضوء	
و الترتیب فی الوضوء فانه یندب	
الی تحصیلہ و لکن لا یلام علی	
ترکہ و لا یطحن بترکہ و نہاد	

مستحق ج ۲



بہر حال ان حدیثوں سے جو عام احکام و نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا یہی حال ہے۔ البتہ بعض ایسی چیزیں جن میں اپنے خصوصی حالات کی وجہ سے خاص قوت پیدا ہو گئی ہے اگرچہ قوت کے درجہ تک پہنچ کر بیانات کا رنگ ان میں نہ پیدا ہوا ہو، مثلاً صاحب کشف نے امام محمد کے والد سے نقل کیا ہے کہ

ماکان من اعلام الدین فلاحاً ایسے امویہ بن کا شمار دین اسلامی کی نشانیں  
 علی نوکہ استخفاف بالدين مثلاً میں کیا جاتا ہے، تو ان کے چھوڑنے پر اصرار  
 و ضعف دین کے وزن کو سبک کرنا اور اس  
 کی اہمیت کو گھٹانا ہے۔

مثال میں لوگ اذان یا اقامت یا عیدین کی نماز کو پیش کرتے ہیں کہ گوان کا شمار فرائض و واجبات میں نہیں ہے اور سنن ہی میں ان کو داخل سمجھا جاتا ہے مگر بھر بھی فتویٰ یہی دیا گیا ہے امام محمد ہی سے منقول ہے کہ۔

اذا اصاب اهل مصر علی نوکہ الیٰہا اگر کسی شہر کے باشندے اذان یا اقامت  
 والا قامت امر و اہما فان ابو، قوتلو کے چھوڑنے پر اصرار کرنے لگیں تو ان کو ان  
 علی ذلک اعمال کی بجا آوری کا حکم دیا جائے گا اگر اس  
 حکم کی تعمیل سے وہ انکار کریں تو پھر ان سے  
 طلاق کی جائے۔

مگر خدا ان دقیقہ سمجھوں کا اندازہ کیجئے کہ گوان افعال کے صرف ترک پر نہیں بلکہ ترک پر اصرار، اور حکم دینے کے بعد اس حکم کے ماتے سے انکار پر حکم دیا گیا ہے کہ ان سے طلاق دے، یعنی فوجی طاقت حکومت ان کے تعمیل کرنے پر استعمال

کرے لیکن فوج کس قسم کے آلات استعمال کرے لکھا ہے کہ قاضی ابوبوسیف کا فتویٰ تھا کہ ہتھیار سے فوج ان پر حملہ نہ کرے، بلکہ عام نادیدی کارروائیاں کی جائیں، البتہ امام محمد کہتے تھے کہ ہتھیار کی قوت ایسے موقع پر استعمال کرنی چاہئے قاضی ابوبوسیف اس کے جواب میں کہتے تھے کہ

المقاتلة بالسلاح عند نزول  
الفراتين والواجبات والما السن  
فانما يودون على تركها ولا تقالون  
على ذلك ليظهر الفرق بين الؤا  
وغیره ۳۱۰

ہتھیار سے فوجی کارروائی فرائض اور واجبات  
کے ترک پر کی جائے گی، باقی جواب میں سنت  
سمجھی جاتی ہیں تو ان کے چھوڑنے والوں کے  
خلاف صرف نادیدی کارروائی کی جائے گی  
سنت کے ترک پر فوجی کارروائی نہ کی جائے

گی تاکہ واجب و فرض اور جو چیزیں واجب  
و فرض نہیں ہیں دونوں میں فرق واضح ہو

خلاصہ یہ ہے کہ بعض چیزیں گونا بہت ہیں وہ حدیثوں ہی سے اور گونا بہت  
کے درجہ تک وہ پہنچی ہوں لیکن دوسرے حالات نے ان میں کافی قوت پیدا کر دی  
ہو، جیسے زانی کی سزارجم، یا مزدوں پر مسح اگر جہنم کے منکر کو بھی کافر نہیں قرار دیا جاسکتا  
دکن بخشی علیہ الائم

مگر ایسی چیزیں بہت تھوڑی ہیں باقی ان کے سوا حدیثوں کا جو عام وغیرہ  
ہے، شمس الائمہ سرخسی نے مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

مثل الاخبار التي اخلفت فيها  
الفقهاء في باب الاحكام

مثلاً وہ ساری حدیثیں جن کا احکام سے تعلق  
ہے اور فقہاء کا جن کے متعلق اختلاف ہے

مثلاً آمین، رفع یدین، اور اسی قسم کے مباحث کی متعلقہ حدیثیں سوترک  
تورک شمس الامۃ نے فتویٰ نقل کیا ہے۔

لنجھی علی جاحدہ المائمہ ان حدیثوں کے انکار کرنے والوں کو بھی  
گناہگار ہونے کا ڈر نہیں ہے۔

شمس الامۃ کا مطلب یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں ایک فریق دوسری فریق  
کی تائیدی حدیثوں کو جو مسترد کرتا ہے تو اس کی وجہ سے یہ الزام قائم کر کے کہ وہ  
پیغمبر کی حدیثوں کا انکار کر رہا ہے اس کو گنہگار ٹھہرانا قطعاً بے معنی ہے، بلکہ ان  
ہی اختلافی مسائل کی طرف اشارہ کر کے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تو یہ فیصلہ بھی  
کر دیا ہے کہ

ان اکثر موار الخلاف بین الفقہاء لا یما فی المسائل التي ظهر فيها اقوال الصحابة فی الجائزین  
تکلیفات العیدین و تکلیفات التشرین و نکاح المحرم و تشهد ابن عباس و ابن مسعود و الاختلاف  
و الجہر بالبدلہ و انما من والاشفاع و الا تیار فی الاقامۃ و نحو ذلک اما هو ترجیح احد القولین  
و کان السلف لا یختلفون فی اصل الشریعۃ و اما کان خلاف فہم فی ادلی الامرین و نظیرہ اختلاف  
القول فی وجہ القرات مثلاً انصاف

ترجمہ یہ ہے۔ فقہاء اسلام کا جن مسائل میں نقطہ نظر کا اختلاف پایا جاتا ہے ان کی اکثر صورتیں خصوصاً جن مسائل میں  
صحابہ کے اقوال ہر فریق کی تائید میں ملتے ہیں مثلاً عیدین کی زائد تکبیروں کی تعداد کا اختلاف، یا تشریق کی تکبیریں  
یا محرم دینی ع کا احرام باندھنے ہوئے جو ہو، اس کے نکاح کے جواز و عدم جواز میں جو اختلاف ہے۔ اسی  
طرح یہ سب لفظ الرحمن الرحیم کو آیت (نمازوں میں) پڑھا جائے یا زور سے یا آمین کے آہستہ کہنے یا زور سے کہنے  
میں یا اقامت کے کلمات و دو دو دفعہ کہے جائیں یا ایک ایک دفعہ، اگرچہ یہ یا اسی قسم کے دوسرے اختلافات  
اسی نوعیت کے جو ہیں تو ان میں اختلاف کا مطلب صرف یہ ہے کہ، ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر صرف ترجیح  
دی جاتی ہے (یعنی سمجھا جاتا ہے کہ بہتر اس میں فلاں پہلو ہے) دوسرے سلف کا اس میں اختلاف نہ تھا کہ ان اختلافات  
پہلووں میں سے کوئی پہلو شریعت کے دائرے سے قطعاً خارج ہے، بلکہ مشروعیت یعنی شرعاً و دلوں پہلو خارج  
ہیں اس پر سب کا اتفاق تھا، ان اختلافات کی نوعیت یہی ہے جو قرآنی روایات کی قرأت میں قراء کے اختلافات کا  
(پہلی آئندہ)

# خلیفۃ العظمیٰ امیر المؤمنین عبدالرحمن الناصر صلی اللہ علیہ وسلم

از جناب سید انوار الحق صاحبِ حقّی ایم - ۱ - اے - ایل - ایل - بنی کچھر  
(تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علیگندہ)

(۲)

کیونکہ ملکی آزادی اور قومی حکومت جس تحریک کے شعاری الفاظ تھے اس نے اب مذہبی جوش و جنوں اور صلیبی رنگ اختیار کر لیا تھا ابنِ حفصوں کے غیر مباحی ارتداد نے تحریکِ بغاوت کی کمر توڑ دی۔ عام اسپینی باشندے اور خاص کرسٹوں کی اولاد مسیحیت کے عروج اور پادریوں کے اقتدار سے خائف و لرزاں تھی۔ انھیں فکر و اندیشہ تھا کہ دوبارہ عیسائی حکومت قائم ہونے ہی وہ تمام حقوق و املاک جو مسلمانوں کے دورِ حکومت میں حاصل ہوئے تھے ضبط ہو جائیں گے اور ان کی انفرادی آزادی ختم ہو کر انھیں پھر اپنے بزرگوں کی طرح جاگیرداروں کا غلام اور ان کے ظلم و ستم کا نغہ مشق بننا پڑے گا عربوں کی فتوحات اور حکمرانوں کی تبدیلی سے جو معتد بہ فرقہ اور فائدہ اسپین کے عام باشندوں کو ہوا، اس کے سب مورخ مفروضہ مدارج میں جس نرمی، رواداری اور داناتی سے عرب فاتحوں نے اندلس پر حکومت کی وہ مدیم المثال ہے۔ لیکن پول کے الفاظ میں جہاں تک مفتوحین کا تعلق تھاعربوں کا اندلس کو فتح کرنا بہ نسبت مجموعی نفع بخش تھا۔ اس نے بڑے بڑے امراء اور کلیسا والوں کی

مد سے بڑھی ہوئی زمینداروں کو مٹایا اور ان کی چھوٹی چھوٹی ملکیتیں بنا کر متوسطین کے سروں سے بھاری بوجھ اٹھادیا اور محصولوں کو محدود کر کے صرف کافروں سے جزیہ اور مسلمانوں اور عیسائیوں سے مساوی طور پر خراج لینے پر اکتفا کیا اور غلاموں کی کثرت سے آزاد کرنے کی ترغیب دلائی اور جو آزاد ہوئے ان کی حالت بہت زیادہ سدھار دی اس لئے کہ یہ لوگ اب اپنے غیر کا شتمکار مسلمان آقاؤں کی ملازمت میں بھی خود مختار اجارہ دار کی حیثیت رکھتے تھے کھوڑے ہی عرصہ کے بعد عوام محسوس کرنے لگے تھے کہ حکمرانوں کی تبدیلی سے وہ نفع میں رہے انھیں اجازت ہو گئی کہ خود اپنے قوانین اور احکام بانی رکھیں۔ خود انھی کی قوم کے عامل اضلاع کا انتظام، محصولوں کی تحصیل اور ان کے آپس کے جھگڑوں کا تصفیہ کرتے تھے۔

خانہ جنگی کی تکلیفوں اور سخریک آبادی کی ناکامیابی نے مہتموں کو سبب اور دروہوں کو سرد کرنا شروع کر دیا تھا۔ عوام میں جوش و خروش کی کمی اور باغیوں کی کمی اور سبب مہتمی کا اندازہ اس سے بخوبی ہوتا ہے کہ ۱۹۵۹ء میں ابن حفصوں نے عبداللہ شیعہ کی تائید حاصل کرنے کے لئے اس کی امارت و سرپرستی کو قبول کر لیا تھا عام سبک ان ٹیکسوں سے جو مرہٹوں کی چوتھ کے مترادف تھے اور ابن حفصوں کے مطلق العنان ساتھیوں کی چیرہ دستی سے جنہیں مذہب یا قانون کا کوئی لحاظ نہ تھا عاصروں پر پڑنا نئی جہان اور الویر کے پہاڑی سرداروں کی عیش پرستی اور قزاقانہ طرز عمل ضرب المثل ہو رہا تھا اپنے مخصوص انداز میں پروفیسر ڈوزی نے ان کی زندگی کا خاکہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔

پہاڑوں کی ابراؤد اور بلند چوٹیوں کے قلعوں میں اب ان کی حیثیت محض

فراقوں کی رہ گئی تھی۔ مذہب یا قانون سے اب ان کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ غلاموں کی نصیحتوں پر مسافروں کی ناک میں بیٹھے رہنے اور جب کوئی قافلہ یا کارواں نظر آتا تو اس پر لپسے کرتے جیسے شکاری پرند شکار پر گزنا ہو۔ پھر دوست دشمن کسی میں فرق نہ کرتے۔ انھیں لوٹنے اور مار ڈالنے کے سوا دوسرا کام نہ تھا۔ کوئی گاؤں اور شہر نہ تھا جہاں کے آدمی ان غلاموں کے حق میں دل سے بددعا نہ کرتے ہوں جو شخص ان فراقوں کے بچوں اور غلاموں کی نصیحتوں کو گرا دے وہ غلاموں کے شکریہ کا مستحق تھا لیکن یہ کام سوائے امیر اہلس کے دوسرے کے بس کا نہ تھا۔

جب یہ احساس پختہ ہو گیا کہ حکومت کی بنیاد خالص جبر و قوت، عباری اور نا انصافی پر قائم ہے اور حکمران بے ایمان اور کمزور ہیں تو وہ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نواب امیر کو اسپین سے خارج اور برطرف کرنے کی جدوجہد میں تین برس لگ گئے لیکن نیچے کچھ حاصل نہ ہوا۔ عبدالرحمن کی عادلانہ اور مریدانہ پالیسی کے بعد رہا کو کوئی قرار واقعی شکایت نہ تھی حکومت دریاست کی بنیاد حق و انصاف پر تھی۔ اور رعایا کی مظلومیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ قانون و انصاف کی عملداری کو سارے ملک میں پھیلانے کی جدوجہد ہو رہی تھی ان حالات کے تحت ہر امن پسند اور محب وطن شہری نے اس کو اپنا فرض سمجھا کہ امیر کے دشمنوں کے خلاف اس کی اطاعت و حمایت کرے تاکہ ملک میں امن و انصاف قائم ہو۔

اس ضمنی انقلاب اور باہمی نفاق و شقاق کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ امیر کی مساعی عہد ہار آمد ہوں ۱۹۱۲ء میں ارجنڈو، الورل، جیان، منت لیون اور فینا نے با سانی امیر کی اطاعت قبول کر لی۔ ۱۹۱۳ء میں قزمونہ اور ۱۹۱۶ء میں مشرق میں اودبوتہ اور مغرب میں بلہ

نخ کرتے گئے۔

۱۹۴۲ء میں سب طرف سے مطمئن ہو کر عبدالرحمن نے طلیطلہ کی طرف رخ کیا جہاں کے باشندے سرکشی اور خود سری کے لئے اندلس میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے عرب مورخین کے متفقہ بیان کے مطابق اس وقت کی دنیائے اسلام میں کسی ملک کی رعایا میں اس قدر جذبات بغاوت نہیں ہیں جتنے طلیطلہ کی رعایا میں کہ وہ ہر وقت شمشیر بکف ہی بیٹھے رہتے ہیں۔ "جزایائی اعتبار سے طلیطلہ بہت مستحکم اور محفوظ تھا۔ چونکہ شہر سنگِ خارا کی نامہوار پہاڑی برواق تھا اور تین طرف سے دریا نے تاجہ شہر کو گھیر رکھا تھا اس لئے وہاں کے باشندے اپنے کو محفوظ اور اپنے قلعے کو ناقابلِ تسخیر تصور کرتے تھے۔ اور طلیطلہ دراصل نسبتاً بہت محفوظ تھا۔ باغیوں نے نہایت بہادری اور بیگری سے مقابلہ کیا۔ لڑائی نے طویل کھڑا۔ عبدالرحمن بھی مستقل مزاج اور اپنی بات کا دھنی تھا۔ اس نے شہر کے مقابل ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام 'الفتح' رکھا۔ گویا اس بات کا اعلان اور التمسیم تھا کہ جب تک محصورین اطاعت نہ قبول کریں گے محاصرہ کی سختی میں کوئی کمی نہ ہوگی بالآخر محاصرہ کی تنگی اور کالیف سے مجبور ہو کر محصورین نے ہتھیار ڈال دیے اور شاہی فوجوں کے لئے اپنے دروازوں کو کھول دیا۔

خارجی پالیسی | خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ نئے امیر کو دو طاقتور اور خطرناک بیرونی دشمنوں سے بھی بالا پڑا۔ شمال میں لیون کی عیسائی حکومت اور جنوب میں بنوفاطمہ کی المجائی ہوئی نظریں زبردست شاداب اندلس پر پڑ رہی تھیں دور اندیشی اور موقعہ شناسی سے کام لیتے ہوئے عبدالرحمن نے فوراً فیصلہ کیا کہ جب تک ملک میں امن و امان قائم نہ ہو جائے اسے مدافعت ہی پر قائل رہنا چاہئے چونکہ حکومت لیون سے فی الحال فیصلہ

کن جنگ کرنا ناممکن اور ناموزوں تھا اس لیے اس نے صرف حفاظتی تدابیر کو کافی اور بہتر خیال کیا۔ اور شمالی سرحدوں کی مورچہ بندی کا مناسب انتظام کیا۔ تاکہ دشمنوں کی ناکہ بندی ہو سکے اور ان کے مسلسل اور بے پناہ حملوں سے ممالک محروسہ محفوظ و مامون رہیں، داخلی مشکلات کے علاوہ اس کو اس وقت سب سے زیادہ اور فوری خطرہ جنوب کی جانب سے افریقہ کی اسماعیل حکومت سے تھا کیونکہ تاریخی روایات انہیں عظیم پر قبضہ و اقتدار حاصل کرنے کے لئے ابھارتی اور آگسائی تھیں۔ فاضل نرقیہ عبد الملک بن حبیب کی پیشین گوئی کی وجہ سے اسپین میں کافی لوگ بنو فاطمہ کے ہوا خواہ اور معتقد ہو گئے تھے یہ پیشین گوئی ۱۱۷۱ء میں کی گئی تھی جبکہ بنو فاطمہ کی خلافت وجود میں بھی نہ آئی تھی اور اس نے اب جبکہ افریقہ میں ان کی حکومت قائم ہو چکی تھی لوگوں کو اس وقت کا انتظار تھا جب ابن حبیب کے قول کے مطابق ”حضرت فاطمہ کی اولاد سے ایک شخص اسپین پر حکومت کرے گا“ اور وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کرے گا۔ یہ بادشاہ فرب و جوار کے ملکوں کے تمام مردوں کو قتل کرے گا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بیچ ڈالے گا۔ یہاں تک کہ ایک لڑکا ایک چابک اور ایک لکڑی ایک مہمیز کے بدلے میں فروخت ہو جائے گی۔“

عبد الرحمن تلوار کا دھنی اور تدبیر کا ماہر تھا۔ اس کا یہ اصول سیاست تھا کہ جب تک ناخن تدبیر سے کام نکل سکے سیاسی گتھیوں کو تلوار کی نوک سے نہ سلجھایا جائے۔ افریقہ کے بربروں کی جاہلیت اور ان کے مذہبی جوش و خروش سے وہ بخوبی واقف تھا اس لئے موقع اور وقت کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے نرم و اعتدال اور تدبیر سے کام لینے کا فیصلہ کیا وہ جانتا تھا کہ جاہل مگر مذہب کے دیوانے بربروں میں مذہب کے فدیہ ایسی آگ لگانی جا سکتی تھی جو کسی سے بھیلے



نہ بنے۔ مذہبی فساد کی پہلچڑی چھوڑ کر اس نے شاہان بنی فاطمہ کی توجہ اور فتنہ انگیز تہذیب کو اندلس سے ہٹا کر افریقہ کی طرف منعطف کر دیا۔

شرقاے عرب کے اقتبلا کا نوال | عرب امراء کی مستقل سرکشی اور بناوٹ سے امیر عبدالرحمن ان سے سخت ناراض اور نالاں تھا۔ قبائلی عصبیت کی بنا پر ان عرب امیروں اور سرداروں میں رقابت چلی آتی تھی اور ان کے اختلاف صرف زبانی بحث و مباحثہ اور لفظی مخالفت ہی تک محدود نہ رہتے تھے بلکہ معمولی باتوں پر قیامت برپا ہو جاتی تھی اور تلوار سے فیصلے ہوتے تھے اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب کبھی بھی عنانِ حکومت کمزور یا عیش پر فرمانرواؤں کے ہاتھوں میں آتی تو ان امرائے اس سے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور حکومت کی قوت و طاقت میں فعل پیدا کیا غزدر قومی کی بنا پر یہ عرب امرا بقیہ تمام لوگوں کو حقارت و تذلیل کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی باہمی رشک و رقابت نے اندلس کی زمین پر بار بار خون کے بادل برساتے امیر اندلس کے سب سے زیادہ مخالف دراصل یہی امرا تھے کیونکہ امیر کے منتظم اور صاحبِ جبروت ہونے سے ان کی عظمت و اقتدار اور سہ گیس اثر کو صدمہ پہنچتا تھا ان کا خیال تھا اور صحیح خیال تھا کہ اگر انصراہ سلطنت اور انتظامِ حکومت مضبوط ہاتھوں میں ہوگا تو ان کی مطلق العنانی کا خاتمہ ہو جائے گا جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا اسی قدر مخالفت میں وہ زیادہ سرگرم تھے بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل قسم کی بد اخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ملک میں امن و امان اور امیر قرطیب کی فرمانروائی کے لئے یہ لازمی اور ضروری تھا کہ ان خود غرض اور خود سرار بآبِ جاہ کے اعمالِ شنیعہ کی روک تھام کے لئے سخت دار و گیر کی جائے۔ ممکن تھا کہ عرب سرداروں کی اصلاح کے لئے وہ کوئی

زرم طریقہ اختیار کرتا لیکن مدت کی قیامی مصیبت ہوئی نوحہ، دولت و اقتدار کا فخر اور بے جا حکومت و ریاست کا زعم ہوتے ہوئے وہ آسانی سے راہ راست پر آنے والے لوگ نہ تھے۔ اس لئے اس نے وسیع اختیارات اور امتیازات جو اب تک شرفاء عرب کو حاصل تھے منسوخ کر دیے۔ اور ان کی قوت و اقتدار کو اس بری طرح کچلا کہ وہ جزیرہ ناندلس میں تکلیف دہ عنصر نہ رہے۔ انہیں اور دوسرے سرداروں میں کوئی خاص فرق و امتیاز نہ تھا جس کی بنا پر وہ فخر کر سکتے۔ ان کی جگہ ایک نیا طبقہ امراء کا قائم ہوا جو مصر کے ملوک اور ہندوستان کے رکی غلاموں سے مشابہت رکھتا ہے۔

نئے اصول حکومت تخت نشین ہوتے ہی عبدالرحمن کو یہ واضح ہو گیا تھا کہ امن و امان قائم رکھنے اور انصاف و سلطنت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انتظام حکومت کی اصلاح کی جائے امراء اور عمال کو جو آزادی اور غیر محدود اختیارات حاصل تھے ان پر پابندی عاید کی جائے۔ اور کل قلمرو میں امیر کے علاوہ کسی کو شاہی اقتدارات عمل میں لانے کا اختیار و قدرت نہ ہو۔ اب جبکہ اٹھارہ برس کی جاں توڑ اور مسلسل کوششوں کے بعد وہ اپنے اور ملک کے دشمنوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوا تھا اور ساری بغاوتوں اور شورشوں کا قلع قمع کر چکا تھا وہ انتظام حکومت کی اصلاح اور درستگی کی طرف متوجہ ہوا اور حکومت کے نئے اصول مرتب کئے۔ تلخ تجربہ کی بنا پر عبدالرحمن کو عربی امراء اور پرانے عہدیداروں سے شکایت و نفرت تھی اس لئے پرانے رذائل کا اقتدار و اثر توڑنے کے لئے اس نے مطلق العنانی کو اپنا شعار بنایا۔ اور انتظام حکومت و انصاف و سلطنت کلیتہً اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اپنے طرز حکومت اور نظریہ کی وضاحت

کرتے ہوئے ایک مرتبہ اس نے اولوادی گریٹ کے سفیر سے کہا کہ ”میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہارا بادشاہ بڑا دانشمند اور صاحب فراست ہے۔ لیکن اس کے طریقہ حکمرانی میں ایک بات ایسی ہے جسے میں پسند نہیں کرتا۔ اور وہ یہ ہے کہ حکومت کو کلیئہ اپنے ہاتھ میں رکھنے کی بجائے وہ اپنے ماتحتوں کو حکومت میں شریک و سہم کرتا ہے بلکہ ان کے قبضہ میں ملک کا انتظام دیدینا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طریقہ سے بادشاہ کا اعتبار ان کے دلوں میں قائم ہو جائیگا۔ مگر یہ سخت غلطی ہے امرائے سلطنت کے اختیارِ شاہ میں وسعت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ ان کا غور و بڑھ جائے۔ اور ان کی اولاد و بناد میں برپا کرے۔“ عنانِ حکومت امیر کے مضبوط ہاتھوں میں تھی۔ اور اس کی ذاتِ سلطنت کا محور و مرکز تھی۔ جلد سردار و رئیس اس کے نائب کی حیثیت سے صرف انہی اختیارات کو عمل میں لا سکتے تھے جو ان کو امیر کی جانب سے عطا ہوتے تھے۔ ان کی بیجا حرکات اور ظلم و ستم کے السد اوکے واسطے ان کی طاقت اور آزادی کو سلب کر لیا گیا اہم امور میں ان کو امیر کی رائے اور اجازت حاصل کرنی ضروری اور لازمی تھی یہاں تک کہ اہم مسئلوں میں وزیر اعظم تک کو امیر کی اجازت کے بغیر کسی فیصلہ یا اقدام کا حق و اختیار نہ تھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر صرف وہی لوگ فائز ہو سکتے تھے جن کی لیاقت اور وفاداری پر امیر کو یقینان و اعتبار تھا۔ شاہانہ رعب و اقتدار قائم کرنے کی نیت سے عبدالرحمن نے اپنی فوجِ خاص کی تعداد میں اضافہ کیا اور اپنی ذاتی حفاظت کے لئے ہاڈی گارڈ مقرر کیا جو اس کے اپنے غلاموں یا ”مملوک“ پر مشتمل تھا ان غلاموں کا تعلق براہِ راست امیر کی ذات سے ہوتا تھا۔ وہ اپنی لیاقت و قابلیت کی بنا پر منتخب اور مقرر کیے جاتے تھے۔ اطاعت و فرمانبرداری، جانفشانی اور کارگزاری کے لحاظ

سے ان کی ترقی ہوتی تھی اور یہ اعتبار لیاقت و کارگزاری سلطنت کے تمام شعبوں میں اہم عہدے انھیں کو تفویض ہوتے تھے چونکہ نسلی و لسانی حیثیت سے یہ لوگ اندلس میں اجنبی اور پردیسی تھے اس لئے انھیں سلطنت کے دوسرے باشندوں سے کوئی خاص تعلق یا گائونہ ہونا تھا اور نہ عوام سے کوئی بہدر دی۔ ان کی عظمت و اقتدار خلیفہ کی ذات و حکومت سے وابستہ ہوتی تھی۔ اس لیے وہ زیادہ وفادار ہوتے تھے ان کی حیثیت شاہانِ مصر کے ملوک اور ہندوستان کے چہل گانیوں کے مشابہ اور مترادف تھی۔ اگرچہ وہ خود غلام تھے لیکن ان کی حیثیت جاگیردارانہ اور زندگی رنسیانہ ہوتی تھی ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھ کر تین ہزار سات سو چاس سے تیرہ ہزار سات سو چاس ہو گئی تھی۔<sup>(۲۷۵۰)</sup>

جنوفاطمرہ <sup>(۲۷۵۰)</sup> فریقہ ملک میں امن و امان قائم کرنے اور باغیوں کی سرکوبی سے اسے فراغت نہ ہوتی تھی کہ اس کے سامنے ایک نیا مسئلہ اور ایک نیا دشمن نمودار ہوا۔ شمالی افریقہ کے ساحل پر بنی اغلب کو نکال کر بنی فاطمہ نے اسماعیلی حکومت کی بنیاد ڈالی تھی ماری ٹائینا سے لے کر مصر تک تمام زرخیز اور شاداب علاقہ پر وہ قابض ہو چکے تھے ان کا دعویٰ اور عقیدہ تھا کہ تمام دینائے اسلام کی قیادت غطفی کے وہی جائز اور واحد خدا رکھے۔ ان کے جاسوس اور ایجنٹ ملک کے ہر حصہ اور ہر طبقہ میں مختلف بھیسوں میں اپنے خیالات اور عقائد کی تبلیغ کرتے تھے۔ ذہین و دور بین، جاسوس، سوداگر، سیاح اور درویشوں کے لباس میں اسپین کے جبر حالات کی مفصل و مکمل اطلاع اپنے قیروانی آگاہ کو پہنچاتے تھے۔ ابن حوقل کے سفرنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اسماعیلی جاسوس اسپین کی ایک ایک بات نوٹ کرتے تھے وہ لکھتا ہے کہ ”جو چیز غیر ملک والوں کو

اس جزیرہ میں قدم رکھتے ہی منعوب کرنی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ملک ابھی تک اسی بادشاہ کے قبضہ میں ہے جو اس پر حکومت کرتا ہے۔ یہاں کے رہنے والے مردہ دل اور غلامی کی سی طبیعت رکھتے ہیں وہ نامرد ہیں۔ گھوڑے کی سواری نہیں جانتے اور ہرگز اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایک تربیت یافتہ فوج کے مقابلہ میں تابِ مقاومت لاسکیں۔ تاہم ہمارے آقا فاطمی خلیفہ مصر، خدا ان پر اپنی برکتیں نازل رکھے۔ اس ملک کی قدر و قیمت سے خوب واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس ملک کی آمدنی کس قدر زیادہ ہے اور اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ اصلاحِ مذہب کے لباس میں اسماعیلی ایجنٹ اپنی ریشہ دوانیوں اور خفیہ سوسائٹیوں کے ذریعے سے سیاسی شورشوں اور انقلابی سازشوں میں سرگرم رہتے تھے۔ اندلس کی پُر اضطراب سیاسی حالت اور عبدالرحمن کے محدود وسائل اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ بنی فاطمہ سے براہ راست نیٹے کی کوشش کرے لیکن بنی فاطمہ کے سامراجی منصوبوں اور دست برد سے محفوظ رہنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کی روز افزوں ترقی کو روکا جائے خاص کر ایسی حالت میں جبکہ اسپین کے بربروں کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ اسماعیلیوں کا افریقہ میں قوت و اقتدار حاصل کرنا عبدالرحمن کے لئے بہایت محذو ش تھا۔ اس لئے پہلے کی طرح دور اندیشی اور تدبیر سے کام لیتے ہوئے مقامی سرداروں اور حکمرانوں کو ہر طرح کی غیر مشروط مالی اور اخلاقی مدد دی تاکہ وہ اپنی ہنسی اور آزادی کا ہمہ کھ سکیں۔ اور بنی فاطمہ کے قبضہ و اقتدار کی سیلابی موجوں کے تعبیروں سے اموی سواصل محفوظ و آموں رہیں۔ اپنے محدود فوجی و مالی ذرائع اور بنی فاطمہ کی شہنشاہیت سے مجبور ہو کر نکور کے شاہزادوں نے امیر اندلس کی سرپرستی قبول کر لی۔ اس طرح اپنی فیاضی، سیاسی تدبیر اور بیدار مغزی سے امیر عبدالرحمن نے نہ صرف بنی فاطمہ کی تباہ کن ترقی اور

نشوونماک پیش قدمی کا سہارا بنا لیا۔ سواصل افریقہ پر بھی ہنوا میہ کا اثر و اقتدار قائم کر دیا۔  
 میسائیوں سے جنگ | شمال میں یونان اور فواریکی عیسائی ریاستیں امیر اندلس کے لیے ایک مستقل  
 درد سر کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کی طاقت اور تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ پلو کا جو  
 دغ و دشمنی میں اب بھی موجود تھا۔ اور یہ براہِ گنجہ کرنے والا خیال ان کے لئے ہمیشہ کا کام کرتا  
 تھا کہ ہم خود اپنے ملک کو پھر فتح کرنا چاہتے ہیں۔ تخت نشین ہوتے ہی عبد الرحمن نے  
 شمالی سرحدوں کی حفاظت کے واسطے متعدد موزوں دفاعی تدابیر اختیار کی تھیں تاکہ  
 سرحدی علاقے یونان اور قشتالہ کے اکھڑ نو سیروں کی بے پناہ اور پیہم تاخت و تاراج  
 سے محفوظ دامنوں میں عیسائی حملہ آوروں کو ترکی پر ترکی جواب دیا گیا اور داندلس کی ایک  
 اونچ زمین پر بھی مزید قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے لیکن وہ بدول یا ہمت ہارنے  
 والے آدمی نہ تھے ہر شکست کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تیار اور نڈر ہو کر چڑھائی کرنے  
 اس لئے سنہ ۹۲۰ء میں جب عبد الرحمن کو اندر دنی خلفشار سے کچھ مہلت اور آزادی ملی  
 تو وہ اسلامی حکومت کے ازلی مخالفین اور اپنے پرانے خاندانی دشمنوں کی طرف خاص  
 طور سے منوجہ ہوا ان کی گوشمالی اور سرکوبی کے لئے اس نے نہایت ہی اعلیٰ پیمانہ پر  
 یونان اور فواریکی کے عیسائیوں کے خلاف فوج کشی کی۔ اوسمہ۔ کلوشہ۔ سن الہی ٹیوان  
 وغیرہ مقامات کو فتح کرتے ہوئے فواریکی پر حملہ کیا جہاں کے بادشاہ سینکو نے نہایت  
 باہر دی اور بہادری سے مقابلہ کیا مگر سخت گھمسان کی لڑائی کے بعد بری طرح شکست  
 کھائی اور فرار ہو کر پناہ اور مدد کے لئے شاہ اردون کے پاس گیا۔ دادی جن کو برا میں پھر  
 ایک بار سخت مقابلہ ہوا لیکن عیسائیوں کو پھر شدید شکست ہوئی، مہلوں تک ان کی  
 لاشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے عیسائیوں کا اب قتل عام پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ فیصلہ کن

جنگ کے بعد عبدالرحمن کی فوجوں نے اردون کے ملک کو روند ڈالا۔

جن کیور کی ہولناک شکست کے باوجود عیسائیوں کی ہمتوں اور اداؤں میں کوئی خاص فرق نہ آیا اور سینکڑوں اردوں دلوں نے مل کر اسلامی عملداری میں پھر ڈاکہ ڈالنے کی جرات کی اور ناجرہ و یقیرہ و دشہرہل پر قبضہ کر کے وہاں کی بیشتر آبادی کو قتل کر دیا۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں عبدالرحمن کچھ اس تیاری اور طوروں سے عیسائیوں کے قلمائے افعال کی روک تھام اور انتقام کے لئے نکلا کہ ان کی ہمت نہ پڑی کہ وہ مسلمانوں کا کسی مقام پر بھی جم کر مقابلہ کریں اور بغیر کسی مقابلہ و مزاحمت کے سینکڑوں کے دارالخلافہ پانچ لاکھ و منبوتہ پر قبضہ کر لیا گیا ان لوگوں کو سزا دینے کی نیت سے اس دفعہ عبدالرحمن نے اپنی فوج کو لوٹ مار اور آگ لگانے کی اجازت دے دی۔ آخر مجبور ہو کر سینکڑوں کو جو بقول پر د فیسٹر ڈوزی بہت مزدور تھا امیر عبدالرحمن کے سامنے گر دن بھکانی پڑی اور آئندہ ایک مدت کے لئے وہ اس قابل نہ رہا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتا۔ عبدالرحمن کی خوش قسمتی سے اس عرصہ میں اردوں شاہ لیون کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹوں میں تخت سلطنت کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ عبدالرحمن کو اب شمالی علاقوں کی طرف سے جو نکر و پریشانی لاحق رہتی تھی وہ رفع ہو گئی اور اسے اطمینان و سکون کا موقع ملا کہ وہ اپنی سلطنت میں فتنہ و فساد کے شعلوں کو ٹھنڈا کر کے امن و اطمینان قائم کرے۔

منبعہ تخت نشینی کے وقت عبدالرحمن نے اندلس کو ناگفتہ بہ حالت میں پایا تھا ہر طرف بے آباد کی آگ لگی ہوئی تھی۔ امن و امان۔ تہذیب و تمدن۔ ہر چیز فتنہ و فساد کے شعلوں کی نذر ہو رہی تھی۔ اٹھارہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد اندلس میں امن و سکون قائم ہوا۔ اب تک اسپین کے فرمانروا ملک، امیر یا ابن الخلفاء کہے جاتے تھے اور عباسیوں سے

سیاسی اختلافات و عداوت کے باوجود انھوں نے ”امیر المؤمنین“ کا لقب نہ اختیار کیا کیونکہ عام طور سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حرین شریفین کے محافظ و مالک ہی اس اعزاز کے مستحق ہیں لیکن اب جبکہ عباسی خلفاء کی حیثیت کھٹ پٹیوں اور دلیف خواروں سے زیادہ نہ بچی اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر بھی ان کا قبضہ و اقتدار نہ تھا۔ عبد الرحمن نے مناسب و ضروری خیال کیا کہ وہ امیر المؤمنین کا خطاب اختیار کر لے۔ ۱۶ جنوری ۹۲۹ء سے اس کا نام ”

امیر المؤمنین حامی دین عبد الرحمن الناصر لدين اللہ“ خطبوں اور سرکاری کاغذات میں لکھا جانے لگا۔ دسویں صدی عیسوی میں کوئی دوسرا اس خطاب و لقب کے لئے موزوں دستیابی نہ تھا یہ اسی کی کوششوں کا نمرہ و نتیجہ تھا کہ اسپین میں پھر ایک مرتب عربوں کا اقتدار قائم ہو گیا اور بنو امیہ کی سلطنت کو نئی زندگی اور پورا عروج حاصل ہوا۔ بقول لین پول ”یہ اس کی مدت اپنی مملکت کے اندر مطلقہ انتظام کرنے اور عیسائیوں کے مقابلہ میں ہر سال جہادی فوجیں بھیجنے میں صرف ہوئی۔ اس لئے وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں بیشک اپنے مذہب کا ناصر یعنی پشت پناہ تھا“

اعلان جہاد | خلیفہ ناصر کو خبر ملی کہ زبراگوزا کے گورنر نے شمال کے عیسائیوں سے امیر کے خلاف سازش کی اس نے فوراً ہی اس سازش کے تدارک کے لئے زبراگوزا پر چڑھائی کی اور اس کو مستحضر کرنے کے بعد نزارا پر حملہ کیا۔ ناصبا سلطنت مکہ طوطہ نے شکست مان کر صلح کی درخواست کی اور خلیفہ کو نزارا کا سر پرست و بلا دست تسلیم کر لیا مگر رد میر نازی شاہ لیون نے اس معاہدہ اور خلیفہ کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اب جبکہ بنو ہمدان آفتاب اقتدار نہایت آب و تاب سے آسمان اندلس پر صوفیائی کر رہا تھا خلیفہ ناصر نے فیصلہ کیا کہ روز روز کی چھیڑ چھاڑ اور مسلسل سالانہ سرحدی جھڑپوں کے استغیال



کے بے شمار کی عیسائی ریاستوں کو فتح کر کے اس کائنات کو ہمیشہ کے لئے نکال دیا جائے اور ان کی سرحد شاہ ذہبی جنگوں سے جو شدید خطرہ اسلامی حکومت کو تھا اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے اس کو معلوم تھا کہ کس طرح قوطیوں کے سردار بلیو نے تین سو آدمیوں کے ساتھ اسچو ربار کے پہاڑی علاقے میں پناہ لی تھی اور کوڑے ڈونگا کی پہاڑی کھو میں ان عیسائی ریاستوں کی بنیاد ڈالی تھی جنہوں نے آہستہ آہستہ زرتی کے اب یہ صورت اختیار کر لی تھی کہ وہ حکومت قرطبہ کی مد مقابل تھیں اور مسلمانوں کو اندلس سے نکالنے کے لئے ہمیشہ کوشاں و سرگرداں۔ چنانچہ فیصلہ کن جنگ کی نیت سے اس نے جہاد کا اعلان کیا تاکہ اندلس کے علاوہ دوسرے ملکوں کے مسلمان بھی اس میں شریک ہو سکیں۔

ایم الخندق | سرحد کے عیسائی حملہ آوروں کا مقابلہ اور قلع فتح کرنے کے لئے خلیفہ نے ہر ممکن تیاری کی۔ اور ایک لاکھ کی زبردست فوج جو ہر قسم کے آلات حرب و سامان و سرد رکھتی تھی اس معرکہ و جہاد کے واسطے قرطبہ سے روانہ ہوئی۔ اس فوج میں مصر، شام، ماری، نابینا تک سے لوگ آکر شامل ہوئے تھے تاکہ کفار کی ذلت کا تماشا دیکھیں، اور ان کے کھیتوں، گرجاؤں اور محلوں کو لوٹیں۔ اپنے باڈی گارڈ کی معیت و صلہ میں خلیفہ نے بنفسہ فوج کی قیادت کی لیکن کل فوج کا سپہ سالار سجدۃ الخیر کی کو مقرر کیا۔ چونکہ سجدہ صفا یعنی شاہی غلام تھا اس لئے عرب امیروں اور سرداروں کو سخت ناگوار خاطر ہوا۔ کی مطلق العنانی اور نئے اصول حکومت سے وہ پہلے ہی نالاں اور بد دل تھے۔ سجدہ سپہ سالار ہونے سے ان کی بددلی نفرت و کینہیں تبدیل ہو گئی اور ”عقہ کی حالت“ انہوں نے اپنی اس تبدیل کا بدلہ لینے کا قطعی ارادہ کر لیا اور سوچ لیا کہ اس جنگ

ناصر کو ایسی شکست دیوائیں گے جسے وہ کبھی نہیں بھولے گا۔

بغیر کسی مقابلہ یا زحمت کے خلیفہ کی فوج زمرہ ایک ہنگامی یہ شہر نہایت ہی محفوظ تھا۔ شہر کی سات فصیلیں تھیں، ۱۰ درجہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھیں ہر ایک فصیل کے درمیان فاصلہ اور ایک وسیع خندق تھی اور ہر ایک خندق میں پانی بھرا ہوا تھا۔ بیرونی فصیلوں کو پار کر کے جب عرب آگے بڑھے تو انھیں تیروں اور نیزوں کی موسلا دھار بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن عربوں نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے لڑائی جاری رکھی اور اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر خندق کو پار کیا اس قیامت خیز معرکہ میں عرب ہر طرف سے غلامی کی اور اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹا لیا اس حماقت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلیفہ کو شکست فاش ہوئی۔ خلیفہ کی محافظ فوج نے نہایت بہادری اور ثابت قدمی سے جنگ کے بالسنہ کو بلٹا چاہا مگر ناکامیاب رہی۔ ایسی ہولناک شکست مسلمانوں کو اندلس میں کبھی نہ ہوئی تھی تمام لشکر تتر بتر ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کا فاسقوں نے نہایت بے دردی سے قتل عام کیا۔ امیہ بن اسحاق عیسائیوں سے شروع ہی میں جا کر مل گیا تھا۔ اس نے دشمنوں کو خلیفہ کی پوشیدہ باتوں اور کمزوریوں سے آگاہ کر دیا تھا اور علامہ مفری کے بیان کے مطابق یہ امیہ بن اسحاق ہی تھا جس نے رومیہ کو مشورہ دیا تھا کہ مسلمانوں کو باوجود طاب امان نہ دے علامہ مفری کا خیال تھا کہ ”اگر یہ بات (غذاری) نہ ہوتی تو مسلمانوں پر جو کچھ مصیبت پڑی وہ ہرگز نہ پڑتی“ ابن عسکری، مسعودی اور مفری کے تخمینہ کے مطابق اس معرکہ اور قتل عام میں پچاس ہزار مسلمان کام آئے۔ بڑے بڑے فوجی افسر گرفتار ہوئے۔ سالار اعظم مارا گیا۔ اور خلیفہ بمشکل اپنی جان بچا کر قطیف پہنچا۔

اندلس کے مسلمانوں کو ایسی شکست کبھی نہ ہوئی تھی۔ اگر عیسائیوں نے اپنی فتح

وکامیابی سے پورا نائدہ اٹھایا ہوتا تو اسپین کی تاریخ کا نقشہ بدل گیا ہوتا اور غزوہ خندق کا شمار دنیا کی اہم ترین اور فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا خلیفہ کی خوش قسمتی سے لیون اور قشتالہ کے عیسائیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ان کے اندرونی جھگڑوں اور باہمی عداوت اور کشت و خون کی بدولت خلیفہ ناصر کو ہمت مل گئی کہ وہ جنگ خندق کی مصیبت کی غلامی اور عیسائیوں سے بدلہ لینے کی مکمل تیاریاں کرے۔

عیسائیوں کی باہمی مخالفت و عداوت سے نائدہ اٹھاتے ہوئے خلیفہ نے متعدد بار لیون کے خلاف اپنی فوجیں بھیجیں اور ہر طرف عیسائیوں کو شکست ہوئی خاص کر ۹۴۴ء اور ۹۵۱ء کی جہوں کی کامیابی سے اس کا وقار از سر نو قائم ہو گیا۔ اور جنگ خندق کی شکست کی کافی غلامی ہو گئی خلیفہ نے اس قسم کی تعمیری جہوں کا برابر سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ مجبور ہو کر انھوں نے ہتھیار ڈال دئے اور صلح کے لئے درخواست کی۔ ۹۵۵ء میں رومیہ فاتح خندق کے بیٹے اور جانشین اردون ثالث سے ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ اس نے خلیفہ ناصر کے اقتدار علی کو تسلیم کر لیا۔ اور وعدہ کیا کہ قرطبہ کی سرحدوں پر اپنے قلعوں کو خالی یا منہدم کر دے گا نیز وہ آئندہ کبھی اندلس پر حملہ نہ کرے گا لیکن اردون ثالث کی وفات پر اس کا بھائی اور حریف سینکو تخت نشین ہوا اور اس نے معاہدہ کی شرطوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس لئے جولائی ۹۵۶ء میں خلیفہ کے حکم کے مطابق احمد بن یحییٰ، گورنر قرطبہ کو سینکو کے خلاف چڑھائی کا حکم دیا اور شکست فاش دی۔

(بانی آئندہ)

# ابوالمظفر حلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

(۲)

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

رد مہلوں میں بھیجی بادشاہ کے مذکور الذکر واقعات نے رد مہلوں میں عام بھینسی پیدا کر دی اور مشورہ ہونے لگے کس طرح مرہٹوں کے پنجے سے اس بے سمجھ بادشاہ کو جھڑپایا جائے اور رہی سہی جو حکومت ہے وہ بچالی جائے نواب ضابطہ خاں نے اپنے وقار کی خاطر سکھوں سے ساز باز کیا حتیٰ کہ شہرت یہ اڑی کہ وہ سکھ ہو گیا آخر شنج خاں کے ہاتھ سے اس کی تدبیریں خاک میں ملی تھیں اس کا بیٹا غلام قادر تھا یہ مرہٹوں کے ساتھ نوکلہ بھی تباہی کے بعد سے تھام رہے ضابطہ خاں کے بیوی بچے بکڑ لائے تھے بادشاہ نے غلام قادر خاں کو قتل کر دینا چاہا مگر منظور علی خاں ناظر کی سفارش سے جان بخشی ہوئی عمر اس وقت ۹-۱۰ سال کی تھی یہ مشاہیت خوبصورت اور حسین تھا۔ بادشاہ نے اسے منظور نظر بنا کر ختی کر دیا اور قدسہ باغ میں رکھا گیا بادشاہ بھی اب رنگ رلیوں کے نند ہو گئے تھے دن رات ناپ چگانا ہوتا چنانچہ غلام قادر کو زلے نے کپڑے پہنا کر سامنے بلایا جانا جب تک نادان رہا سب بادشاہ کے ظلم سے ہوشیار ہونے پر راہ فرار اختیار کی اور اپنے باپ سے جا ملے

لے واقعات اعظمی و تنجیب التواریخ صفحہ ۵۰ (مظہری)

واقعات نواب غلام قادر | ضابطہ خاں کے انتقال کے بعد غلام قادر ہاگیر پر قابض ہوا اس کو بادشاہ سے ایک گونہ دشمنی تھی مگر اس سے زیادہ اس جماعت سے کتنی جس نے غوث گیلانی کی اینٹ سے اینٹ بجائی چنانچہ منظور علیخان ناظر قلعہ علی ٹچ مرہٹوں کی سخت گیری سے تنگ آچکا تھا غلام قادر سے مشورہ کر کے طے کیا کہ مرہٹوں کو دہلی سے باہر کر کے نئے طور سے مغلیہ سلطنت کا وقار قائم کیا جائے۔ مادھو سندھیا گوالیار گیا ہوا تھا۔ موقع پا کر کچھ جان نثار ردھیلوں کو ہمراہ لے کر غلام قادر دہلی پر چڑھ دوڑا منظور علیخان ناظر نے بلا مزاحمت دہلی پر اس کا قبضہ کر دیا اور غلام قادر نے اپنا آبائی منصب امیر لہور حاصل کر لیا۔ دربار کے امراء بادشاہ کی حرکتوں سے دل برداشتہ تھے وہ سب غلام قادر کے ساتھی ہو گئے۔

غلام قادر نے علی گڑھ کا قلعہ مرہٹوں سے چھین لیا اس کے بعد اسماعیل بیگ کی مدد سے آگرہ کا محاصرہ کر لیا ۱۶ رجب ۱۲۴۸ھ کو زبردست جنگ ہوئی اس میں مسلمانوں نے داد نجات دی۔ اس اثنا میں سہارنپور سے اطلاع آئی یہاں کے علاقہ میں سکھوں نے جبرہ دستی شروع کر دی اس خبر پر نواب غلام قادر خاں کو اپنے علاقہ کو واپس جانا پڑا امر کی کشیدگی | آغاز ۱۲۴۸ھ میں غلام قادر خاں دلی آیا شاہ عالم نے بھر سندھیا کو ملک کے لئے خفیہ طور پر طلب کیا اس حرکت سے بادشاہ کے تمام امراء گھبرائے اور غلام قادر کے شریک اور ہمراہ ہو گئے حتیٰ کہ ساری مغل سپاہ بادشاہ کی مسلم کش پالیسی سے ٹوٹ کر غلام قادر سے مل گئی بادشاہ گھبر گیا اور اس نے منظور علی کی معرفت غلام قادر خاں سے میل کیا اور بھرا میرا امر اس کو بنا دیا۔

نواب غلام قادر نے شاہ عالم سے کہا آپ کے پاس جو فزائے شامی ہے اس

میں سے اس قدر روپیہ مرحمت فرمائے تاکہ تھے سرے سے فوج بھرتی کی جاتے اور اتنی طاقت آپ کی ہو جاوے کہ آپ کا وہ ملک جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں مرہٹوں کو دیا ہے وہ واپس لے کر حکومت مغلیہ کی آبرو بچا لی جاوے تمام اہل کار غلام نادر کی راکھ کے مودے تھے مگر سینل واس خزانچی نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔

شاہ عالم کے اعمال کا مقررہ غلام نادر کو پتہ لگ گیا کہ یہ بادشاہ کی حرکت ہے یہ نہیں چاہتا کہ ملتان امر کو وقار حاصل ہو اور اس نے وہ خط نکال کر سامنے بادشاہ کے ڈال دیا خود بادشاہ نے ماہر سندھیا کو غلام نادر کے مقابلہ میں مدد کے لئے لکھا تھا اس نے شاہ عالم سے کہا اگر اس وقت ان حرکتوں سے درگزر کروں اور فوج کا انتظام کر لوں تو مرہٹہ قوت کو توڑ کر رکھ دوں گا مرنے والا دے آپ سے کیسی رفاقت کی اور حکومت مغلیہ کے سچا دشمن اپنا خون پسینہ ایک کیا آپ اپنے ہاتھوں اس حکومت کو مرہٹوں کو سپرد کر رہے ہیں مگر بادشاہ نے اس کی التجا کی کوئی شنوائی نہ کی آخر میں اپنی جان اور حکومت مغلیہ کو بچانے کے لیے یہ کیا کہ پہلے شاہ عالم کو موزوں کیا اور ۲۲ شوال ۱۲۰۲ھ کو احمد شاہ کے بیٹے بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا چونکہ اس کو شاہ عالم کی مرہٹہ پرستی اور ان کے لکھنے پر روسیوں سے لڑنے اور انھیں تباہ و برباد کر ڈالنے کا بہت لال تھا بادشاہ کو مرہٹوں کا حامی پاکر قلعہ معنی کو کوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔ عزت گدھکی لوٹ کے وقت اس کے خاندان پر جو کچھ گزری تھی کچھ اس سے بڑھ کر ہی شاہی خاندان پر گزری تھی۔ غلام نادر کا جوش انتقام بہت بڑھا ہوا تھا۔

بادشاہ شاہ عالم کا بیٹا ہونا ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۰۲ھ کو شاہ عالم کو دیوان عام میں ہلا کر اس

۱۷ مہینہ ۲۸ تاریخ ہندوستان مذکورہ ۳۳ ۱۷ مہینہ ۲۹

سے روپیہ طلب کیا انکار کرنے پر انھیں بچے گر کر پیش فیض سے آنکھیں مکال لیں غلام  
کھمبیس حرکت قلع پر تمام امرا اور ارکان سلطنت اس سے بگڑ بیٹھے اور تمام ہمدردیاں  
اس سے جو بھین جاتی رہیں یہ چند شہزادوں کو ساتھ لے کر میزبہ چلتا ہوا سندھیانے  
راما خاں کی سرگردگی میں فوج بھیجی اور اس کو موقع بھر مل گیا کہ بادشاہ کو قابو میں لائے  
مرہٹہ فوج نے غلام نادر کو گھیر لیا اور ریح الاول سندھ میں گرفتار کئے کہ بادشاہ کے  
انتقام میں ٹکا بوٹی کر ڈالی مرہٹوں کی اس کار فرمائی سے شہادت کا درجہ تو اسے مل گیا  
سندھیانے مصلحت سے دوبارہ بادشاہ کو تخت پر بٹھایا مگر کل اختیارات  
چھین لئے اور اخراجات کے لئے ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دے۔

اب بادشاہ مرہٹوں کے آلہ کار تھے کوئی روپیہ سرور بارانی نہ بچا تھا کہ ان  
کی معاوضت کرتا اور مرہٹوں کے لئے خوف کا سبب ہوتا۔

مرہٹوں کے مظالم کچھ عرصے کے بعد سے ہی مرہٹوں نے وحشیانہ طور سے شاہ دہلی اور  
دلی والوں کو ستانا شروع کیا مغل بچوں کی کچھ حینقت نہ سمجھتے جو چاہتے کرتے اور جو  
کچھ ان کا جی چاہتا قلعہ میں دست اندازی کر کے شاہ کا دل دکھاتے شاہ عالم کی باخوبی  
بیوی و بدۃ النساء بیگم حافلہ عورت تھی اس نے مرہٹوں کا یہ رنگ دیکھا کہ وہ مقررہ رقم  
کے دینے میں الجھن پیدا کرتے ہیں محل کے اخراجات کو سخت تنگی سے پورا کیا جاتا ہے

شاہ عالم سے کہا لا روڈ و لزی کے نام خطر دانہ کر و ادراپ انگریزوں کے ذریعہ ان  
مرہٹوں کے بچے سے رہائی پاؤ چنانچہ بادشاہ نے لا روڈ و لزی کو اپنی مصیبت کی داستان  
کھلی کہ ”میری مرہٹوں کی قید میں اور بھی حالت بدتر ہے وہ وزیر بن کر رہتے ہیں لیکن ٹیٹی  
مجھ پر حکومت کرتے ہیں مابعد دولت کی دلی خواہش ہے کہ میں اپنا دستور نہیں بناؤں یا

اُس شخص کو جسے تم پسند کرو مری آنکھیں مہناری طرف لگی ہوتی ہیں تم بہت جلد آؤ اور مجھے مرہٹوں کی قید سے رہائی دلاؤ۔

لاڈلہ لڑکی اجوہنی لاڈلہ لڑکی نے یہ شفقہ سلطانی دیکھا بہت خوش ہوا اس کے جواب میں لاڈلہ موصوف نے بادشاہ کا اطمینان خاطر کر دیا کہ

”آپ گھبرا دیں نہیں عنقریب مرہٹوں کی قید سے آپ کو ہم لوگ رہائی دیتے ہیں۔“

مگر ڈاکٹر جتند کمار رحم دار ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ ڈی دیا جاوے ”راجہ رام موہن رائے“ میں لکھتے ہیں کہ

”مرہٹوں کے مہنوا فرانسسیسی نے اور وہ سندھیا کے پردے میں روز بروز اقتدار قائم کر رہے تھے پیرن کا توپ خانہ اور فوج اور فرانسسیسی مقبوضہ جو شمالی مغربی ہندوستان پر سندھیا کی حمایت میں مغلیہ حکومت کے کھنڈرات پر قائم تھے اس بڑھتی ہوئی حالت سے انگریز خوف زدہ تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرہٹوں کی آڑ لے کر فرانسسیسی بادشاہ کو اپنا آلہ کار بنالیں گورنر جنرل نے کمانڈر انچیف کو اختیارات دے دئے کہ وہ شاہ عالم سے معاہدہ کر لے کہ اگر بادشاہ سلامت حکومت برطانیہ کی حفاظت میں آنا چاہیں شرائط کے تحت آسکتے ہیں چنانچہ بادشاہ کو گورنر جنرل کے نیک ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے ماریکوز آف ویلزی نے اس مضمون کا خط ۲۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو بادشاہ کو لکھا کہ اگر کسی وقت حالات نازک ہو جائیں تو آپ فوراً ہماری حفاظت میں آسکتے

لہ تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶ از مولوی رحیم بخش دہلوی لہ تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶



ہیں اور اس امر کا بھی یقین دلایا کہ اگر آپ ہماری پناہ میں آجائیں تو ہر اعتبار سے برطانوی حکومت آپ کا اعزاز قائم رکھے گی اسدیک معقول وظیفہ آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے لئے دے گی..... اعلیٰ حضرت اس کو خوشی سے منظور کر لیں گے۔

کمانڈر انچیف کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ یہ پیغام رازداری کے ساتھ خفیہ طور سے بادشاہ تک پہنچایا جائے تاکہ نرائسیسی آفسیر کو جو دولت راج سندھیا کی طرف سے بادشاہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے یہ موقع نہ ملے کہ وہ انگریزوں کو بادشاہ سے نہ ملنے دے اور اس طریقہ سے ان کی تجویز کو کامیاب نہ ہونے دے۔ سعید رضا خاں جو دہلی میں دوڑو سندھیا کے ریڈیو سٹ کے ایجنٹ تھا اس کام کے کرنے کے لئے مناسب سمجھا گیا۔ مذکورہ خط کے متعلق بادشاہ کا جواب جو سعید خاں کی معرفت بھیجا گیا بہت امید افزا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے نصیحتوں اس کا بھی اظہار کیا کہ وہ برطانوی حفاظت میں آنے کو تیار ہیں۔

## دہلی پر انگریز اور مرہٹہ جنگ

پہلی مرہٹہ جنگ میں انگریزوں نے جان توڑ کر لڑائی لڑی اور انھیں شکست

دی۔

دوسری جنگ دہلی پر ہوئی اور یہ خونخوار جنگ تھی انگریزوں نے لارڈ لیک نے مقدمہ "راج رام موہن رائے" مترجم مولوی سراج الحق بی۔ اے علیگ رسالہ مصنف مارچ ۱۹۴۷ء  
لے رسالہ مصنف علی گڑھ مارچ ۱۹۴۷ء صفحہ ۹۰

کو اس جنگ کے لئے مقرر کیا تھا وہ سنہ ۸۸۰ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا دولت راؤ سندھیا کی طرف سے اس کا فرانسسسی جنرل بوکین تھا۔ مرہٹہ اس جنگ کو دہلے لگی کی جنگ سمجھ رہے تھے اس لئے انھوں نے اس میں اتنا اندر ہی نہیں دیا صرف جنرل بوکین صفت آراء تھاجب خوزیری کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو مجبور کیا کہ آپ جلی کر جنگ کریں زبدۃ النساء نے ہر چیز چاہا کہ بادشاہ انگریزوں کے مقابلہ میں نہ جائے لیکن مرہٹے بغیر رہے آخر فرس زبدۃ النساء شاہ کے پیچھے خود ہاتھی پر بیٹھی اور ہاتھی میدان جنگ کی طرف چلا شاہ کے ہاتھ میں شیر و کمان تھی وہ کجاست عدم بینائی کیا شیر چلائے مرہٹوں کا مجبور کرنا تھا چنانچہ زبدۃ النساء پیچھے سے کہتی جاتی تھی شیر ہاتھ بلند کر کے ملے جائے اسی آواز میں بیگم نے لارڈ لیک کے نام شاہ کی مہر سے ایک شفق بھجوا دیا جس میں اپنی مجبوری کا اظہار تھا آخر فرس مرہٹہ لارڈ لیک کے مقابل شکست یاب ہوئے ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۰۳ء کو دہلی فتح ہوئی لارڈ لیک نے بادشاہ کے حضور میں آکر عرض کیا حضور کب مرہٹوں کی قید سے آج آزاد ہو گئے زبدۃ النساء نے شاہ کی طرف سے کہا شاہ آپ کو فز و نذر لہذا خطاب عطا فرماتے ہیں اور آپ کو اس نمایاں فتح پر مبارک باد دیتے ہیں لارڈ لیک نے یہ سن کر ٹوپی اتار کر سلام کیا شاہ کے خطاب عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ گوروں کی ملینوں نے لارڈ لیک کے حکم سے شاہ عالم کی سلامی اتاری اور پھر بڑے جاہ و جلال سے شاہ قلعہ میں داخل ہو کر تخت پر رونق افروز ہوئے۔

۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۰۳ء کو برطانوی فوجوں نے جینا عبور کر کے دار السلطنت پر قبضہ

کر لیا

لے تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶

۱۷ کو کمانڈر انچیف جنرل لیک شہر میں داخل ہوئے دہلی کے سارے باشندہ جو مرستوں کے مظالم کا شکار رہے تھے دولت ان کی کئی تھی عزت و آبرو خاک میں مل رہی تھی وہ اس واقعہ سے بے حد خوش ہوئے اور جنرل لیک نے ہر ایک کی دلجوئی اور تشفی کی جس پر دہلی کے باشندے اور بالخصوص ”مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کا احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ جنرل کو سلطنت کا دوسرے منبر کا خطاب ملا تھا کیونکہ پہلا خطاب سندھیا کو دیا جا چکا تھا اب شمالی مغربی صوبوں میں ان کی کامیابی سے فرانسیسی اثر و اقتدار پر بڑا اثر پڑا اور دو آہ کا علاقہ برطانیہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

بادشاہ کی سخاوت | باوجودیکہ بادشاہ کی بہت زبوں حالت تھی جس وقت دہلی کے قلعہ میں گئے ہیں شکستہ حالی میں گرفتار۔ ضعیفی۔ غربت۔ عدم بصارت ایک بوسیدہ شامیانہ کے نیچے بیٹھے ہوئے۔ اپنی گزشتہ عظمت پر آئینہ بہا رہے تھے۔ ”معلوم ہوا دولت واد سندھیا کا ۷ لاکھ روپیہ فرانسیسی کمانڈر دہلی کے پاس تھا جو اس کے خزانچی شاہ نواز خان کے پاس موجود ہے کمانڈر انچیف کو بھی اس کی اطلاع ملی انھوں نے ایک مودبانہ درخواست بادشاہ کے حضور میں گزار دی کہ یہ رقم ہم کو عطا ہو بادشاہ نے اپنی فراہمی سے منظرِ عینیت وہ رقم کمانڈر انچیف کے پیغمبر میں بھیج دی اور اس کو پیغام بھیجا کہ یہ رقم بطور شاہانہ عطیہ قبول فرمائی جائے۔“

ریڈیڈنٹ کافر | شاہ عالم اب انگریزوں کی حفاظت میں تھے ”کمانڈر انچیف دہلی سے روانہ ہونے لگے نقشہ کشی کر نیل اکڑ لوتی کو جو ڈپٹی سب وینٹ جنرل تھے برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے دربار مغلیہ میں ریڈیڈنٹ بنائے گئے۔“

۱۸ مقدمہ ادرام موہن رائے صفحہ ۸۹ لکھ ایف اے دیباچہ ادرام موہن رائے صفحہ ۱۰

دو سال جوں کوں کر کے گزرے اس اثنا میں ریواڑی پر برطانیہ کی فتح ہوئی  
نئی بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو اس فتح کے صلہ میں اعزازی خلعت دے کر اپنی مہر  
اور جابزار کی کا اظہار کیا :-

انٹرن برطانیہ میں مشورہ ہوا کہ شاہ دہلی مدت ہوئی اپنا شاہی وقار  
کھو چکے ہیں اور اس کو از سر نو زندہ نہ کیا جائے۔ اس بنا پر شاہی رتبہ اور  
وظیفہ کے متعلق اختلاف رونما ہوا۔

۲۳ مئی ۱۸۵۷ء کو ریڈیڈنٹ متعینہ دہلی کی معرفت بادشاہ کو مطلع کیا گیا کہ  
اور آپ کے تعلقات کن شرائط پر ہوں گے اور اقرار نامہ بھیجا گیا جس کی مختصر شرطیں یہ ہیں  
۱۔ وہ خاص علاقہ جو دہلی کے نواح میں دریائے جمنا کے دائیں طرف واقع  
ہے شاہی خاندان کی کفالت کے لئے بموجب شرائط اقرار نامہ دیدیا جائے  
اور یہ علاقہ دہلی ریڈیڈنٹ کے ماتحت رہے گا۔ مالیات کا وصول کرنا اور  
انصاف کا قائم کرنا مطابق قوانین گورنمنٹ برطانیہ شاہ عالم کے نام سے ہوگا۔  
بادشاہ کو اختیار ہے ایک دیوانی کا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے انٹر  
کلمنٹ کے دفتر میں رکھیں جن کا کام یہ ہوگا جانچ پڑتال کریں اور بذریعہ پورٹ  
بادشاہ کو اس امر کا اطمینان دلاتے رہیں کہ وصول شدہ رقم مالیات اور وصول  
مانگنداری میں جو خرچہ ہو رہا ہے اس کا کوئی حصہ خرچہ نہیں کیا جا رہا ہے  
دو درامیٹ دیوانی اور فوجدار کی اسلامی قانون کے مطابق دہلی شہر اور اس  
اراضی کے باشندوں کے لئے جو بادشاہ کے نام منتقل کر دی گئی تھی قائم ہوئی

لہ مقصدہ راجہ رام موہن رائے صفحہ ۹۳ (مصنف)

چاہئیں اور فوجداری عدالتوں کے سزائے موت کے حکم کی تعمیل اس وقت تک نہیں کی جائیگی جب تک کہ بادشاہ سے منظوری نہ لے لی جائے اور اس کے سامنے اس قسم کے مقدمات کی روئیداد بھی پیش کی جائے گی۔ کسی عضو کے کاٹنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔

ڈاکٹر محمد ارکھتے ہیں کہ

بادشاہ اور ان کے خاندان کی فوری ضرورت پوری کرنے کے لئے نوے ہزار روپیہ کا مشاہرہ منظور کیا گیا۔ اگر مستند اراغنی کی آمدنی اجازت دے تو یہ رقم ایک لاکھ تک بڑھائی جاسکتی ہے۔ مذکورہ بالا رقم کے علاوہ دس ہزار روپیہ سالانہ ہندو مسلمانوں کے خاص تہواروں کے موقع پر قدیم رواج کے مطابق دے جائیں گے

### مغلیہ حکومت کا آخری دور

سر جے ڈبلیو کہتا ہے کہ ایک چھوٹے سے پیمانہ پر قیام سلطنت (مغلیہ) کی تجویز لارڈ دلہی جارج بارلو اور مسٹر ریڈ جاسٹن جیسے قابل اور تجربہ کاروں کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر محمد ارکھتے ہیں

یہ اسکیم تھی جس سے شاہ عالم کی حیثیت ایک منپشن خوار کھٹہ پٹی سے گوکھ بڑھ جاتی تھی مگر اس کے ساتھ اس کے پاس کچھ اختیارات شاہی نہ تھے وہ بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی تھا۔ سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔

۱۔ مقدمہ رام موہن رائے مصنف صفحہ ۹۲ ۲۔ مصنف مذکور صفحہ ۹۳

غرضکہ شاہ عالم مدبرانِ برطانیہ کے ایک مغز آ کر بنے ہوئے تھے اب یہ قید ایسی نہ تھی کہ اس سے جیتے جی چھوٹنا نصیب ہوتا۔

وفات | چنانچہ نومبر ۱۸۵۷ء میں مرغان ۲۱ سالہ کو اس بادشاہ نے حکومتِ مغلیہ کا بیڑا غرق کر کے دنیا مٹے فانی سے عالمِ جاودانی کو کوچ کیا۔ قطب صاحب میں بہادر شاہ اول کے قبر کے برابر دفن کئے گئے۔

ان کی حکومت کی کل مدت ۲۸ سال ہے جس میں سے بارہ برس بہار والہ آباد میں اور ۷ برس بینائی کے ساتھ اور ۱۹ برس آنکھیں کھوکھلی میں گزاریں۔

## دلی عہدِ اول

جہاں دار شاہ - شاہ عالم کے بڑے صاحبزادہ اصلی نام مرزا جواں نخت تھا ۱۱۲۳ھ میں ذاب تاج محل کے بطن سے پیدا ہوئے جو مکرّم الدولہ سید علی اکبر خاں بہادر مستقیم جنگ کی حقیقی بہن تھیں۔

مولوی نظام الدین دہلوی سے تعلیم پائی شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا اردو فارسی میں کہتے اور جہاں دار تخلص کرتے تھے۔ جہاں دار شاہ سخی، خلیق، بامروت، شورش طبع اور رنگین مزاج تھے جرأت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن شکار گاہ میں ہاتھی بگڑ گیا چاہا سوئد سے پکڑ کر دار کرے انھوں نے اتنی مہلت نہ دی اور تلوار کے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔

۱۱۲۵ھ میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کے بچے انھیں نائبِ سلطنت بنا کر

۱۱۲۵ھ میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کے بچے انھیں نائبِ سلطنت بنا کر

نجیب الدولہ کی سرپرستی میں دے دیا تھا اس بارہ برس تک نہایت حسن دہخوی سے  
کاروبار سلطنت انجام دیتے رہے ۱۱۸۵ھ میں شاہ عالم دلی واپس آئے تو یہ دلی عہد  
کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔ مرہٹوں کے پنجے سے باپ کو چھڑانا جاہل فراسیٹ  
امیر الامراء کے ڈر سے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۵ھ کو رات کو محل سے نکل کر رام پور گئے  
بہم لکھنؤ آصف الدولہ کے پاس آگئے اس نے آداب اور خدمت گزاری میں کوئی کسر  
اٹھانہ رکھی آغز میں دلوں میں کدورت پیدا ہوئی جہاں دارشاہ بنارس چلے گئے وہاں ہنسٹر  
نے آصف الدولہ سے ۲۵ ہزار روپیہ ماموار نذرانہ مقرر کر دیا تھا اسی میں گذر سہر کرنے  
پہلے۔ مرزا محمد علاؤ الدین بہادر معرف مرزا بابا کی صاحبزادی حبیبہ بیگم سے عقد کیا۔ ۲۵ شوال  
۱۲۰۵ھ میں انتقال ہوا مرزا بابا شاہ عالم کے چچا زاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی تھے حبیبہ بیگم کے  
بطن سے مرزا مظفر محبت تھے جو بنارس ہی رہے شاہ عالم کے دوسرے صاحبزادہ اکبر شاہ  
نانی تین صاحبزادیاں تھیں۔

شاعری اور شاہ عالم | شاہ عالم کو گوگام عمر مصائب کا سامنا رہا مگر طبعی رجحان شعور شاعری کی  
طرف تھا فارسی اور دو میں شعر کہنے آفتاب تخلص تھا بہا شاہ عالم تخلص کرتے تھے  
فارسی کلام کی اصلاح مرزا محمد فاخر میکس سے لی اردو میں مشورہ مولوی نور احمد ممتاز سے  
شاہ عالم کے مہذب شاعری کی ترقی کو سلطنت مغلیہ میں رہی تھی پُر اردو زبان سنورتی جاتی تھی  
”اردو کے نئے بڑے بڑے استاد ہیں وہ اس زمانہ میں کچھ کہہ رہے۔“

حکیم، میر، سودا، مصطفیٰ گوہ شاہ عالم دلی آئے یہ لوگ جا چکے تھے۔ حکیم  
تمنا اللہ خاں خزانق شاگرد میر درد۔ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ شاہ ہدایت۔ میاں شکیبا

لے واقعات الفری ردیاجہ نادرات شاہی صفحہ ۵۳

مرزا عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا۔ میر تقی الدین منت شیخ دلی اللہ محب سے حضرات کا دورہ دورہ تھا۔ جو رفعت شاعری کے علاوہ شاہی دربار میں فائزانی اعزاز بھی رکھتے تھے۔

یہی زمانہ تھا سید انشاء اللہ خاں دلی آئے دربار ایک ٹوٹی بھوٹی درگاہ سے مناسب رکھنا تھا جس کے سجادہ نشین شاہ عالم خود تھے۔ حضرت نے شاعرانہ قدروں کے لحاظ سے اس نوجوان پر خلعت و عزت کے ساتھ شفقت کا دامن ڈالا اور سید انشاء اہل دربار میں داخل ہوئے اپنے اشعار کے ساتھ لطائف و ظرائف سے کہ ایک مہینہ زعفران تھا، مہینہ انسانی کر کے محفل کو نشا دیتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ دلی سے چلے ہوئے آزاد دہلوی نے لکھا ہے کہ شاہ عالم بڑے مشتاق شاعر تھے۔  
مولانا عرشی رام پوری لکھتے ہیں کہ۔

ان کے شعروں کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں سچے خیالات مشکل فقرے یا لفظ اور دور از کار تشبیہیں نہیں ملتیں۔ ان کی شاعری جذبات کی شاعری ہے جو کچھ دل پر گزرتی ہے خوشی ہو یا رنج آرام ہو یا تکلیف اسے سادہ طریقے سے بیان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں نشان و شکوہ کم مگر اثر زیادہ ہے۔ طرز ادب کی سادگی اردو فارسی، ہندی تینوں زبانوں کے اشعار میں یکساں پائی جاتی ہے اور یہی حال ان کے خیالات کی صفائی کا ہے۔ ”وہ گئی زبان تو وہ قلم معلیٰ کے ممتاز کزن تھے ان سے زیادہ مختصر اور پاک صاف اردو کون لکھ سکتا تھا۔ جو سند کا درجہ رکھتی ہے۔“

تصانیف | مغل بادشاہوں اور شاہزادوں کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا۔ بابا عظیم

لے دیا چہ خدمات شاہی صفحہ ۳۹۔ الم سے آب حیات ۲۶۳ سے ایضاً



مرزا کامران جہانگیر۔ دارا شکوہ عالمگیر ثانی جن کی دو کتابیں مجموعہ روزگار منتخب عزیزی یادگار سے ہیں شاہ عالم کی تصانیف دیوان فارسی۔ دیوان اردو۔ منظوم اقدس (مثنوی) قصہ شاہ شجاع الشمس قاسم نے لکھا ہے کہ یہ نثر رنجیت میں تھا مولوی ذکاء اللہ کی رائے یہ ہے اس کی عبارت چار درویش سی نہیں ہے۔ نادوات شاہی۔ اردو فارسی، ہندو پنجاہی شعروں کا مجموعہ ہے: مولانا امتیاز علی خاں عرشی رام پوری نے معد دیباچہ کے اس کتاب کو مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔

علمائے ہند اور شاہ عالم شاہ عالم کے زمانہ میں علماء اور مشائخ مسلمانوں کی ذہنوں کی اصلاح میں لگے ہوئے تھے شاہ فخر الدین بادشاہ کو اس کی اصلاح کے لئے ارشاد کرتے ہیں چنانچہ مناقب فخریہ میں ہے

سلطان عصر شاہ عالم، تابذات خود بہ امور ملک ستانی و ملک داری  
متوجہ نشود و اختیار محنت و مشقت نہ کند ہند و لبست بہ ہیچ وجہ صورت بیکرد  
حکومت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے شاہ صاحب بادشاہ کو آگاہ فرماتے ہیں۔

اگر مامور و مختار دنا شب سلطنت نماید امرائے دیگر ناخوش می شوند  
و سر بہ طاعت لودنی نہند و بے خبر بے بردگی با سلطان می گرد و در عیب  
سلطان ہر کہ و مدحی ماند و فوج بادشاہی کہ محتاج بہ آں امیر شد اور امی شناسد  
و سر رشته تعلقی شان از سلطان منقطع می گرد و در دماغ امر ہوائے انا و لاف می  
می پیچد و گاہ باشد کہ بر سر می آرد و در سلف اکثر بچہنیں شدہ است

(باقی آئندہ)

بہ صفحہ ۳۶۳

# احیاء منزل

(جنابِ روشِ صدیقی)

وہ تاریخی نظم جو بنارس کے ایک عظیم اُستادِ شاعرے میں پڑھی گئی یہ شاعر

۳۲ زیل حافظ محمد ابراہیم کی صدارت میں ۲۶ فروری ۱۹۷۹ء کو منعقد ہوا تھا اس

شاعرے نے، ہندوستان کے علاوہ پاکستان سے بھی چند شاہیر شعرا نے شرکت

کی تھی نظم اپنے تازہ، کیم لحاظ سے علمی، ادبی حلقوں میں سید پسند کی گئی۔

فرد فراموش کچھ امکانِ خبر ہے کہ نہیں جادہ پہا کوئی مقصودِ سفر ہے کہ نہیں

آخر اس شامِ تحیر کی سحر ہے کہ نہیں کسی فردِ اکابرے دل میں گذر ہے کہ نہیں

لے گئی تجھ کو پریشانی انکار کہاں

ہو گئی سرد زریِ آنشِ کردار کہاں

حق پرستی زریِ جرأت کی قسم کھاتی تھی مصلحت آنکھ ملانے ہوئے خروانی تھی

تیری گشتی سرگرداب اگر آتی تھی نبض، امواجِ غلام کی لرز جاتی تھی

آج سیلابِ حوادث تجھے ٹھکراتا ہے

اور تو صورتِ خاشاک بہا جاتا ہے

تو نے فرمانِ تغیر کو حکایت سمجھا فکرِ تعمیر کو ہنگامہٴ فرصت سمجھا

تو نے اک گوشہٴ محدود کو حُبِ سمجھا آہ سمجھا بھی تو کیا رازِ سیاست سمجھا

منصبِ ہمتِ عالی نہ رہا یاد تجھے

تیری محدودِ نظر کر گئی برباد تجھے

زندگی صرف متاعِ سر و سامان تو نہیں      آرزو خوابِ سہمی خواب پریشانی تو نہیں  
دروہستی کا تقاضا غمِ درماں تو نہیں      منزلِ راہ طلب اس قدر آساں تو نہیں  
سخت دشوار مراحل کی گذرنا ہی تجھے

اسی طوفانِ حوادث سے ابھرنی ہی تجھے  
ارتقا کہا ہے؟ تعمیر کی پذیرائی ہے      عزمِ انسان کی یہ سب اسخمن آرائی ہے  
زندگی کے کسی گوشے میں جو رعنائی ہے      کہا یہ خود ہی کسی گردوں سے اُتر آتی ہے

رفتِ فکر نہ پردازِ نظر سے پیدا      حسنِ ہوتا ہے ترے خونِ جگر سے پیدا  
تیری منزلِ ترے دل میں ہر سار نہیں      رنگِ بو ترے لبوں میں ہے بہار و نہیں  
نیرے دامن میں یہ شعلے میں شرار نہیں      زندگی کیا ابھنیں مبہم سے اشار و نہیں  
تو ہی خود اپنی مدایاتِ کسین بھول گیا  
بوسے گلِ یاد رہی خاکِ چمن بھول گیا

خیر جو کچھ بھی ہوا وقت ابھی باقی ہے      تجھ میں اک جرأتِ آزاد جو بھتی باقی ہے  
نکبتِ شوق کی دیوانہ گری باقی ہے      زندگی کا وہی حسنِ ابدی باقی ہے  
اُٹھ بھگاتی ہے وہی صبح بہاراں تجھ کو  
یاد کرتا ہے ابھی تیرا گلستاں تجھ کو

# برهان

شماره (۴)

جلد سبت دوم

اپریل ۱۹۴۹ء مطابق جمادی الثانیہ ۱۳۶۸ھ

## فہرست مضامین

- |   |   |     |
|---|---|-----|
| نظرات   | مفتی عتیق الرحمن عثمانی                       | ۱۹۴ |
| ۱۔ تدوین حدیث                                 | از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی     | ۱۹۷ |
| ۲۔ امیر المؤمنین عبدالرحمن ابن عمر لدین اللہ  | از جناب سید انوار الحق صاحب جنتی اہل بی       | ۲۲۵ |
|   | کچھ تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ    |     |
| ۳۔ ابو المنظر جلال الدین محمد شاہ عالم عثمانی | از جناب مفتی تنظیم اللہ صاحب شبانی اکبر آبادی | ۲۳۱ |
| ادبیات  |   |     |
| اشک   | از جناب میر ناصر شریفی تھران                  | ۲۳۵ |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## نظرات

۱۴، ۱۵ اپریل کو لکھنؤ میں جمیۃ علماء ہند کا سولہواں سالانہ اجلاس ہو رہا ہے، مختلف اطلاعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم پرور مسلمانوں کے اس سب سے بڑے آرگنائزیشن کا یہ مذہبی اور تمدنی اجتماع اپنی نوعیت کے لحاظ سے اہم بھی ہوگا اور شاندار بھی۔

۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سے ملک میں جس قسم کی ہوائیں چلیں اور فرقہ پرستی کے زہر نے جس تیزی سے اہل ملک کے دل و دماغ کو متاثر کیا اُس سے قدرتی طور پر تمام حالات کا نقشہ بدل گیا۔ جمیۃ علماء نے بھی جس کی اصابت رائے اور جنگی فکر و عمل مسلمات کا درجہ کھتی ہے پوری احتیاط سے ان بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیا اور گزشتہ اپریل کے اجلاس بمبئی میں سیاسیات سے کنارہ کشی کا غیر سہم اعلان کر دیا، حالانکہ جہاں تک اس موقع جماعت کی تاریخ اور روایات کا تعلق تھا اس کی سیاست کے بنیادی عناصر پر کبھی اور کسی وقت بھی فرقہ پرستی کی پرچھائیں تک نہیں پڑی تھی۔ اس کے بزرگوں نے استخلاصِ وطن کی مہم سر کرنے کے لیے مساعی میں جو راہ اختیار کی تھی، نہ ختم ہونیوالی صعوبتوں اور تہمت توڑ دینے والے حالات کے باوجود یہ جماعت سرِ مو اس سے منحرف نہیں ہوئی۔ اس کے صدر محترم نے اب سے گیارہ سال پہلے اسی دہلی سے ڈنکے کی چوٹ پہنگامہ خیز اعلان کیا تھا ”موجودہ زمانہ میں قومیں مذہب سے نہیں وطن سے بنتی ہیں“

پھر یہی جماعت تھی جس نے اپنے ہم مذہبوں کی بھاری اکثریت کی یوریشوں اور جارحانہ حملوں

کے بالمقابل سینہ سپر ہو کر آخری لمحوں تک ملک کی تعمیر کی مخالفت کی یہاں تک کہ کانگریس نے حالات سے مجبور ہو کر تقسیم ہند کا فارمولہ قبول کیا تو قوم پروری اور قومیت متحدہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی جماعت اس نازک وقت میں بھی نہایت استقلال سے اپنے مسلک پر جمی رہی۔

لیکن اس عظیم الشان تاریخ کے باوجود اس کے اربابِ کار نے زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھا اور محسوس کیا کہ جس جماعت کے دروازے صرف کسی ایک مذہب کے فرقے کے لیے کھلے ہوئے ہوں اور دوسرے مذہب کے لوگ اس میں باقاعدہ شامل نہ ہو سکیں، اس جماعت کا پارلیمنٹری سیاست میں حصہ لینا زبردستی کو ختم دینے کے ہم معنی ہو سکتا ہے، چنانچہ اجلاسِ بمبئی کے بعد جمعیت کا دائرہ عمل مسلمانوں کی مذہبی تعلیمی اور تمدنی سرگرمیوں میں محدود ہو گیا، تاہم ملک میں جو ہوائیں چل چکی تھیں ان کا اثر یہ ہوا کہ ابناءِ وطن کا ایک طبقہ جمعیتِ علماء کی پھل پوری شاندار تاریخ فراموش کر بیٹھا اور اسے جمعیت کی تنظیم میں مسلم لیگ کے جزائیم نظر آنے لگے۔

لکھنؤ میں اس اجتماع کا مطلب یہ ہر کہ ”انڈین یونین“ کے سب سے بڑے صوبے کے دارالسلطنت سے جمعیت کی یہ آواز ملک کے کونے کونے تک پہنچ جائے اور غلط فہمیوں اور غلط اندیشیوں کے تمام پتے پاک ہو جائیں۔ ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ اس موقع پر کم سے کم دو چیزیں ضرور صاف ہو جائیں گی۔

۱۔ مذہبی اور تمدنی حدود کی کسی حد تک نشان دہی، یہ اس لیے ضروری ہر کہ اس زمانہ میں عام طور پر ہندو ایک بہت ہی محدود اور مخصوص معنی میں استعمال کیا جاتا ہوا اور عام ذہنوں کا رجحان یہی ہو کہ مذہب انسان ایک ذاتی معاملہ ہے جس کا اجتماعی زندگی سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے، فی الحقیقت یہی تخیل تمام غلط فہمیوں کا چشم پوشی ہے اور فرقے مذہب اسلام کی جامعیت خصوصیت سے واقف نہیں ہیں ان کو اس مذہب کے ہر شعبہ سے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے اور وہ نادانستہ طور پر ایک باطل نظر قائم کر لیتے ہیں وقت کا سب سے بڑا اقتصادی غلط فہمی کو دور کر دیا جائے۔ مسلمانوں کی اقتصادی شکلوں کا حل۔ جہاں تک مسلمانوں کی اقتصادی

دہلی میں مسلمانوں کی ذہنی اور جسمانی حالت کا جائزہ

الحمد للہ کہ ندوۃ المصنفین کے اُچڑے اور کھڑے ہوئے کاموں کے سب سے پھرے جُڑے شروع ہو گئے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گردشِ ایام کی لپیٹ میں آئے ہوئے اس مرکزِ تالیفی سے ابھی قدرت کو کچھ اور خدمت لینا ہے۔

قدیم مطبوعات کے جدید ایڈیشن بھی نکل رہے ہیں اور جدید تالیفات کی ترتیب طباعت کا کام بھی خوش اسلوبی سے ہو رہا ہے۔ غلامِ اسلام قصص القرآن سوم، قرآن اور قصص، سرایہ اور لغات القرآن جلد اول کے نئے ایڈیشن تیار ہو چکے ہیں، اخلاق اور فلسفہ اخلاق اور قصص القرآن چارم زیر طبع ہیں نئی کتابوں میں ادارے کی ہتم بالشان کتاب ترجمان السنۃ جلد ثانی کے بڑے حصہ کی کتابت ہو چکی ہے اور امید ہے ان شاء اللہ اس جلد میں کم سے کم پانچ سو حدیثیں مع ترجمہ اور تشریحی نوٹوں اور ضروری پختوں کے ساتھ پیشگی، جن اصحاب کو ترجمان السنۃ جلد اول کے مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ جلد ثانی کی خصوصیتوں کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں، دوسری اہم اور مفید کتاب لغات القرآن جلد چارم کی ترتیب کا کام بھی اب قابلِ اطمینان طریقے پر ہو رہا ہے اور یقین ہے یہ جلد سال رواں کے کسی حصہ میں تیار ہو کر پریس سے آجائے گی۔ سلسلہ تاریخِ مکتب کی تسوید برسوں سے چھوٹی ہوئی تھی، شکر ہے کہ اب یہ کام بھی تیزی سے ہو رہا ہے۔ تاریخِ مکتب حصہ چارم (خلافتِ ہسپانیہ) زیر طبع ہے اور باقی حصص زیر ترتیب ہیں امید ہے اس سال اس مفید سلسلے کے کئی حصے قدر دانوں کے ہاتھوں میں آجائیں گے۔

ادارے کے کاموں کو مالی امداد دینے کے لیے مکتبہ برمان کے نام سے جو کتب خانہ قائم کیا گیا تھا ہم قسم کے تلخ و ترش حالات کے باوجود یہ مکتبہ بھی اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہے۔ مکتبہ کی طرف سے ۲۹ نومبر ۱۹۶۸ء تقطیع پر ایک شاندار مترجم قرآن مجید شائع ہوا ہے اس کے متن کا قلم ہناہت روشن اور ترجمہ حضرت مولانا تھانویؒ کا ہے۔ دوسرا قرآن مجید ۲۶ نومبر ۱۹۶۸ء ساڑھے پانچ سو ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ اس کا قلم بھی بہت صاف ہے اور ہر صفحہ پر آیت ختم ہوتی ہے۔ بچوں کے لیے قرآن کریم کا یہ نسخہ بہت مفید سمجھا جا رہا ہے۔ ۴

حضرت مولانا حبیب الرحمن مرحوم کی شہرہ آفاق کتاب اشاعتِ اسلام مکتبہ کی سالانہ مکتبہ کے پردہ گرام میں شامل تھی احمد شہزاد اب یہ بھی پریس سے بہت جلد نکالنے والی ہے۔

# تدوین حدیث

## تدوین حدیث کا ماحول

(۴)

از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ فقہ  
(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اسی طرح علم حدیث اور اسماء الرجال سے جو اشتغال رکھتے ہیں وہ صحابیوں کے متعلق بھی جانتے ہیں کہ تابعین میں فلاں فلاں صحابی سے زیادہ خصوصیت تھی اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے اترتے ہوئے اساتذہ اور تلامذہ کے خصوصی تعلقات کا عام علم فن کے جاننے والوں کو پہلے ہی سے ہوتا ہے، پس اسماء تو یونہی یاد رہنے ہیں، حافظہ کو ہر حدیث کے متعلق اتنا کام پڑتا ہے کہ ان ناموں میں سے کس نام کا کس حدیث کی سند سے تعلق ہے پس اس کو مستحضر رکھنا چاہئے سچ پوچھنے تو اس کی وجہ سے ناموں کے یاد کرنے میں بھی حافظہ کا کام آدھا رہ جاتا ہے اسی طرح متون حدیث کا حال ہے کہ اصل حدیث تو ایک ہی ہے دوسرے طرق پر لفظ دو لفظ کا اضافہ ہوتا ہے اور اسی اضافہ کی وجہ سے حدیث کے نمبروں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی حافظہ پر جو کچھ بار پڑتا ہے وہ لفظ دو لفظ ہی کے یاد کرنے کا پڑتا ہے۔ بہر حال اکثر اوقات



کی حدیثوں کا یہی حال ہے کہ سند یا متن میں لفظ دو لفظ کو بدلتے چلے جائے حدیثوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ابن راہویہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک بڑے پتہ کی بات لکھی ہے، بیان یہ کیا ہے کہ مشہور امام فن علل ابو حاتم رازی کی مجلس میں ابن راہویہ اور ان کی غیر معمولی قوت یادداشت کا ذکر ہو رہا تھا، ایک صاحب جن کا نام احمد بن سلمہ تھا، انھوں نے ابو حاتم سے کہا کہ ابن راہویہ صرف عام ابواب ہی کی حدیثیں نہیں بلکہ تفسیری روایتیں بھی شاگردوں کو زبانی بغیر کتاب سامنے رکھنے کے لکھوایا کرتے ہیں ابو حاتم جو فن کے گرسے واقف تھے۔ احمد سے یہ سن کر سنبھل گئے اور تعجب کے ساتھ کہنے لگے کہ

هذا اعجب لان ضبط الاختلاف

المسندۃ السہل والھون من

ضبط اسانید التفاسیر والفاظھا

۲۱۳  
۲۷

تفسیری روایات کا زبانی لکھوانا) بلاشبہ

بہت زیادہ عجیب ہے کیونکہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والی

حدیثوں کا یاد رکھنا تفسیری روایتوں کی سند

اور ان کے الفاظ کے یاد کرنے کے حساب

سے بہت زیادہ آسان اور سہل ہے۔

سمجھا آپ نے ابو حاتم کیا کہہ رہے ہیں قصہ یہ ہے کہ تفسیری روایات کے ذخیرے میں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کا سرمایہ بہت کم پایا جاتا ہے بلکہ زیادہ تر وہ صحابہ اور صحابہ سے کبھی زیادہ بہت زیادہ ان لوگوں کے اقوال اس ذخیرے میں شریک ہیں جو صحابہ کے بعد تھے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے زیادہ روایت کرنے والوں کی تعداد بھی محدود ہے زیادہ تر روایتیں عموماً کثرین صحابہ (ابو ہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ وغیرہم) حضرات سے مروی ہیں اکثر حدیثوں کے لئے صحابہ کے طبقہ میں ان چند ناموں کا یاد کر لینا کافی ہے پھر ان بزرگوں کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ یعنی حدیث کی آخری کڑیوں میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو اپنے اپنے استاذوں کے ساتھ خصوصی تعلقات کے لحاظ سے مشہور ہیں، حدیث کا ابتدائی طالب العلم ان محدود شخصیتوں سے واقف ہوتا ہے، گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ ہزار ہا ہزار حدیثوں کی سندوں کے لئے چند محدود اسماء جن کی تعداد دو تین سو سے زیادہ نہ ہوگی ان کو یاد رکھنا ان ساری سندوں کے رجال کا یاد رکھنا ہے اور متون میں بھی اختلاف زیادہ تر لفظ دو لفظ ہی کے حساب سے ہوتا ہے مگر تفسیری روایات کی سندیں بھی لامحدود اور ان کے متون کے الفاظ بھی زیادہ تر ایک دوسرے سے کم ملتے جلتے ہیں، اسی لئے تفسیری روایتوں کے یاد رکھنے اور زبانی بیان کرنے پر ابو حاتم کو تعجب ہوا، اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ حدیثوں کی عددی کثرت کو دیکھ کر بھڑکنے اور بدکنے کی ضرورت نہیں ان کا معاملتا دشوار نہیں ہے جتنا کہ ان ہیبت اور مدہش اعداد و شمار کو سن کر یہ ظاہر فن کے نہ جاننے والے باور کیے بیٹھے ہیں، آدمی کی قوت یادداشت اس قسم کے موثرات سے شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر امداد حاصل کرتی رہتی ہے۔

بات بہت طویل ہو گئی، حالانکہ کہنا صرف یہ چاہتا تھا کہ سوڈیڑھ سو سال وقفہ کی جو درمیانی مدت ہے اس میں اگر حدیثوں کے قلم بند کرنے کا جیسا کہ عام طور

پہچلا دیا گیا ہے رواج نہ بھی ہوا ہو، ادبیا ذکر کرنے والوں کی یاد ہی پر اس زمانے میں ہدایتوں کے محفوظ رکھے کا دار و مدار رہا ہو تو واقعات اور حالات سے جو واقف ہیں ان کے نزدیک ہلکی سے ہلکی بے اعتمادی کی وجہ محض یہ واقعہ نہیں ہو سکتا ہے بلکہ سچی اور ٹھوس بات یہ ہے کہ کتابت ہو یا حفظ، معلومات کے محفوظ کرنے کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں۔ تجربہ اند شاہدہ بتا رہا ہے کہ جیسے لکھ کر معلومات کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یاد کر کے بھی چیزوں کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور کہا جاتا ہے۔ عرصن کر چکا ہوں کہ اس وقت اس کی زندہ مثال آپ کے سامنے قرآن ہی موجود ہے، مکتوبہ قرآن میں قرآن کی کسی آیت یا سورۃ کو پڑھتے یا کسی حافظ سے اسی آیت یا سورۃ کو سینے کیا دونوں کے اعتماد میں کسی قسم کا فری آپ پا سکتے ہیں؟

بس مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ان میں کون معلومات کے محفوظ کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اور کون نہیں بن سکتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کتابت ہو یا حفظ و یادداشت دونوں میں سے جس کی سے بھی کام لیا جائے، کام لینے والے پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان ذمہ داریوں کی جیسا کہ جابجائے اگر نکمیں کی گئی ہے اور حزم و احتیاط کے لحاظ سے جن باتوں کی نگرانی کی ضرورت ہے ان سے لاپرواہی نہیں اختیار کی گئی ہے تو ان میں جس ذریعے سے بھی کام لیا جائے گا قدرتا انسانی فطرت اس ذریعے سے محفوظ کی ہوئی چیزوں کے متعلق اپنے اندر اعتماد کی کیفیت کو محسوس کرتی ہے خواہ یہ کتابت کا ذریعہ ہو یا یاد کرنے کا طریقہ لیکن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں اگر غفلت اور لاپرواہی برتی گئی ہو تو خود بخود اعتماد کی ضمانت مشتبہ ہو جاتی ہے خواہ کھنے سے کام لیا گیا ہو یا یاد کرنے سے، جو واقعہ ہے وہ یہی اور صرف یہی ہے نہ سوچنے والوں نے

ایک شعور پر پا کر رکھ لے گا کہ ان حدیثوں کا کیا اعتبار ہوگی سو سال بعد قلم بند ہوتیں۔ اس مابین  
 تو غامض اور جو غلطیاں ہیں ان کو تو جانے دیجئے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ انھوں نے یہ کیسے  
 یاد کر لیا ہے کہ قید کتابت میں آجانے کے بعد اشتباہات و شکوک کے سارے درد و  
 بند ہو جاتے ہیں؟ کیسی عجیب بات ہے ایک طرف اس کا نہنگ مارہ بجایا جاتا ہے کہ عالم  
 منہی میں مظالم کے جو پہاڑ کا تہوں کے باغوں سے ٹوٹے ہیں عالم صورت پر یہ ظلم جگمگر  
 خاں کے ہاتھوں میں نہ ہوا تھا عصر حاضر میں طباعت اور ٹائپ اور ٹائپ کی بھی بدقولی قائم  
 کے باوجود معمولی سی بے اعتدالیاں عبارتوں کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں منہی کی جگہ مثبت  
 اور مثبت کی جگہ منہی بن جانا معمولی بات ہے روزمرہ کا یہ مشاہدہ ہے۔ ہندوستان  
 کا مشہور مطبع و کشور تقریباً ایک صدی سے اس کی شہادتیں فراہم کر رہا ہے اور  
 زمین کیجئے کہ بے چارہ کا تب کتابت کی ذمہ داریوں کو بنا بھی لے گیا ہو لیکن اس کے  
 بعد بھی بڑھنے والوں کی نگاہیں ٹھوکر دوں سے کیا بالکل محفوظ ہو جاتی ہیں، بیسیوں لفظ  
 اس سلسلہ کے عوام میں مشہور ہیں۔ اور ان لطائف کے متعلق تو نہیں کہا جاسکتا کہ آیا

اس مشاہدے کا نتیجہ غلط ہو، ہمارے زمانے کے مشہور اخبار صدق لکھنؤ کا مطالعہ کر سکتا ہے درج  
 درج اور صفحہ صفحہ میں کتابت کے اعجاب اس کے سامنے آتے چلے جاتیں گے صدق کے کتاب کو  
 اس کا کمال بخشنا گیا ہے کہ آسمان کو بیک گردش ہم جی جا ہے زمین بنا سکتے ہیں اور زمین کو چنڈ  
 شوشوں کے پر پھیر سے آسمان کا قالب عطا کر سکتے ہیں۔ سہ کہتے ہیں کہ ”لو لفظ“ کو بڑھنے والوں  
 نے ”لو لفظ“ پر ہا۔ اور جب حوالہ کی ضرورت پیش آتی زمانے کہ ”لو لفظ“ کی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے نسخہ  
 نسخہ دانہ الہی شربت نفعہ دانہ الہی کے نسخے کے بڑھنے والے اسی ہندوستان میں جاتے  
 گئے ہیں خود اس فقیر کے ایک مرحوم دوست انجنی زئی اردو کے مشہور سلسلے ”اردو“ کو بڑھ رہے  
 تھے۔ فاکس رازدار در کتاب کے مطالعہ میں مفرد و مفاد ہی حضرت یکا یک مجھے محال بناتے  
 (باقی صفحہ آئندہ)

ترشیدہ اور خود آفریدہ ہیں یا واقعی پڑھنے والوں نے وہی پڑھا تھا جو مشہور ہو گیا۔  
 لیکن خود تدوین حدیث کی تاریخ ہی میں جن لطائف کا ذکر مسلسل سند کے ساتھ ہی  
 نے کیا ہے وہی کیا کم تعب انگیز ہیں اصل نہرست تو ان لطائف کی بہت طویل ہے  
 بطور دلچسپی اور عبرت کے لئے چند نمونے نقل کئے جاتے ہیں حاکم نے اپنی کتاب  
 علوم الحدیث میں نقل کیا ہے کہ علی نامی کسی صاحب کے متعلق لکھا ہوا تھا کہ ”علیؑ  
 یعنی علیؑ کم عقل آدمی تھے پڑھنے والے صاحب نے پڑھا کہ (علیؑ جبل عین) یعنی  
 نامرد آدمی تھے، حاکم نے حافظ ابوزرعه کے والد سے یہ فقہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص  
 جس نے اسنادوں سے حدیث پڑھی نہ تھی کتاب کھول کر حدیث پڑھانے بیٹھ گیا  
 مشہور حدیث آئی یعنی حضرت انسؓ کے بھائی جن کا نام ابو عمیر تھا، سچے تھے۔  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بطور طبیعت خوش مزاجی کے فرمایا تھا یا اباعبیدر ما  
 النعیم (ابو عمیر نفیر کیا ہوا) نفیر ایک چڑیا کا نام ہے جسے ابو عمیر ہاتھ میں لیے ہو  
 (سلسلہ صحیحہ گذشتہ) ہوتے فرماتے ہیں کہ مولانا یہ ”نثر کا لفظ کس زبان کا ہے اس کے معنی کیا ہیں  
 میں بھی جگہ کیا۔ قریب آبا، لفظ کو دیکھا نظم کے بعد نثر کا لفظ لکھا ہوا تھا ہمارے مرحوم دوست  
 ۱۰۰۰۔ پڑھ رہے تھے اس وقت ان کی عمر ساٹھ سے کم نہ تھی اور صبح و شام پڑھنے کے سوا کوئی  
 مشغلہ نہ تھا کہ کہتے ہیں کہ میں ”کو نفیر“ کہتے تھے یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے، آنحضرتؐ  
 اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے مسائل اور احکام کے پیدا کرنے میں علماء اسلام نے جو کوششیں کی ہیں  
 کی ایک مثال یہ روایت بھی ہو سکتی ہے کہ ہر ہے کہ ایک سچے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ  
 دہاتے تھے الکتانی نے لکھا ہے کہ ابوالعباس بن القاسم نے صرف اس حدیث سے سو مسئلے پیدا  
 کیے۔ اسی طرح ابن مبارک نامی ایک مراکش عالم کے متعلق لکھا ہے کہ چار سو فوائد اس حدیث  
 سے انھوں نے پیدا کئے دیکھئے الکتانی ص ۱۵۱ اور نفیخ الطیب ج ۴ ترجمہ ابن مبارک ۱۲

نے، غالباً اڑ گئی یا مر گئی تھی، حضور نے ان کے ہاتھ میں چڑیا کو زندہ دیکھا تو یہ فرمایا حدیث  
 جانے والے صاحب ان تفصیلات سے ناواقف تھے اور ”نعیر“ کا لفظ بھی کچھ غیر  
 ہو رہے اس لئے آپ نے بجائے نعیر کے یہ قرار دیا کہ یہ لفظ ”بعیر“ کا ہے اور  
 زردوں کو مطلب یہ سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو نعیر سے پوچھ رہے  
 ہیں، کہ اذیت کیا ہوا ان ہی صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ دوسری حدیث جس میں ہے  
 ”عجب الملائکۃ سہفۃ فیہا جس جس کا مطلب یہ تھا کہ اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں  
 باندھنے کی جو عادت عرب میں تھی اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا کہ ملائکہ کی  
 مزیدگی سے وہ قافلہ محروم رہ جاتا ہے جس کے جانوروں کے گلے میں گھنٹی (جس)  
 بحدیث صاحب نے ”جس“ کو ”خس“ پڑھا اور فرمایا کہ ریحہ کو جو لوگ قافلہ کے  
 اتار رکھتے ہیں ان کو مطلع کیا گیا ہے کہ ملائکہ کی پسندیدگی سے محروم ہو جاتے ہیں  
 جس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”البنات“ یعنی تھوک کو مسجد  
 اذہار پر دیکھا، محدث صاحب نے فرمایا کہ ”البنات“ کو دیکھا اور سب سے زیادہ  
 پپ لطیفہ الحاکم نے اس سلسلہ میں مشہور محدث ابن خزیمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے  
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ اثر جو کتابوں میں منقول ہے کہ  
 لما فی جہنم انہ دبعی حضرت عمر نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے  
 لو کیا، پڑھنے والے صاحب نے جر کے لفظ کو سر پڑھا۔ اب کیا بتاؤں کہ انہوں نے  
 پڑھا، لعنت میں دیکھ لیجئے کہ جر کے کیا معنی ہیں؟ دیکھا آپ نے بات کہاں سے  
 لیا، یہ ہے حال اس کتابت کا جس کے متعلق لوگوں نے غلط توقعات قائم کر لیتے

لطف تو اس وقت آتا ہے جب پڑھنے والے اپنی غلطی یا غلط فہمی کی تصحیح و توجیہ شروع کر دیتے ہیں ایک صاحب جن کا نام محمد بن علی المدکر تھا، غالباً غلط گوئی کا پیشہ کرتے تھے ایک حدیث پڑھی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذر عنانہما ذرا حنا

لوگ حیران ہو گئے کہ مطلب کیا ہوا؟ الحاکم نے لکھا ہے کہ تب محدث صاحب ”قص قصہ طویلہ“ یعنی ایک طویل قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ کسی علاقہ کے لوگ نے اپنی زرعی پیداواروں کا عشر اور صدقہ وا نہیں کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرتے ہوئے پہنچے کہ ہم لوگوں نے کھیتی کی لیکن سب کی سب ”حنا“ یعنی مہندی کا درخت بن گئی۔ اسی قول کو رسول اللہ نے گویا نفل کیا۔ سیوطی نے تدریب میں لکھا ہے کہ یہ دراصل مشہور حدیث

منہ ذر عنانہما ذرا حنا

ما تدر کر کے ملاقات کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

کی خرابی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کی غلطیاں ان ہی لوگوں سے صادر ہوئی ہیں یا آئندہ صادر ہو سکتی ہیں جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن المبارک نے فرمایا ہے کہ

لہدین الحدیث بشیفہم ۱۹۹

حدیث کا فن ان کا پیشہ تھا۔

مردہ علوم الحدیث الحاکم

لیکن بعض دفعہ توجیہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ جو فن کے ساتھ حاضر ہوں

۱۹۹ تدریب

رکھتے تھے، مثلاً مفسر کے قاضی ابن امیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور حدیث  
 احقر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی وغیرہ سے  
 مسجد میں ایک جگہ گھیر لی تھی۔ ابن امیہ نے سچے آنے کے اس کو "احقر" پر جاننا مسجد  
 میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپنا لگوا یا، ابن صلاح نے لکھا ہے کہ اس غلطی کی وجہ  
 یہ تھی کہ

أخذہ من کتاب بغیر سماع ابن امیہ نے اسناد سے سننے بغیر اس حدیث

مصرعہ ۱۱۲ کو کتاب میں دیکھ کر روایت کرنا شروع کیا تھا،

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حدیث مکتوبہ شکل میں ابن امیہ کے سامنے پیش ہوئی  
 لیکن زبانی اسناد سے حدیث کے الفاظ ابن امیہ نے چونکہ نہیں سنے تھے اس لیے کتاب  
 ان کو غلطی سے نہ بچا سکی اور اس کی ایک نہیں بیسیوں مثالیں محدثین نے جمع کی ہیں  
 بعض لوگوں نے اسی قسم کی غلطیوں کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں امام مسلم  
 کی کتاب التعمیز اور دارقطنی و ابوالاعلیٰ عسکری کی کتابوں کا لوگوں نے خاص طور پر تذکرہ  
 کیا ہے، ایک پر لطف قصہ اسی سلسلہ کا یہ بھی ہے ایک محدث صاحب نے عام مجمع

میں حدیث بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین  
 یشتقون الخطب واصل الخطب جس کے معنی لکڑی ہیں اس کی جگہ حدیث میں الخطب  
 کا لفظ تھا درحقیقت تقریر اور وعظ میں لفاظی سے کام لینے والوں کو خدا کی نگاہ میں آں  
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود پھیر لیا تھا لیکن محدث صاحب نے گویا یہ پڑھا کہ لکڑی  
 چیرنے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ لکھا ہے کہ وعظ سننے  
 والوں میں ملاحوں کا بھی ایک گروہ تھا، ان میں سے کچھ لوگ آگے بڑھے اور بولے کہ



فکیت نعل والحاحیہ ماسمہ آفریم لوگ کیا کریں مزدت تو کڑی چڑہنے

۱۱۵ء تدریب کی بہر حال ہوتی ہے

یعنی بے چاروں کا رند گارہی کشتی چلانے پر موقوف تھا، اور کشتی ظاہر ہے کہ کڑی چیرے بغیر کیسے بن سکتی ہے لوگوں نے یہ نہیں لکھا کہ بھر محدث بے چارے نے اس کا کیا جواب دیا تعجب ہے کہ ابن صلاح نے اس قصہ کو ابن شاہین جیسے آدمی کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہی بے چارے کیا اس قسم کی غلطی کا تجربہ انہوں کو کرنا پڑتا ہے۔ امام احمد بن حنبل کا قول سیوطی نے نقل کیا ہے کہ

ومن يعمرى عن الخطاء والتصحيح مام غلطى يا غلط خوانى سے کون محفوظ رہ

۱۹۷۹ء تدریب سکتا ہے۔

اسی لئے میری غرض ان تصحیفی غلطیوں کے ذکر سے خود ان غلطیوں کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ان حضرات سے میرا خطاب ہے جنہوں نے اس زمانے میں حفظ اور یادداشت کی تھخیر کرتے ہوئے ”کتابت“ ”مکتبات“ کا اتنا ہنگامہ بجا رکھا ہے، کہ میں نے جیسا کہ عرض کیا ان کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب ہو جانے کے بعد پھر مشکوک نسبتاً کی گویا گمانش ہی باقی نہیں رہتی۔ حالاں کہ دونوں باتیں غلط ہیں اور صحیح بات وہی ہے کہ چیزوں کے محفوظ کرنے کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں، کام لیتے ہوئے جن احتیاطوں کی ضرورت ہے اگر ان کی پابندی کی جائے گی تو دونوں ہی ذرائع قابل اعتماد ہیں اور ان احتیاطوں سے جب لاپرواہی برتی جائے گی تو خشک و شیبہ کی گمانش دونوں میں پیدا ہو سکتی ہے، محدثین اس کو خوب سمجھتے تھے کہ محض کسی چیز کا قید کتابت میں آجانا، اس کو قابل اعتماد بنانے کے لئے قطعاً کافی نہیں ہے۔ لکھنے کے بعد اسی لئے ہمیشہ اپنے



بنیاد دھڑکی کی گئی کہ ابتدائی عہد میں حدیثوں کے چونکہ صرف زبانی یاد کرنے کا رواج تھا اور ان کے قلمبند کرنے کا خیال بعد کو کئی صدی کے گزرنے کے بعد پیدا ہوا۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلا گیا کہ حدیثوں کا موجودہ ذخیرہ جو کتابوں میں ہے قطعاً کسی حیثیت سے قابل اعتماد نہیں ہے اسی کا نام بناء الفاسد علی الفاسد ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان میں ہر مقدمہ فاسد اور محض ایک خود تراشیدہ فرض ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ ابتدائی صدیوں میں حدیثوں کے قلم بند ہونے کا افشاء صرف افسانہ ہے اور کبھی تو اس سلسلہ میں صرف عہد صحابہ کی چیزیں پیش کی گئی ہیں بعد کے قصبے تو انشاء اللہ آپ آئندہ سنیں گے اسی طرح کتابت کی اتنی غیر معمولی اہمیت اور حفظ و یادداشت کی حد سے گزری ہوئی تھی تو میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، واقعات سے ان کا کچھ بھی تعلق ہے؟ نہ صرف گزشتہ تجربے بلکہ رفتہ رفتہ مرہ کے مشاہدات سے جو بات صحیح ثابت ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ یہ دونوں ذریعے معمولاً کے محفوظ کرنے کے طبعی طریقے ہیں، ان میں سے جس ذریعہ کو ذمہ داریوں کی تکمیل کرتے ہوئے لوگ اختیار کریں گے اور جس حد تک اختیار کریں گے، اسی حد تک اعتماد کے حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوں گے اور صحتی زیادہ لا پر دائیوں سے کام لیا جائے گا اعتماد اور بھروسہ بھی اسی نسبت سے کم ہوتا چلا جائے گا۔

تفصیل تو آگے آئے گی، سردست بطور دعویٰ کے اتنا تو بھر بھی اسی قدر کہہ دینا چاہتا ہوں۔ اور شاید پہلے بھی میں نے کہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار و رفتار، سیرت و کردار عادات و اطوار تین مختلف راہوں سے منتقل ہوئے ہوئے پہلی سنوں سے پھیلی سنوں تک پہنچے ہیں یعنی تعامل روایت و کتابت، تعامل اور تواتر کی راہ سے منتقل ہونے والی چیزوں کا تو پوچھنا ہی کیا، کہہ چکا ہوں کہ جو

راہ سے قرآن کی منتقلی اگلوں سے پھیلوں میں ہوئی چلی آرہی ہے۔ اسی راہ سے جو چیزیں منتقل ہوئی ہیں، ان میں شک و شبہ کی بجائے گمان ہی کیا ہے، البتہ صرف روایت اور کتابت کی راہوں سے جو چیزیں منتقل ہوئی ہیں قطعیت میں ان کی یہ کیفیت تو نہیں ہے جو نوامش اور توازن کی راہ سے منتقل ہونے والی چیزوں میں قدرتا پیدا ہو جاتی ہے لیکن آپ کو یہ یقین دلانا ہوں کہ اس نوعیت کی چیزیں بھی، یہ عجیب بات ہے کہ ابتداء عہد اسلام سے اس وقت تک جب کتابیں مدون ہو کر متواتر ہو گئیں عموماً کتابت و روایت کی دونوں راہوں سے ساتھ ساتھ وہ منتقل ہوئی چلی آرہی ہیں اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ روایت کی کوتاہیوں کی تلافی کتابت سے اور کتابت کی کوتاہیوں کی تلافی روایت سے ہوئی چلی گئی۔ محدثین جانتے تھے کہ ان میں سے کسی ایک طریقہ پر قناعت کر لینے کے بعد باہمی کوتاہیوں کی تلافی ایک دوسرے سے جو ہو رہی ہے، یہ فائدہ جانا رہے گا۔ مگر تجلیہ الفاظ کے نہ سننے کی وجہ سے دیکھا جا رہا تھا کہ جو لوگ صرف لکھی ہوئی حدیثوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں اس قسم کی فاحش غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کے جذباتوں کا ابھی آپ ذکر سن چکے نہ صرف عوام بلکہ فن سے تعلق رکھنے والوں کو بھی یاد گیا کہ ان غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور کبھی غلطیاں؟ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن لکھتے ہوئے ایک کاتب صاحب آیت فرموسیٰ صحتاً پر جب پہنچے تو ٹھٹھک کر فرماتے ہیں، میں یہ کیا؟ میں نے ہمیشہ لوگوں کو دیکھا کہ خز عیسیٰ کا ذکر کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیش رو کاتب نے غلطی سے بجائے ”عیسیٰ“ کے ”موسیٰ“ لکھ دیا آپ نے قرآن میں بھی اصلاح دی، اور اصلاح کے بعد لوگوں سے اس کی داد بھی چاہی کہ وقت پر عیسیٰ کا مجھے خیال آگیا۔ درودِ رد میں ممکن تھا کہ میرا فہم بھی ”موسیٰ“ ہی لکھتے ہوئے آگے نکل جاتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ

واقع میں یہ واقعہ پیش بھی آیا ہے۔ لیکن خطیب نے اپنی متصل سند کے ساتھ حدیث کے متعلق یہ قہقہہ جو نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ میں پہلے تو تعلقات اچھے تھے لیکن بعد کو دونوں کے درمیان کچھ سوء مزاجی پیدا ہو گئی، پھر عید کی نماز میں اذان اور اقامت کے مسئلہ کا ذکر ہے، یہاں جس چیز کا ذکر مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ کے تعلقات پہلے اچھے تھے اسی مفہوم کو عطا واقعہ کے راوی نے عربی کے ان الفاظ میں ادا کیا تھا کان الذی ینھیما حسنہما دونوں کے تعلقات اچھے تھے)

مگر جیسے ”قر“ کے لفظ کو دیکھ کر قرآن کے کاتب صاحب کا ذہن بجائے حضرت موسیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طرف منتقل ہو گیا تھا، اسی طرح عطاء کے مذکورہ بالا الفاظ میں ”حسن“ کا جو لفظ تھا یہ سمجھ کر کہ ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ کا جب تذکرہ ہو رہا ہے سُننے والے کا ذہن امام حسن علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا، اور اہل بیت کے ساتھ نیاز مندی کے تعلقات کو ظاہر کرنے کے لئے جو ش عقیدت میں ”حسناء“ کے لفظ کے بعد علیہ السلام کا اضافہ کر دیا گیا ہے کہ اس غلطی میں مبتلا ہو جانے کی وجہ یہی نہ ہوئی کہ لفظ صرف مکتوبہ صورت میں سامنے آیا درہ روایت کی راہ سے بھی یہی لفظ ان کے کان میں گر پڑتا تو اولاً بجائے ”حسن“ کے ان کا کان اس لفظ کو ”حسن“ کی شکل میں مستحکم ہو بھی کچھ کھٹکا دل میں رہ جاتا تو پوچھ سکتے تھے کہ اس کا مطلب کیا ہوا، استاد سامنے ہوتا تو بتا دیتا لیکن صرف کتابت پر بھروسہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے جا رہے امام حسن علیہ السلام کو ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کے درمیان کچھ کھینچ کر لے آئے۔

جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ تفصیل سے یہ بتایا جائے گا کہ صحیح راہ روایتوں کی

حفاظت کی یہی ہے کہ کتابت اور روایت دونوں طریقوں کو مسلسل جاری رکھا جائے تاکہ ایک کے نقص کی تکمیل دوسرے سے ہوتی رہے، اور محدثین نے یہی کیا بھی ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج تو لوگ کتابت ہی کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں، اور روایت کی کوئی اہمیت دلوں میں باقی نہیں رہی ہے۔ لیکن یہ ان کا حال ہے جن بے چاروں کو اس قسم کی چیزوں کے تجربہ کرنے کا ذاتی طور پر موقع نہیں ملا ہے۔ درہ محدثین اپنے طویل تجربوں کی بنیاد پر اس زمانے میں اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ کسی چیز کے متعلق ان دونوں ذرائع میں سے کسی ایک ہی ذریعے کے اختیار کرنے کا موقع آجائے تو وہ سمجھتے تھے کہ نتائج کے لحاظ سے روایت کے طریقہ میں صحت کی توقع بہ نسبت کتابت کے زیادہ ہے۔ نقد رجال کے امام جلیل علی بن مدینی اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ

حافظ متقن احب الی من اصل      حدیثوں کو زبانی یاد رکھنے والے جنہوں نے  
 غیر متقن      علیہ کفایت      اتفاق اور بیدار دماغی کے ساتھ یاد کیا ہو  
 میرے نزدیک حدیث کے ایسے نسخے سے  
 بہتر ہیں جن کے لکھنے میں زیادہ توجہ کی گئی

حافظ کے ساتھ ”متقن“ کا لفظ ابن مدینی نے جو بڑھا یا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی چیز کے یاد کرنے میں جن اعتبارات کی ضرورت ہے، ان کی ذمہ داریوں کا محسوس کرنے والا ہو، اور زیادہ کرتے ہوئے ان کا پورا پورا خیال رکھتا ہو وہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایسا حافظ اور زبانی یاد رکھنے والا میرے نزدیک اس کتاب اور نسخے سے بہتر ہے جس کے لکھنے میں اتفاق کا خیال نہ کیا گیا ہو، یعنی لکھنے والے نے لا پرواہیوں سے کام لیا ہو۔

خیال تو کیجئے یہ تو خیر حدیث کا معاملہ ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ روایت کس حد تک صحیح ہے، کسی معمولی آدمی کا بیان ہوتا تو کم از کم میرے لئے اس کا بادر کرنا آسان نہ تھا، بہر حال دارقطنی کی ”کتاب التصحیف“ سے سلویطی نے تدریب میں نقل کیا ہے کہ ایک مشہور عالم تفسیر پڑھا رہے تھے، جب سورۃ یوسف کی آیت ”جعل السفایہ فی رحل اخیه“ پر پہنچے جس کے معنی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سفری سامان میں شاہی پیمانے کو رکھوا دیا لیکن معسر صاحب نے اسی آیت کو تلاوت کرتے ہوئے پڑھا کہ ”جعل السفینۃ فی رحل اخیه“ یعنی بجائے شاہی پیمانے کے یہ مطلب ہوا کہ حضرت یوسفؑ نے ”کشتی“ اپنے بھائی کے ساز و سامان میں لکھوا دی۔ سنئے والوں نے جنہیں قرآنِ زبانی یاد تھا، اور نہ بھی یاد ہو، اتنا ایسی فاحش غلطی پر کون عسبر کہ سکتا تھا، بہر حال جب پوچھا کہ لفظ ”السفینۃ“ نہیں بلکہ ”السفایہ“ ہے تو ملاحظہ فرمائیے اس دیدہ دلیری کو اللہ علم کے فتنے سے آدمی کو محفوظ رکھے کہ بجائے غلطی کو مان لینے کے فرماتے ہیں۔

”کہ یہ عاصم کی قرآن ہوگی، اور میرے بھائی قرآن کو ان کی قرأت پر نہیں پڑھتے ہیں“

دیکھا سر اپنی غلطی کا ان کو احساس ہوا۔ لیکن پڑھنے والوں کے سامنے رسوائی نہ ہو، ایک بات بنادی گئی، اسی کتاب کے حوالے سے یہ کبھی نقل کیا ہے کہ سورۃ ”الم تر“ کیف فعل رکب باصحاب الغیل ”جس کا نام سورۃ نزل ہے ان ہی صاحب نے پڑھا ہے تو الم تر کے شروع میں جو ”الم“ ہے۔ اس کو سورۃ لقرہ کے ابتدائی حروف الف لام میم کیف فعل رکب پڑھ دیا تھا۔

لے تدریب الراءى ص ۱۹۷ لے ایضاً

آپ دیکھ رہے ہیں خدا نخواستہ اگر قرآن کے معاملہ میں صرف ”کتابت“ ہی پر  
 بھروسہ کر لیا جاتا۔ اور کتابت کے ساتھ بانی یاد کرنے کا دستور مسلمانوں میں شروع سے  
 مروج نہ رہتا۔ تو جس توڑ تازہ حال میں اس وقت قرآن پڑھا جا رہا ہے کیا پڑھا جاسکتا  
 تھا اعلیٰ الخصوص اسلام کے ابتدائی دلوں میں جب عربی حروف خصوصاً جن کی شکلیں باہم  
 ملتی جلتی تھیں مثلاً ج ح خ د ذ ص من وغیرہ میں نقاط کے ذریعہ امتیاز کا طریقہ بھی جاری نہ  
 ہوا تھا۔ گو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حلقہ خاص کے آدمی ابوالاسود دہلی نے عہد  
 صحابہ میں ہی نقاط کے ذریعہ ان مشتبہ حروف کی شناخت کا طریقہ ایجاد کر کے مسلمانوں میں پھیلا  
 دیا تھا لیکن جب تک نقاط کا یہ طریقہ ایجاد نہ ہوا تھا، ان مشتبہ حروف میں تمیز کے لئے لوگوں کو  
 ملہ دہلی کی وفات ۱۷۷۹ء میں ہوئی ہے۔ اس لئے یہ کام ۱۷۷۹ء سے بہت پہلے پورا ہو چکا تھا بعض لوگ  
 حجاج کے مراس کا سہرا باندھتے ہیں لیکن میرے نزدیک بنی امیہ کے سیاسی مکار کا ایک جز یہ بھی ہے  
 ان ہی سیاسی اغراض کے تحت قرآن کا جامع حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشہور کر دیا تھا حالانکہ وہ  
 کی یہ قطعاً غلط تعبیر ہے حضرت عثمانؓ کو کام قرآن کے متعلق صرف اس قدر ہے کہ لکھنے کی مدد تک آپ نے سارے  
 مسلمانوں کو قرآنی لہجے کے مطابق شکل پر جمع کر دیا تھا اور نہ پڑھنے میں بھر بھی آزادی تھی اور وہ کسی کے بس کی بات  
 تھی بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کو جامع الناس علی القرآن فی الکتابۃ کہا جاسکتا ہے بہر حال میری تحقیق یہی ہے  
 کہ نقطہ اندازی کے جس مسئلہ کو حجاج کی طرف منسوب کر دیا ہے، روایات کی تنفیص و تحقیق سے اس کی تردید دہلی  
 ہے۔ درحقیقت اس کے مؤید بھی ابوالاسود دہلی تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خاص آدمی تھے۔ خو کے  
 ابتدائی کلیات ابوالاسود ہی نے حضرت علیؓ سے سیکھے تھے۔ ان امد کی تفصیل مذکور قرآن کی تائید  
 میں ملے گی جسے میں کچھ چکا ہوں لیکن طبع نہیں ہوتی ہے کچھ بھی ہو حجاج ہی کو اگر قرآنی حروف کے  
 نقاط کا بانی مانا جائے تو جب بھی یہ کام عہد صحابہ ہی میں سمجھا جاسکتا ہے کہ انجام پایا۔ حجاج کے زمانے  
 میں کثرت صحابہ موجود تھے ۱۲



کتنی دشوار ہاں اٹھانی پڑتی تھیں، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کوئی طریقہ ان حروف میں تمیز کا پایا جاتا تھا جسے نقش کہتے تھے ابصار اور درزبانی کے والد سے حضرت معاویہؓ کی روایت کتابوں میں جو نقش لگائی گئی ہے اسے ملاحظہ کیجئے (تدریب ص ۱۵۱) لیکن پھر بھی کوئی کئی اطمینان بخش طریقہ ان حروف کی شناخت صحیح کا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شذوذ میں نہ تھا مکملہ لوگ اپنی ذاتی تخیروں سے کام لیا کرتے تھے الذہبی نے عبد اللہ بن ادریس کے تذکرے میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی سند میں ابوالجور اہنام جب آباؤ اجداد اس کا ہوا کہ میں ابوالخزاع، نہ پڑھا جاتے اس لیے اپنی ذہنی اشارے کے لیے میں نے اس کے نیچے ”حرفین“ کا لفظ لکھ دیا جس سے معلوم ہوا کہ علاوہ نقاط کے بعض دوسرے طریقے بھی ان حروف میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے لوگ اختیار کرتے تھے۔

بہر حال کچھ بھی ہو اس میں شبہ نہیں کہ نقاط کا طریقہ جب تک ایجاد نہ ہوا تھا اس وقت تک مکتوبہ تیزوں کا صحیح پڑھنا اور کبھی دشوار تھا یہ تو حفظ اور یادداشت کے طریقہ سے قرآن کے محفوظ کرنے کی کراہت ہے کہ سجد اللہ اس کے کسی لفظ کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہ یہ عجیب بات ہے کہ ذہبی نے ابن ادریس سے اس قول کو نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ قلت لعمریک تھمل ان شکل بعد ص ۱۷۱ ج ۱۔ یعنی اس وقت نقطوں کا طریقہ هنوز ایجاد نہ ہوا تھا لیکن میری سمجھ میں ذہبی کی یہ بات نہ آئی قطع نظر اس سے کہ عہد نبوت ہی میں نہیں امتیازی طریقہ کا جبہ جتنا ہے بلکہ نقطہ وہاں بھی نقاط ہی کا استعمال کیا گیا ہے دیکھئے رقص والی روایت حضرت معاویہؓ کی تاہم آٹا تو بہر حال مسلم ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف اول ہی میں خواہ ہونے کو سمجھنے یا سمجھ نہ سکیں اس کے اشارے سے سمجھنے لفظوں کا روانہ عمومی طور پر پہلے جاتا تھا پھر ابن ادریس جو دوری صدی کے عالم ہیں اس میں ان کی وفات ہوئی ہے ان کے متعلق یہ لکھنا کہ اس وقت تک نقطوں کا روانہ نہ ہوا تھا اور شکل سے اگر حركات زیر و زبر مراد ہے تو اس کی یہاں ضرورت نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ نقاط کی وسیع کے باوجود بھی اشتباہ کا اندیشہ رہ جاتا تھا یہ محض غرض کی احتیاط کی انتہا بھی کہ نام تک کی محنت کے لئے اتنی زانگوں سے کام لیتے تھے۔ ۱۲

پیدا نہ ہوا قرأت کے اختلافات عموماً انہوں کے اختلافات ہیں یا اس کے دوجہ دوسرے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں سمجھ لیا گیا ہے اگر بالکل بھروسہ صرف کتابت کے طریقہ پر کر لیا جاتا تو حدیث تو حدیث میں سمجھنا ہوں کہ قرآن تک کے لئے وہ کتنا بڑا فتنہ بن سکتا۔ تدوین حدیث کی تاریخوں میں لوگ اس قسم کے مبالغہ کا ذکر جو کرتے ہیں کہ فلاں صاحب نے سفیان زوری کو سفیان زوری پڑھا، یا خالد الخداع کو عبد اللہ بن عمر اور الحسن کے لفظ کو تحبیر پڑھ دیا تھا۔ حتیٰ کہ الحاکم نے لکھا ہے کہ ایک صاحب میرے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے حدیث کی سند کے راوی رقیہ بن مصفلہ کو رقیہ بن مصفلہ پڑھ دیا، تو ہم لوگوں میں آئندہ وہ رقیہ ہی کے نام سے پکارے جانے لگے اور یہی نام ان کا مشہور ہو گیا (دیکھو معرفۃ علوم الحدیث طحاکم ۱۵۷ء) لیکن یہ غلطیاں تو حدیث میں اور حدیث میں بھی سند کے راویوں کے نام میں لوگوں میں لگی تھیں۔ حکیم الامت مرشد تھانوی

ؒ خدا جانے جلال الدین سیوطی نے یہ بات کہاں سے نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دالی مصر کے نام جس خط کی وجہ سے فتنہ کا آغاز اسلام میں ہوا بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصلی خط میں لکھا ہوا تھا کہ جب عامل خطبہ اٹھتا ہے اس سے پہلے تو اس کی بات کرنی چاہیے۔ اسی قبل کجیو کے مفہوم کو عربی میں ”ناقلوہ“ کے لفظ سے ادا کیا گیا تھا لیکن فتنہ پردازوں نے اس کو ”فاقلوہ“ بنا دیا، یعنی نقل کر دیجیو۔ اسی کے بعد اسلام میں وہ فتنہ اٹھا جو بعد نہ دبا۔ دیکھو تدریب ص ۱۵۱ اگر یہ واقعہ ہے تو فتنہ عثمانی کی تاریخ کی بنیاد ہی بدل جاتی ہے ۱۲۔ سہ جامع عثمانیہ کے اساتذہ میں ہمارے ایک بڑے فاضل رفیق تھے لیکن عربی الفاظ کے تلفظ میں غیر محاط تھے حتیٰ کہ لایق کے لفظ کو جب انہوں نے لایق ہی ایک بھری مجلس میں پڑھ دیا تو اس دن سے ایک خاص مجمع میں ان کو لوگ مولانا ”لایق“ ہی کہا کرتے تھے آخر بچاڑے باقی نہ رہے وفات ہو گئی۔

قدس اندسرہ العزیز نے اپنے وعظ میں ایک دفعہ بیان کیا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں سے کسی صاحب نے بغیر اساد کے خود قرآن کی تلاوت کرنی چاہی، قرآن کھولا پہلی صورت جس پر نظر پڑی اس کی ابتداء الکر سے ہوئی تھی عربی خط میں یہ کچھ اس طرح لکھا ہوا تھا کہ تعلیم یافتہ صاحب نے اس کو ”آلو“ پڑھا غالباً اس پر مسرور بھی ہوئے ہوں گے کہ ہماری دینی کتاب بتانی حقائق سے لبریز ہے کھولنے کے ساتھ کھانے کی ایک چیز سامنے آگئی۔ آگے خیال کر لیا ہوگا کہ اسی آلو کے بونے کاشت کرنے پکانے کے طریقوں پر بحث کی گئی ہوگی، امنوس ہوا ہوگا کہ ملاؤں نے اس بہترین کتاب کو صرف خشک دین اور حبت و دوزخ کے تذکروں کی یادداشت بنا کر چھوڑ دیا ہے۔

گو بات بہت بڑھ رہی ہے لیکن کیا کیا جائے میں نے تو جو کچھ لکھا ہے ان مقالات اور مباحث کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے جو کتابت کو ہر مرنے کی دو یقین کرتے ہوئے اس پر داویلا بجا رہے ہیں کہ حدیثوں کو بجائے کتابت کے اتنے دنوں تک حفاظ حدیث کے مافظوں کے سپرد کیوں کر دیا گیا۔ خود یہی سمجھے بیٹھے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی سمجھانا چاہتے ہیں کاش حدیثوں کے زبانی یاد کرنے کا یہ طریقہ ابتداء اسلام میں اگر جاری نہ ہوتا اور صرف کتابت پر بھروسہ کر لیا جاتا تو بدگمانیوں کے جو بھہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق ان کے دماغوں میں اٹھ اٹھ کر خفقان پیدا کرتے رہتے ہیں ان کی تولید اور بیدائش کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی

۱۔ اس زمانے میں طنطاوی جوہری کی تفسیر جس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے، اسی بنیاد پر اس کو خاما حسن قبول حاصل ہوا ہے تسلیم یافتہ طباقوں میں بڑی تعریف اس کتاب کی سنا جاتا ہے کہ مہر ہی ہے۔ <sup>المختار</sup> <sub>المختار</sub>

اسی مفروضہ، خود آفریدہ واقعہ کو بزگوں برہن و طعن کا ذریعہ بھی بنالیا گیا ہے، اور اسی کو منہیں کر کے ”اسوہ حسنہ نبویہ“ جو مسلمانوں کی زندگی کے لئے شمع راہ کا کام دے رہا تھا، اس شمع ہی کو بجھا دینے کی کوششوں میں ایڑی چوٹی کا زور خبیث کیا جا رہا ہے۔ صرف قرآن، قرآن کے سوا کچھ نہیں اسی کا جھنڈا بلند کر دیا گیا ہے، کتابوں کے طومار کے سوا مختلف کھبیسوں میں ماہوار رسالے نکالے جا رہے ہیں اور قرآن بھی وہ جس کے پڑھنے والوں کو اللہ کی عطا اس میں ”الو“ لکھا ہوا نظر آتا ہو آپ ان بانیہ طامات کے کوہ پیکر گنہوں کو دیکھتے رہ معلوم ہوگا کہ میں نے تو ابھی کوئی پوٹلی بھی تیار نہیں کی ہے۔

خیر اب اس قصے کو ختم کیجئے انصاف سے کام لینے والوں کے متعلق صحیح توقع ہے کہ اس سلسلہ میں واقعات کی جو روشنی جہاں کی گئی ہے اس روشنی میں وہ اس نتیجہ تک پہنچ چکے ہوں گے کہ یاد کر کے کسی چیز کو محفوظ کرنا یا لکھ کر اس کو محفوظ کر دینا دونوں میں چنداں فرق نہیں ہے، سب سے اچھا طریقہ تو یہی ہے کہ حفاظت کے ان دونوں ذرائع سے کام لیا جائے اور جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ قرآن ہی کی حد تک نہیں بلکہ حد نبیوں کے متعلق بھی شروع ہی سے اسی طریقہ کو سارے اسلاف نے اختیار کیا ہے لیکن اسی کے ساتھ لڑیگوں کو اس کا اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ حفاظت کے ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک ہی طریقہ کو کسی وجہ سے اگر اختیار کیا جائے یا ان دونوں میں سے کسی ایک ذریعہ سے کام لیا جائے تو ایسی صورت میں حفظ اور یاد کرنے کے تسلسل کو جاری کرنا یعنی ہر پہلی نسل خود یاد کر کے آئندہ نسلوں کو یاد کرتی چلی جائے تو مختلف وجوہ سے کثابت اور قلم بندی کے لحاظ سے حفظ اور یاد کرنے کا طریقہ

زیادہ اسلم داعلم ہے۔ چیزیں اپنی شکل و صورت خط و خال کے ساتھ محفوظ ہیں اس اعتماد کی جتنی ضمانت اس طریقہ میں ہے، صرف کتاب میں اس اعتمادی اطمینان کو آدمی کی فطرت مشکل ہی سے پاسکتی ہے۔ میری مذکورہ بالا گفتگو کا آخری خلاصہ یہی ہے، یہی وہ ہے کہ دید کے متعلق البیردنی کی اس تاریخی شہادت کو پیش کرتے ہوئے کہ ہندوستان میں جس وقت البیردنی آیا ہے، اس سے کچھ ہی دن پہلے کشمیر کے ایک نپڈت نے دید کے اشوکوں کو قلم بند کیا تھا ورنہ اس سے پہلے خواہ جتنا بھی زمانہ گزرا ہو، اس کتاب کی حفاظت کا سارا دار و مدار یاد کرنے والے نپڈتوں اور برہمنوں کی یاد پر تھا میں نے عرض کیا تھا کہ دید پر اور جن پہلوؤں سے بھی نکتہ چینی کی جائے لیکن صرف اتنی بات کہ اتنے زمانہ تک جو کتاب قید کتابت میں نہ آسکی اس کے ماننے والوں کے اعتماد کو مصنف کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے آخر یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ جیسے قرآن کو زبانی یاد کرنے کا دستور تیرہ سائڑھے تیرہ سو سال سے مسلمانوں میں مروج ہے، اسی طرح دید کو جن لوگوں نے خدا کی کتاب مانا تھا، ان میں بھی یہی دستور جاری تھا کہ جیسا دینا کہ واقعات سے یہی ثابت بھی ہوتا ہے کہ دید کے ماننے والوں نے اپنے دھرم اور دین کی بنیادی کتاب کی حفاظت و بقا کے نفس کو زبانی یاد کرنے ہی کے طریقہ سے کم از کم ہزار پندرہ سو سال تک باقی رکھا اور کبھی ان کے قلب میں اس کا شبہ نہ ہوا کہ اتنی طویل مدت تک جو چیز مکتوبہ شکل میں نہیں رہی ہے اس کو دین کے جوہری حقائق اور اساسی عناصر کا سرچشمہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا یہی ایک واقعہ ان ساری مسود نامبارک کوششوں کو غیر فطری ٹھہرانے کے لئے کافی نہیں ہے حدیثوں کے متعلق یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ صدی ڈیڑھ صدی تک وہ قلمبند نہ ہو سکیں، بلکہ بجائے اس

کے یاد کر کے یاد کرنے والوں نے اس کو محفوظ رکھا اور ایک نسل سے دوسری نسل تک ان کو منتقل کیا آخر فطرت کا تقاضہ اگر یہی ہوتا کہ ان پر اعتماد نہ کیا جائے تو صدی ڈیڑھ صدی نہیں بلکہ کم از کم تیرہ چودہ صدیوں تک کتابی قالب سے آزاد رہنے والی کتاب دید کر دربار کرورانوں کے اعتماد کے حاصل کرنے میں کیسے کامیاب ہو سکتی تھی جو مذہب کے آخری بنیادی اور اساسی کتاب پر اس کے ماننے والوں کو ہو سکتی ہو حدیث پر بلاشبہ مسلمان اعتماد کرتے چلے آئے ہیں اور جب تک مسلمان مسلمان ہیں انشاء اللہ یہ اعتماد ان میں باقی رہے گا لیکن کون نہیں جانتا کہ تواتر و تواتر کی جس راہ سے منتقل ہوتا ہوا قرآن پہنچا ہے اسی راہ سے منتقل ہونے والی وہ ساری چیزیں جو مسلمانوں کو اپنے پیغمبر سے ملی ہیں اعتماد راسخ کا جو مقام ان چیزوں کو مسلمانوں میں حاصل ہے، بھلا اعتماد کی اس لازوال غیر متزلزل کیفیت سے ان چیزوں کے اعتماد کو کیا نسبت جن کے علم کا ذریعہ وہ حدیثیں ہیں جنہیں اصطلاحاً خبر احاد کہتے ہیں یعنی صحاح وغیرہ کتابوں کی عام حدیثوں کی جو نوعیت ہے اور اس وقت میری بحث کا تعلق دراصل حدیثوں کے اسی ذخیرے سے ہے آپ اصول فقہ کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو قریب قریب یہی مضمون مختلف الفاظ میں ملے گا۔ مثلاً صاحب کشف بزدوی نے لکھا ہے کہ

مَنْ سَوَّاهُ بِالْكِتَابِ وَالسَّنَةِ	قرآن اور سنت متواترہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو باقی تواتر کی راہ سے)
الْمُتَوَاتِرَةُ فَقَدْ اخْطَا فِي رَفْعِهِ	منسوب ہیں، ان دونوں کے برابر جو ان
عَنْ مَزَلَّتْهُ وَوَضَعَ الْأَعْلَى عَنْ	حدیثوں کو سمجھتا ہے جنہیں خبر احاد کہتے ہیں
مَزَلَّتْهُ ۖ كَشَفَ	

اس نے دو غلطیوں کا ارتکاب کیا، یعنی خبر  
 اعداد والی حدیثوں کا جو واقعی مقام اور مرتبہ  
 ہے اس مرتبہ سے ان کو اس نے بلند کر دیا  
 (یہ پہلی غلطی ہوئی) اور دوسری غلطی یہ ہے  
 کہ کتاب وسنت متوازنہ کو ان کے مقام  
 سے اس نے گرادیا۔

بلکہ ایسی حدیثیں بھی جو اپنے بیان کرنے والوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے قویٰ  
 کی درجہ تک نہ پہنچی ہوں لیکن پھر بھی انکی سندوں تک انھیں عام شہرت حاصل رہی ہے  
 اصطلاحاً جس کا نام حنفیوں نے خبر مشہور رکھا ہے، ان تک کے متعلق شمس الائمہ حنفی  
 نے لکھا ہے کہ

ان جاحدہ لا یلفظ بالافتاق      اس قسم کی مشہور حدیثوں کے منکر کو کافر نہیں  
 کشف مضمر      بھرایا جاسکتا یعنی اس پر کنز کا فتویٰ امدیہ  
 کہ درازہ اسلام سے وہ خارج ہو گیا یہ حکم  
 نہیں دگایا جاسکتا۔

اور جب ان کا حال یہ ہے تو درجہ میں ان سے جو حدیثیں فروتر ہیں یعنی احادیث  
 خبریں ظاہر ہے کہ ان کے ماننے نہ ماننے پر مسلمان ہونے نہ ہونے کا دار و مدار کیسے  
 قائم ہو سکتا ہے۔ اسی لئے سمجھا جاتا ہے کہ اس قسم کی حدیثوں سے جو راہ نمایاں ہو  
 آتی ہیں خواہ بجائے خود وہ کتنی بھی قیمتی ہوں لیکن! میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ ہے کہ  
 لا یغایب تبرکھا الا تھا لیست      ان کے چھوڑنے پر چھوڑنے والے کو سزا نہیں

بقریضۃ ولا واجبۃ کشف منہا ۲۱ دی جائے گی، کیونکہ رجوع احکام احادیثوں

سے پیدا ہوئے ہیں، وہ نہ فرض ہوتے ہیں

اور نہ واجب

اور یہ حکم تو ان کا ہے جو ان حدیثوں کو مانتے ہیں لیکن ان پر عمل کی توفیق سے محروم ہیں، باقی مسلمانوں میں ایک گروہ مثلاً معتزلہ وغیرہ جو یہ کہتے تھے کہ ایسی حدیثوں کا کیا اعتبار جن کی خیر معدودے چند آدمیوں نے دی ہو، یعنی سرے سے خبرِ حاد کی افاد کے جو شکر ہیں، ان کے متعلق بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے، جیسا کہ صاحب کشف نے نقل کیا ہے کہ

فقد ضلّ سواء السبیل ص ۳۲۲ سیدھی راہ سے وہ بھٹک گیا،

در حقیقت ان پر وہی بات صادق آتی ہے جسے فخر الاسلام بزدوی نے اپنی تبلیغ فقرے میں ادا کیا ہے کہ

هذا رجل مسفيه لم يعرف نفسه یہ دراصل ایک بے وقوف آدمی ہے، اپنے

ولادینہ ولادیناک ولا امہ آپ کو بھی یہ نہیں پہچانتا، نہ اپنے دین کو نہ دنیا

ولا اباء ص ۳۷۹ کو، نہ اپنی ماں کو نہ اپنے باپ کو

بہر حال کچھ بھی ہو، میں کہنا چاہتا ہوں کہ محض زبانی یادداشت کی شکل میں رہنے کی وجہ سے جب دنیا کی کوئی منطق اعتماد کی اس چٹان کو ہلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی جو مذہب کے بنیادی حقائق اور اساسی عناصر پر انسانی فطرت عموماً رکھتی ہے تو بتایا جائے

۱۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ فخر الاسلام غفہ میں کچھ دشنامِ ہرازی برآئے مگر واقعہ کے انہار کی شکل ہی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے مطلب ان کا یہ ہے کہ واقعیت پسندی میں معنوں کا یہی مذاق حد جنوں تک پہنچانی چاہیے



کہ حدیثوں کا عام ذخیرہ جس سے پیدا ہونے والے نتائج کی حیثیت مسلمانوں کی دینی

(بسیار مضبوط گذشتہ) جاتا ہے اور اسی لئے ان چیزوں کے سوا جنہیں ان کی آنکھوں نے دیکھا ہو، کانوں نے سنا ہو، الزم اپنے حواس کے معلومات کے سوا دوسروں کی دی ہوئی خبر صرف اس لیے کہ وہ خبر ہے اور ہر خبر میں بچ ہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹ ہونے کی بھی جوں کی گنجائش ہوتی ہے اس لئے خبر سے کہتے ہیں کہ کسی واقعہ کا علم ہو ہی نہیں سکتا، خواہ خبر دینے والا کوئی ہو، کسی قسم کی خبر دے رہا ہو، کسی حال میں دے رہا ہو، اور اپنے اسی دوسرے کو یہ لوگ ایک قسم کا فلسفہ زرار دے کر ان حدیثوں کا بھی انکار کرتے ہیں جن میں ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل وغیرہ کی خبر دی جاتی ہے فخر الاسلام کا خطاب اسی قسم کے دوسو سیوں سے ہے کہ دنیا کے معاملات کا تو ظاہر ہے کہ زیادہ تر خبروں ہی پر دار مدار ہے آج اگر اس اصول کو مان لیا جائے کہ خبروں سے واقعات کا علم نہیں حاصل ہو سکتا تو کیا کوئی بے چارہ ناجز تجارت کر سکتا ہے خبر ہی سے تو اس کو معلوم ہو کہ ہے کہ فلاں چیزیں فلاں جگہ ملتی ہیں، خبر ہی سے اس کو واقفیت ہوتی ہے کہ مال اس کا روانہ ہو گیا ہے یا سٹیشن پہنچ گیا ہے، اور ایک ہی کیا نہنگی کے سارے شعبوں کا یہی حال ہے اگر آدمی اس قدر خشکی ہو جائے تو چیرا سی کو اس کا اصرار یہ حکم دے کر بھیجے کہ فلاں صاحب کو بلاؤ چیرا سی خبر دے کہ صاحب آپ کہلاتے ہیں، اس خبر کو سن کر کہنے والا کہنے لگے کہ تو خبر دے رہا ہے خبر جھوٹی بھی ہوتی ہے اور سچی بھی اس لیے تجھے تیری خبر سے کسی قسم کا علم حاصل نہ ہوا یہ فرماتے ہوئے اگر ان کے چیرا سیوں کو جو دابیں کرتا رہے گا آپ ہی خیال کیجئے کہ بالکل غلطی کی چار دیواری میں داخل ہونے سے کب تک بچارہ سکتا ہے، دنیا کو جانے دیجئے آپ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں گھر سے میں پانی ہے پوچھتے ہیں کہ پانی پاک ہے توذن خبر دیتا ہے کہ جی ہاں پاک ہے آپ خبر زرار دے کر اس کی خبر کو مسترد کر دیتے ہیں آگے جانا زرار دے کیا پاک ہے پھر وہی خبر آپ کو ملتی ہے کہ پاک ہے امام آگے جوتا ہے کہتا ہے کہ میں بادھو ہوں میرے پیرے پاک ہیں لیکن آپ ہر خبر کو خبر ٹھہرا کر اس سے علم پانے سے انکار کر رہے گئے تو کیا ایک وقت کی بھی نماز آپ پڑھ سکتے ہیں؟ فخر الاسلام نے آگے جبات کہی ہے وہ یہی واقعہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کو باپوں کاں، ظاہر ہے کہ خبر دینے والوں کی خبروں ہی کی بنا پر تو یقین کرنا ہے لیکن جن کے ہاں خبر سے علم پیدا ہوا نہیں ہوتا کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اپنے باپ اور ماں کو پہچاننے کے حق سے وہ محروم نہیں ہو جاتے ہیں۔ ہر حال اس میں شک نہیں کہ خبریں کبھی جھوٹی بھی ہوتی ہیں لیکن جھوٹی اور سچی خبروں میں تمیز کا ایک قانون ہے عوام ممکن ہے کہ اس قانون کی تفصیلات سے اس لیے واقف نہ ہوں کہ وہ زیادہ سوچ بچار سے کام نہیں لیتے لیکن ہر ایک کی فطرت اس قانون کو پہچانتی ہے اور اسی کی راہ نمائی میں دین، دنیا کا کام جلتا رہا ہے محدثین نے غرور و فخر کے بعد اسی قانون کے تمام اجزاء اور عناصر کی تکمیل کی ہے آئندہ اپنے متوق پر انشاء اللہ ان تفصیلات کا تذکرہ کیا جائے گا۔ ۱۲

زندگی کی تعمیر میں صرف ثانوی عناصر و اجزاء کی ہے اس حد سے زیادہ محتاط طرز عمل پر  
 سب کشتی اور انگشت نمائی کی جرأت محض اس غلط مفروضہ کی بنیاد پر کیسے صحیح ہو سکتی  
 ہے کہ سو سو سال یعنی وقفہ کی مذکورہ بالادت جو عہد صحابہ اور مصنفین صحاح کے  
 درمیان گذری اسی میں قلم بند کر کے حدیثوں کی حفاظت کا انتظام نہیں کیا گیا تھا بلکہ حفظ اور  
 یادداشت کے ذریعہ سے سینوں سے سینوں تک اس عرصے میں یہ حدیثیں منتقل ہوئی  
 رہی ہیں، ان حدیثوں سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات کا جو سرمایہ  
 اس وقت دنیا میں پایا جا رہا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیثوں سے روٹنے والے  
 ان معلومات کے قبول کرنے سے جو گریز کی راہ اختیار کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہیں  
 اور وقتاً فوقتاً طرح طرح کی بدگمانیاں اور فنکٹیک کی شرارے معلومات کے اس مقدس سرمایہ  
 کے متعلق بے اعتمادی پیدا کرنے کے لئے فضا میں جو اڑاتے رہتے ہیں، آخوذہ چاہتے کیا  
 ہیں؟ کیا واقعی ان کی عقل اس کی اجازت دیتی ہے کہ بلا وجہ ان سب کو غلط بیانی کا مجرم  
 قرار دیا جائے جن سے حدیثوں کا یہ ذخیرہ مروی ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ کسی خبر دینے والے  
 کو محض اس لیے کہ وہ ایک واقعہ کی خبر دے رہا ہے بلا وجہ جھوٹا یقین کر لینا نہ صرف عقلی  
 افلاس بلکہ اخلاقی افلاس کی بھی دلیل ہے جس کے متعلق جھوٹ یا غلط بیانی کا آپ کو تجربہ  
 نہیں ہوا ہے خواہ وہ بے چارہ کسی درجہ کا بھی آدمی ہو، یہ سمجھ لینا کہ وہ جھوٹا ہے اور دروغ  
 بات ہے کسی حیثیت سے بھی شریفانہ فعل قرار پاسکتا ہے؟ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو  
 آپ ہی کے ساتھ کوئی اس طرز عمل کو اگر اختیار کرے اور آپ کے حالات سے ناواقف  
 ہونے کے باوجود فقط اس لئے کہ آپ نے کسی واقعہ کی اطلاع دی ہو سننے کے ساتھ  
 سننے والا تہقہہ لگا دے تو فوراً سوچئے کہ ایسے آدمی کے متعلق آپ کا دل کیا فیصلہ کرے گا؟

بھرتا یا جائے کہ ایسی صورت میں اس منہی کو عقل و دانائی کی منہی کس طرح قرار دی جائے جو آج پیغمبر کی حدیثوں سے منہ بھلانے والوں کے ہونٹوں پر نلچ رہی ہے سمجھنے والے خواہ کچھ بھی سمجھیں لیکن مجھے تو ان استحقاقی مسکراہٹوں اور استہزائی غل غپاڑوں کے نیچے سبک منزلی تنگ نظری کے سوا اور کوئی دوسری چیز نہیں نظر آ رہی ہے سنجیدگی اس قسم کی چھوڑی حرکتوں کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتی۔ مستحضر کرنے والوں کے اس گروہ نے آؤ کبھی اس کو سوچا لکھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کے ان سارے مظاہروں کی بنیاد ان کے کس اخلاق و ذلیہ پر قائم ہے کیا وہ جانتے ہیں کہ ان کو منانے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ان بزرگوں کے احترام و عظمت سے اپنے قلوب کو بلا وجہ خالی کر لے، جن کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ گذشتہ ادراک میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے یہی نہیں بلکہ ان کا مطالبہ تو شاید یہ ہے کہ جن کے متعلق سچائی اور راستبازی کے سوا اور کسی چیز کا تجربہ نہیں ہوا ہے، اچانک ان میں سے کسی ایک کو نہیں بلکہ سب کو، ہر ایک کو بلا وجہ یہ مان لیا جائے کہ غلط بیانی سے کام لیتے تھے اور جھوٹ بولتے تھے، اور ایسی چیزیں ہم تک ان بزرگوں نے پہنچائی ہیں جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہ تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ بات اسی حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی ہے خود سوچئے کہ ان حدیثوں کے مسترد کر دینے کا مطلب کیا ہوا؟ ایمانیوں کا دھی گڑھ جن کی ایمانی قوتوں اور ان قوتوں کے آثار و نتائج کا تذکرہ ابھی آپ ہم سے سن چکے ہیں، پیغمبر اور پیغمبر کے دین کے ان ہی دفا شعاروں کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ماننے کے باوجود اپنے اسی پیغمبر اور رسول کی طرف ان لوگوں نے جھوٹی باتیں قصداً منسوب کیں۔

(باقی آئندہ)

# خلیفۃ الاعظم امیر المؤمنین عبدالرحمن الناصر بن ابی اللہ

از جناب سید اقاوالحق صاحب حقّی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

لکچر تاریخ و سیاست مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

دنیا اس بات کی شاکہ اور تاریخ اس کی شاہد ہے کہ مومنین کی بے اعتنائیوں اور بے جا اعتراضات نے بہت سی قابل قدر اور اولوالعزم ہستیوں کی خدمات پر پانی پھیر دیا ہے اور جیسی کچھ ان کی قدر و منزلت ہونی چاہئے تھی اس سے انھیں محروم رکھا گیا۔ ضرورت ہے کہ ہمارے مورخ نقشب کی عینک اُٹا کر فرائضی غیر جانبداری اور پر خلوص جذبہ کے ساتھ دنیا کے ان فاتحین اور سلاطین کے کارناموں پر تحقیق و تنقید کی روشنی ڈالیں جنہوں نے اپنی عمریں تہذیب و تمدن کی ترقی، امور سلطنت کی انجام دہی، خیر و عیال کی فلاح و بہبود میں صرف کر دیں ایک مورخ کا فرض صرف یہی نہیں ہے کہ وہ نقشب سے بڑی ہو بلکہ اس کو بغور ان حالات اور تعمیرات کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے جن میں یہ واقعات پیش آئے ساتھ ہی زمانہ کی رفتار اور روش بھی مد نظر رکھنی چاہئے مثلاً اگر آج سے سات سو سال قبل کے کسی بھی فرمانروا پر قلم اٹھایا جائے تو سب سے پہلے یہ بھی دیکھا جائے کہ اس وقت دنیا کے دیگر ممالک کی کیا کیفیت اور حالت تھی۔ دو سروں سے موازنہ کرنے کے لئے معلوم ہو سکے گا کہ جس فرمانروا کے حالات قلمبند کئے جا رہے ہیں وہ واقعی کسی توفیق و توصیف کا اہل ہے یا نہیں۔

تجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یورپ کے عام مورخین اور خاص کر شارلمین کے سو رخ نگار ”مسٹر ڈیوس“ جو اس بات کے شاکی ہیں کہ مورخین وسعت قلب اور وقت نظر سے کام نہیں لیتے ہیں۔ خود بھی اس الزام سے بری نہیں۔ اپنی تصنیف میں صاحب موصوف نے ”شارلمین“ کو نہ صرف انتظام مملکت میں خلیفہ عبدالرحمن سویم پر ترجیح دی ہے بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ عبدالرحمن خون بہانے کا شائق، فنی اور متلون مزاج تھا۔ حالانکہ مشہور عرب مورخ علامہ مقرئ کی شہادت و قول کے مطابق خلیفہ عبدالرحمن تمام فرمانروایان یورپ اور اسپین میں سب سے زیادہ باخلاق، حلیم، منکسر المزاج اور روشن خیال تھا، اس کی شرافت، عالی حوصلگی، اور انصاف، ضرب المثل تھے۔ علاوہ بریں جب ہم خلیفہ کے دور حکومت پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ شارلمین برتر تو کیا اس کا ہمسر بھی نہیں کہا جاسکتا۔ خلیفہ کی شاندار زندگی اور حکومت کا مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شارلمین اس کے سامنے ایک طفل مکتب کی حیثیت رکھتا ہے زندگی کے ہر شعبہ میں خلیفہ نے ایک نئی روح بھونکی۔ اور ڈوبی ہوئی قوم کو نہ صرف ڈوبنے سے بچایا بلکہ دنیا کی تمدن ترین قوم بنا دیا۔ علم و ادب، حسن کاری، صنعت و حرفت انتظام حکومت اور زراعت و تجارت میں جا رہا زندہ لگا دیئے۔ اسپین کو معلم اخلاق اور عظیم تہذیب و تمدن بنا دیا۔ ملک کو دوست سے مالا مال کر دیا برعکس اس کے شارلمین نے نظم نسق میں کوئی خاص اصلاحات نہیں کیں۔ نہ ہی اس کے دور میں ملک نے علم و ادب یا تہذیب و تمدن میں کوئی ترقی کی اور نہ کچھ زندہ جاوید عمارات یا فنون ہی عالم وجود میں آئی ان سب کو تاہیوں اور خامیوں کے باوجود کس طرح یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ شارلمین عبدالرحمن سویم سے بلند درجہ کا مستحق ہے عبدالرحمن کی صحیح تاریخی حیثیت و مرتبت

کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ مزدوری ہے کہ اس کی تخت نشینی کے وقت ملک کی جو سیاسی فضا اور اخلاقی حالات تھے پہلے ان کا مطالعہ کریں اور پھر دیکھیں کہ جو مشکلات اور مسائل اس کے سامنے تھے ان کو وہ کس طرح اور کہاں تک حل کرنے میں کامیاب ہوا۔

اکتوبر ۱۹۱۲ء میں جب نو عمر عبدالرحمن سربراہ آتے سلطنت ہوا ملک کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی تمام ملک فتنہ و فساد کا مرکز بنا ہوا تھا اور اندلس پر بیابائی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ عبدالرحمن ثانی کے جانشینوں کی نااہلی اور آرام طلبی کی وجہ سے حکومت میں خلل واقع ہو گیا تھا اور سلطنت کی باگ ڈور خود غرض امیروں اور چالاک و چرب زبان مصاحبوں کے نالایق ہاتھوں میں آگئی تھی۔ جس کی وجہ سے ملک میں شورشوں اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور عبدالرحمن کی تخت نشینی کے وقت بھی ہر طرف لوٹ مار، بے امنی اور جھگڑوں اور فسادات کا دور دورہ تھا۔ امیر محمد کی بالسی اور خاص کر امیر عبداللہ کی تلون مزاجی نے حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا۔ امیر عبداللہ بدلتہ سنخ اور خوش گو سلطان تھا لیکن جو ہر داعی اور فوجی قابلیت سے مطلقاً عاری۔ جرات و بہادری کی کمی کی وجہ سے رعایا کے دلوں میں امیر عبداللہ کی کچھ بھی وقعت و محبت نہ تھی۔ امیر کی کمزوری اور بزدلی کے سبب فوج بد دل۔ اور اس کی عیارانہ چالوں سے عوام الناس اس سے سخت نالاں و سزاوار ہو گئے تھے۔ امیر عبداللہ ایسے ظاہری دہلیز کا حامل نہ تھا جن کی وجہ سے دوست اور دشمن اس کا احترام کرتے۔ دشمنوں پر اس کا رعب بالکل نہ تھا اس کی دو روہ حکمت علی اور بیاکاری سے رعایا اور حکام دونوں بد دل اور بدگمان رہتے تھے اور فی الحقیقت وہ شخص کیوں کر قابل اعتماد ہو سکتا تھا جس نے بھائی کو قتل کر کے تخت حاصل کیا ہوا اور جس کے ہاتھ اپنے دوستوں کے خون سے رنگین ہوں۔ اس لئے ملک

میں مستقل بدامنی قائم رہی۔ حکومت کی قوت کا انحصار دراصل رائے عامہ پر ہوتا ہے اور ریاست کی بنیادیں اسی وقت مضبوط اور مستحکم رہتی ہیں جبکہ عوام کی تائید و حمایت اس کو حاصل ہوا ہے۔ اطوار اور طرز حکومت سے امیر عبداللہ نے عوام کی تائید و حمایت کو کھو دیا تھا۔ عام بیزاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے بڑے عوبوں کے گورنروں نے امیر قریطہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر کے اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ بڑے بڑے شہر مثلاً اشبیلیہ، قادیز، طلیطلہ، حین، غناطہ۔ بلنسیہ وغیرہ جن پر دولت قریطہ کو بجا فخر و ناز تھا دارالخلافہ سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ اور سالانہ محال و خراج بھیجا بند کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے شاہی خزانہ خالی ہو گیا۔ اور قریطہ کی تجارتی منڈیاں سوئی اور برباد ہو رہی تھیں۔ فتنہ و فساد کی وجہ سے قزاقوں اور غامگوں کی موح متی ادران کی تاخت و تاراج کی وجہ سے آمد و رفت کے ذرائع غیر محفوظ اور مسدود ہو گئے تھے شہروں اور قصبوں کے باشندوں کی بھی عائن اور مال محفوظ و امن نہ تھے صرف وہی لوگ اطمینان و آرام سے زندگی گزار سکتے تھے جو قلعوں یا جزیروں میں پناہ گزیں تھے باغیوں کی ترک و تار سے شہر تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ وہ جو ازل در مردوں کو تہ تیغ کرتے اور عورتوں اور بچوں کو لوندی غلام بنا لیتے۔ اندلس کی طوائف الملوکی اور بدامنی ضرب النسل ہو گئی تھی بقول صاحب "اخبار مجموعہ" یہ بات عام طور سے مشہور ہو گئی تھی کہ "اندلس فتنہ و فساد کا مرکز بن چکا ہے، اس عام بدامنی سے وہی لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں جو قلعوں یا جزیروں میں پناہ لیں یہی شہرت تھی کہ اب یہ فساد اس طرح بڑھ چکا ہے کہ اس کے اصلاح پذیر ہونے کی کوئی امید نہیں"۔ اس وقت واقعی اندلس پر فتنہ و فساد کے بادل چھائے ہوئے تھے اور افق پر تباہی اور بربادی کے آثار کے

علاوہ امید اور خوشحالی کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی۔ منذر اور عبداللہ کی مستبدانہ حکمت علی کی وجہ سے مملکت کے مختلف فرقے اور طبقے حکومت کے خلاف ہو گئے تھے۔ اور

بن محضوں کی بیئیں سالہ تحریک بغاوت اور جہد و جہد بظاہر کامیاب ہوتی نظر آتی تھی خوشی اور غرور سے باغی بھولے نہ سماتے تھے۔ اور ان کے فخر و مباہات بجا تھے۔ کیونکہ دار الخلافہ

کی چار دیواریوں کے باہر اب ہزامیہ کا کوئی بھی حامی اور خیر خواہ نہ تھا باغیوں کے خیالات اور امیر عبداللہ کے عہد حکومت میں عربوں کی سیاسی زبوں حالی اور کس میرسی کا صحیح

نقشہ عبدالرحمن ابن احمد علی کی پر جوش نظموں میں ملتا ہے۔ باغیوں کی فرجانی کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ ”ہمارے دشمنوں کی برجھیاں ٹوٹ گئیں۔ ہم نے ان کے غرور کو بجا دکھا

دیا۔ جسے وہ ”ذلیل گردہ“ کہا کرتے تھے آج اسی گردہ نے ان کی جڑ کاٹ دی اب ایک زمانے تک ان کے مردے جن کو ہم نے کنوئیں میں پھینک دیا ہے اس کے منتظر رہیں گے

کہ کوئی ان کا انتقام لینے والا پیدا ہو۔“ اور ان کی یہ خوشی اور فخر و مباہات بجا تھے زوال و ادبار کے آثار دیکھ کر بربری قبائل میں بھی سرکشی اور خود سری کا مرض

بہر عود کر آیا تھا۔ کامیاب بغاوتوں کی دیکھا دیکھی بربری سرداروں نے بھی دولت فرطیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی خاطر شاہی احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور

اپنی قدیم عادات کے مطابق لوٹ مار کے لئے کمر باندھ لی تھی۔ جنوب مغرب کے کل علاقہ پردہ قابض تھے جہاں کا مشہور اور معروف شہر کبھی ان کے قبضہ میں آچکا تھا اور بقیہ حصہ

ملک ان کی فساد انگیزیوں سے عاجز اور پریشان تھا۔ ملک کے طول و عرض میں بغاوتوں اور شورشوں کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ اور عام طوائف الملوک کے زیر اثر نو مسلم

آبادی بھی حکومت کے مخالف ہو گئی تھی اور اس طرح مغرب کے اندخیز علاقے بنواؤتے



کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔

داخلی مشکلات و انتشار کے علاوہ امیر قزلباش کو شمال اور جنوب دونوں جانب دو طاقتور اور خطرناک دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ سب سے اہم اور نازک مسئلہ ملک کو عیسائیوں کی ماتحت و تاراج سے محفوظ رکھنا تھا۔ اسپین کے شمالی اور پہاڑی علاقوں میں پلویو اور الفاسنو کے جانشینوں نے اپنی طاقت کو نہایت ہی مستحکم اور مضبوط کر لیا تھا۔ ان میں عربوں اور مسلمانوں سے نفرت و دشمنی کا جذبہ اب بھی موجود اور پہلے سے زیادہ غضبناک تھا۔ ملک کو غیروں سے آزاد کرانے اور مسیحیت کو دوبارہ فروغ دینے کے ساتھ ساتھ سرزمین اندلس کو عربوں اور مسلمانوں کے وجود سے پاک کرنا ان کا نصب العین تھا۔ قومی عناد و حسد اور مذہبی جو خش و جنون میں وہ دیوانے اور وحشی ہو رہے تھے وہ سپاہی اور غیر سپاہی میں کوئی تفریق دیکھ نہیں کرتے تھے۔ اور نہ عورتوں اور بچوں کا خیال و لحاظ کرتے تھے۔ کسی مسلمان کو خواہ عورت ہو یا بچہ معاف کرنا ان کے نزدیک ناقابل معافی گناہ تھا۔ اور مفتوحہ علاقوں میں خون کی ندیاں بہانا، شہروں اور کھیتوں کو نذر آتش کرنا اور اب سمجھا جاتا تھا۔ قتل و غارت کے علاوہ قبروں اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی کو انھوں نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ اگرچہ عربوں نے ہر طرح کی مذہبی و عاداتی انصاف، رحم دلی اور دلجوئی کا رویہ اختیار کیا اور اندلس میں غیر مسلموں کی مذہبی عبادتوں اور عبادت گاہوں کی ہر طرح حفاظت و حرمت کی۔ ان کے حقوق اور مذہب کی حفاظت کے لیے ایک باقاعدہ حکمہ قائم کیا۔ لیکن ان سب باتوں کا ان ”دیوانوں اور وحشیوں“ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا تھا۔ عربوں کو ستانے، نیست فساد کرنے اور مسلمانوں کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے ہر ممکن طریقہ عمل اختیار کیا۔ اس وقت مقابلہ عربوں اور

عیسائیوں کا نہ تھا بلکہ تعصب اور جاہلیت کا تہذیب و تمدن سے موکہ تھا۔ اور عبدالرحمن کے سامنے صرف سلطنت و حکومت، خاندانی شرف و عزت کی حفاظت و استحکام کا ہی دستور مسئلہ و سوال نہ تھا بلکہ تہذیب و تمدن کی بقا و حیات کا اہم مرحلہ تھا۔ پروفیسر رائس ہارٹ ڈورمی کے الفاظ میں ”سوال یہ تھا کہ ان وحشی عیسائیوں کے ہاتھوں جو لکھنا پڑھنا تک نہ جانتے تھے۔ عربی تہذیب و تمدن کا جو روز افزوں ترقی پر تھا کیا درجہ ہوگا؟ ان وحشی جاہل عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ جب انھیں اپنے کھیتوں کی پیمائش کرنی ہوتی تھی تو کسی مسلمان کو ملو کر پیمائش کراتے تھے۔ اور جب لفظ کتب خانہ“ بولتے تھے تو ان کی مراد صرف ایک کتاب انجیل سے ہوتی تھی“

ایسے نازک دور میں جبکہ طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا تھا اور اطراف و اکناف میں مختلف حکومتیں قائم ہو رہی تھیں اور جبکہ بقول ابن الاثیر ”اندلس میں چاروں طرف بغاوت ہی بغاوت دکھائی دیتی تھی“ امیر قرطبہ کو اگر کسی گروہ سے کچھ مدد اور تعاون کی امید ہو سکتی تھی تو وہ عمار اور فقہا کا گروہ تھا جن کو ہشام بن عبدالرحمن الداخل کے عہد سے سیاست اور امور سلطنت میں خاص درجہ اور دخل حاصل ہو گیا تھا اور حکم ادا کی تمام تدبیریں اور کوششوں کے باوجود ان کا اثر و اقتدار اب بھی ہمہ گیر تھا عوام کی نفروں میں ان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ اور ایسے نشوونما کے دور میں جبکہ اندلس میں اسلامی حکومت کا مستقبل تاریک نظر آتا تھا علماء اور فقہا ہی سے امید کی جاسکتی تھی کہ وہ آفات و مشکلات کا صحیح اندازہ کر کے مسلمانوں کے سکھنے ہوئے شیرازہ کو متحد اور مضبوط بنانے میں حصہ لیں گے اور مسلمانانِ اندلس کی دُستی ہوئی کشتی حکومت کو سہارا دیں گے لیکن وہ امیر عبداللہ سے اس قدر نالاں اور ناراض ہو گئے تھے کہ انھوں نے

اپنے خطبوں میں اور وعظوں میں حکومت پر لعنت و ملامت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور اپنی تندید آمیز تقریریں سے کہ سلطنت اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر ختم ہونے والی ہے مسلمانوں کو اور بھی زیادہ ہست ہمت بنا دیا تھا اور اس طرح حکومت کا رہا سہا اثر و اقتدار بھی ختم ہو گیا تھا۔

بنو امیہ اور مسلمانان اندلس کے دیرینہ دشمنوں کے لئے یہ موقع نہایت ہی غنیمت اور بہتر تھا۔ ملک کا اتحاد ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ علامہ ابن خلدون کے الفاظ میں ”شروفساد اور عصیان و بغاوت کی آگ میں جل رہا تھا“ عربوں کی قومی عصبیت سبکیاں لے رہی تھی اور سلطنت چھوٹی چھوٹی کمزور مگر خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی جن میں سے ایک بھی اس قابل نہ تھی کہ وہ لیون کے عالم، سفاک اور پرجوش عیسائیوں کی ترک و تار سے اندلس کو محفوظ و مامون رکھ سکے عیسائی اب اسلامی اسپین کو ایک بے دست و پایا بے بال و پر شکار خیال کرنے لگے تھے جو کبھی بھی ان کے پنجوں سے نہ بچ سکیگا۔ برٹنسر ڈوزی کے الفاظ میں ”جنوبی اقطاع اسپین کو جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے عیسائیوں نے اس نظر سے دیکھا شروع کر دیا تھا جیسے قزاق اور لیٹھے مسافر کے مال کو دیکھتے ہیں..... ان کے بادریوں نے جن کے وہ بے انتہا معتمد تھے یہ سمجھا دیا تھا کہ ”آسمانی بادشاہی“ میں شریک ہونے کے لئے مسلمانوں سے لڑنے سے بہتر کوئی دسیہ نہیں۔ اندلس یعنی اسپین کے جنوبی علاقے جو بہت دودھنند ہیں اور مسلمانوں کے قبضے میں ہیں ان کو لوٹنے میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں حاصل ہوں گی۔ برخلاف اس کے مسلمانوں کے دینی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں نے حکومت و سلطنت کے زوال اور خاتمہ کی دلخراش پیشبینگیوں سے حکومت کا وعبہ

دوباب بھی ختم کر دیا تھا طوائف المسلمو کی مارکیا، مدغم ایجنز اور اسی سارے ملک پر چھائی ہوئی تھی اور مقتدایانِ دینی کے الفاظ میں ہر شخص اس وقت کا منتظر تھا جب "اسیر لشکر ابن حفصوں بڑی ناک بیج چہرے والا قرطبہ کے پھانگوں کے سامنے آ موجود ہوگا اور اس کی (اندلس اور قرطبہ) کی منحوس تقدیر کا فیصلہ ہو جائے گا۔

مسلمانانِ اندلس کی عظمت و اقتدار کا چراغ بے روغن ہو چکا تھا۔ اور اس کی ٹمٹمی ہوئی کو کو خاموش کرنے کے لئے بادِ مخالف کے صرف ایک جھونکے کی ضرورت تھی۔ عرب دہرہ، مسلمان اور عیسائی سب اس وقت کے منتظر تھے جبکہ قرطبہ کی چوٹیوں پر سے ہلائی ٹم اُتار کر ابن حفصوں کا صلیبی پرچم لہرایا جائے۔ طارق ابن زیاد کے روشن کتے ہوئے چراغ حکومت کو بجھانے کے لئے اس سے بہتر وقت اور موقع نہیں ہو سکتا تھا ہسپانوی عیسائیوں کو موسیٰ ابن نصیر کے ہاتھوں جو ذلت اور شکست اٹھانی پڑی تھی اس کا بدلہ لینے کا وقت آگیا تھا۔ ہشہاشہشت کی سرزد شانہ جدوجہد کے بعد اب انھیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں گے اور اسپین میں پھر سے عیسائی پرچم گاڑ دیں گے بقول پروفیسر ڈوزی اب ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ کیا اسلامی اسپین ان کے پیچھے سے کبھی بچ سکے گا اگر وہ پچ گیا تو پھر عیسائیوں کی تقدیر ہمیشہ کے لئے پھوٹ جائے گی۔

عبدالرحمن کی تخت نشینی | میں! ایسے بحر ان کے دور میں جبکہ ملک کی اخلاقی اور مالی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی اور ہر طرف لوٹ مار، بد امنی اور بغاوت کا دور دورہ تھا اکتوبر ۹۱۲ء میں امیر عبداللہ کا انتقال ہو گیا اور اکتیس سال کی زعمریٰ میں عبدالرحمن سربراہ آئے سلطنت ہوا ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت دیکھتے ہوئے ایک کم سن اور نو عمر دانشور بہ کارِ خلیفہ کو تخت پر ممکن دیکھ کر کسی کو یہ وہم دگمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسپین کی کابالیت کر دے گا۔ نوجوان امیر

کے لئے دولتِ قرطبہ بھولوں کی سیج نہ تھی بلکہ دہکتی ہوئی آگ کی بھٹی تھی مگر بقول لین پول ایک بڑا بادشاہ ایک بڑی مزدورت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے جب قوم ہمدرد پریشان ہو جاتی ہے جب زمانہ کے ہر خط و خال سے خرابی کے آثار ٹپکنے لگتے ہیں اور افق پر بربادی اور خسرت کے آثار دکھائی دیتے ہیں تب ایک بڑا بادشاہ اس لئے آتا ہے کہ اپنی قوم کو ہلاکت سے بچائے۔ امن و خوشحالی پھیلاتے اور ایک ایسے ملک پر حکمرانی کرے جو اس کی کوششوں سے دوبارہ خوش و خرم اور خوش حال بن گیا ہو۔ دسویں صدی کے آغاز میں اندلس کو ایسے حکمران کی سخت مزدورت معلوم ہوئی تھی۔“

نئے امیر کی خوبیاں | نوجوان عبدالرحمن میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جو دلوں کو موہ لیتی ہیں ظاہری حسن و دلکشی کے علاوہ وہ باطنی اوصاف سے بھی مزین تھا۔ امیر عبداللہ کو اپنے پوتے سے خاص انسیت اور محبت تھی عظیم شاہزادے کی تربیت اور پرداخت میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی.....

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے یورپ کا کوئی ملک اسپین کا ہم پلہ نہ تھا اور قرطبہ تو علوم و فنون کا مرکز و مخزن تھا جس کے علماء و حکماء کا چار دانگ عالم میں شہرہ تھا جن کی تنظیم و حکمران کے لئے خلیفہ تک اٹھ کھڑے ہوتے تھے عبدالرحمن کی خوش نصیبی تھی کہ دادا کو اس کی تعلیم و تربیت میں خاص دلچسپی رہی۔ اپنی سنجیدگی و ممانعت، زود فہمی و ذہانت سے عبدالرحمن نے بہت ہی جلد علماء و اساتذہ کی نظروں میں خاص عزت و وقعت حاصل کر لی تھی۔ اس کے حسنِ اخلاق، عزم و استقلال رائے اور سیاسی معاملات میں دقت نظر کی بنا پر ارکانِ سلطنت اس کے گردِ دیدہ ہو گئے تھے۔ مردت و سخاوت اور محبت و بہادری کی وجہ سے وہ عوام میں نہایت ہی مقبول ہو گیا تھا۔ غرض کہ عوام و خواص سب ہی اس کی فہم و شعور اور استقلال و اظہارِ انری

کے قائل و شاگرد تھے۔ اس کی ہر طبقہ و فرقہ میں انتہائی ہر دہلویزی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عام تاریخی روایات کے خلاف تمام دعویداران سلطنت نے جن میں اس کے چچا اور دوسرے بزرگ بھی شامل تھے نہایت ہی خذہ پشائی اور خوش دلی سے اس کو اپنا امیر تسلیم کر لیا صرف یہی نہیں بلکہ بغاوت کو فرو کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں نہایت ہی خصوص اور عالی و صلی سے اس کے ساتھ تعاون بھی کیا اس کی تخت نشینی سے ہی مردہ دلوں میں بھر جان پڑ گئی تھی اور خیر خواہان دولت امیہ کو امید پیدا ہو گئی کہ شاید بنو امیہ کی تقدیر کا پانہ ملبٹ جائے اور عہد رفتہ کی عظمت و اقتدار دوبارہ عود کر آئے حالات اور نزاکت زمانہ کے لحاظ سے امیر فسطح کی کامیابی کے لئے جن حربوں کی ضرورت تھی حسن اتفاق سے عبدالرحمن ان سب صفات سے آراستہ تھا وہ غیر معمولی طور سے بلند نظر، مستقل مزاج، بہادر اور یربار تھا۔ اس کی فہمینی، کشادہ دلی، اور اخلاق شاہانہ سے لوگ نہایت خوش اور مطمئن تھے اپنی زہ مزاجی اور نیکی کی وجہ سے تخت نشینی سے قبل ہی رعایا کے دلوں کو اس نے سمجھ کر لیا تھا اس کی غیبیوں کی بنا پر جو عالم جوانی میں ظاہر ہو چکی تھیں عوام و خواص سب کو امید تھی کہ عبدالرحمن کی تخت نشینی سے اندلس کی تاریخ میں ایک نئے دور اور باب کا آغاز ہو گا۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عبدالرحمن کو ایسے مشکلات اور مصائب سے دو چار ہونا پڑا کہ عبدالرحمن الداخل کے جانشینوں میں اب تک کسی امیر کو ان سے سابقہ نہ پڑا تھا یہ مشکلات ایسی نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے صرف بنو امیہ کا اقتدار ہی معرضِ خطر میں ہوتا بلکہ اندلس میں عربوں اور اسلام دونوں کی زیست و بقا کا سوال تھا۔ اس کو نہ صرف بغاوتوں اور فتنوں کا قلع قمع کرنا اور سبجری لشیروں اور قزاقوں کو سخت سزائیں دے کر راستوں کو محفوظ کرنا تھا بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ خود مر جاگیر داروں اور زمین ناشناس مسافروں کی طاقت کو سلب

کر کے ان کی ناشائستہ حرکات اور ظلم و ستم کا اظہار اور پورا انتظام حکومت کو بھی درست کرنا  
نفاذ ملک کی اخلاقی اور سیاسی حالت کے علاوہ تجارت کو بھی فروغ دینا تھا اور سب سے بڑھ  
کر ابن حفصوں کی اس میں سالہ تحریک بنیاد کو بھی ختم کرنا تھا جس نے بنو امیہ کی حکومت  
کی جڑوں تک کو ہلا دیا تھا۔

داخلی حکمت عملی | نوجوان امیر کو نہ صرف باغیوں اور غورنش انگیزوں کا مقابلہ اور استیصال کرنا  
تھا بلکہ سب سے اہم اور مشکل مسئلہ عام رعایا کی تالیف و تلوّب تھی جو امیر عبداللہ کی تلون فزاجی  
اور بے موقع نرم و گرم پالیسی سے نادم اور سزاوار ہو چکی تھی۔ حکمران کا اصلی سہارا ملتے عامہ کے  
علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی بلکہ قبول ہیوم قوت اور طاقت دراصل محکموں کے ساتھ  
ہوتی ہے۔ عبدالرحمن نے فیصلہ کیا کہ جب تک عوام کی تائید اور حمایت اس کو حاصل نہ ہوگی  
اس کی حکومت کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم نہ ہو سکیں گی اس لئے سخت نشین ہونے ہی نوجوان  
امیر نے وہ کام کرنے شروع کیے جن سے عام لوگ گردیدہ اور فرمانبردار ہو جائیں اور ان  
کی امیر قریب سے منافرت و مخالفت باقی نہ رہے سب سے پہلا کام جو عبدالرحمن نے کیا وہ  
فکیسوں اور محصلوں میں کمی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے امیر عبداللہ کی کمزور اور پیچیدہ پالیسی  
کے بجائے ہمت اور صاف گوئی سے کام لینا شروع کیا عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے اس  
نے یہ واضح کر دیا کہ اسے صرف زبانی وفاداری، خالی بطن کے خراج اور رسمی تدارک کی ضرورت  
نہیں بلکہ وہ حقیقی فرمانبرداری کا طالب ہے مجھے فواج کی نہیں تلووں اور شہروں کی ضرورت ہے  
جو لوگ اطاعت قبول کریں گے ان کو پوری معافی دی جائیگی جو اگر میں گے ان کو قابل عبرت سزا  
ملے گی۔

پردہ صرف الفاظ پر ہی تارنہ رہا بلکہ بہ نفسِ نفیس خود میدانِ عمل میں آیا اور باغی علاقوں

کی تسخیر کے لئے فوج کشی کی چونکہ اس کی باقت و قابلیت، ہمت و بہادری، انصاف اور عدل پروری کا شہرہ عام ہو چکا تھا اس لیے باغی شہروں اور سرکش سرداروں نے بلا کسی مزاحمت کے امیر کی اطاعت قبول کر لی اور امان و عفو کے طالب ہو گئے۔

باغی علاقوں کا سکون | سبقت کرنے والے شہروں میں ایسی جا - جہن - آرچی دونا اور الویرا خاص طور سے ممتاز تھے۔ کیونکہ انہی بڑے بڑے شہروں کی تنگ حرامی سے تمام سلطنت میں آفت برپا ہو رہی تھی، لیکن صوبجات الویرا اور جہن کے باغیوں نے اپنی بہادری اور کوشہنی علاقوں و قلعوں کے زعم میں امیر کے اعلان کی پرواہ نہ کی۔ ان کو یہ خیال اور یقین تھا کہ ان کے قلعے ناقابل تسخیر ہیں۔ سیرانیواڈا - اور سیرانیواڈی دونا کے کوشہنی علاقوں میں شاہی افواج اور علم دیکھے ہوئے لوگوں کو ایک مدت ہو گئی تھی۔ اور حکومت کا رعب خاک میں مل چکا تھا ان کوشہنی علاقوں کی تسخیر میں عبدالرحمن نے اپنی بیدار مغزی اور سیاسی تدبیر کے ساتھ ساتھ جرأت و استقلال کا بھی ثبوت دیا حکومت کا اقتدار از سر نو قائم کرنے کے لئے آزمودہ اور دفا دار فوج مفتوحہ علاقوں میں تعینات کی۔ اور عادل و منصف حاکم مقرر کیے جو بلاشبہ مذہب و ملت اور بغیر کسی دروغاریت کے اپنے فرائض انجام دیتے عوام کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا امیر کے مربیانہ اور منصفانہ طرز عمل نے عوام کو اس کا گردیدہ بنا دیا اور وہ کئی باغی جو امیر عبداللہ کی جابرانہ پالیسی کی وجہ سے آخری قطرہ خون تک مقابلہ و مقابلہ کے لئے تیار تھے عبدالرحمن کی اطاعت و دفا داری کا حلف اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے اس طرح اس کی فیا منی - فراہنی اور بردباری کی وجہ سے صرف تین ماہ کی مختصر مدت میں الویرا اور جہن کے صوبوں میں اس کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی۔ ایک عقلمند، سیاست داں اور درویش دامن حکمران کی طرح عبدالرحمن نے صرف باغیوں کو کچلنے اور بنادت فرو کرنے پر ہی اکتفا نہ کی



ملکہ وہ صحیح معنوں میں نظام حکومت کی اصلاح، استواری اور دولتِ قرطبہ کے زائل شدہ  
 وقار کو دوبارہ قائم کرنے کا متمنی تھا۔ امیر عبداللہ کی طرح وہ سرداروں اور امیروں کی چابلو  
 اور وفاداری کے بلند آہنگ زبانی وعدوں سے مطمئن نہ تھا ملکہ عبدالرحمن الداخل کی طرح  
 اس کی خواہش اور کوشش بھی کہ سارے ملک میں امیر قرطبہ کی حکمرانی اور فرمانروائی ہو  
 تمام سردار اور جاگیردار جو ہمیشہ فتنہ و فساد پیا کرتے اور امن عامہ میں خلل ڈالنے رہتے تھے  
 امیر کے قابو میں رہیں اور ان کی یہ مجال نہ ہو کہ وہ احکامِ سلطانی سے سربزائی کریں۔ یہ کام  
 نہایت اہم اور مشکل تھا تاہم جس استقلال و تدبیر سے عبدالرحمن نے امراء و افسران کی اصلاح  
 کی وہ اپنی آبِ مثال ہے، چنانچہ جس خوش اسلوبی اور شاہانہ استقلال سے عبدالرحمن  
 نے محمد بن ابراہیم کی ناشائستہ حرکتوں پر مضبوط غبط سے کام لیتے ہوئے اس کی خود سری  
 کا علاج کیا اس سے ہمیں اس کے حیرت انگیز تحمل و تدبیر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرطبہ  
 سے قرونہ جانے ہوئے محمد بن ابراہیم نے کچھ لوگوں کے مویشی پکڑ لیے اور اس طرح  
 اس نے امیر سے اپنی بد دلی اور ناخوشی کا اظہار کیا کہ شبلیہ کی فتح کے بعد اس کو دہاں  
 کا گورنر کیوں نہ بنا باگیا رپورٹ ملنے پر عبدالرحمن نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی  
 اور کہلا یا کہ وہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ قلعوں کے مالک رعایا کا مال لوٹ لیا کرتے تھے۔ اور  
 کوئی ان کا کچھ نہ کر سکتا تھا تم پر فرض ہے کہ جس جس کے مویشی تم نے پکڑے ہیں ان کو  
 واپس کر دو۔ بات سمجھ میں آگئی اور محمد بن ابراہیم نے امیر کی ہدایت کے مطابق واپس گئے  
 معاملہ ختم ہو گیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد خود سری کا سودا بھر سلیمان عبدالرحمن نے شبلیہ  
 دیواروں کو منہدم کر دیا تھا تاکہ آئندہ پھر کسی حاکم کو بغاوت اور سرکشی کا خیال بھی نہ پیدا ہو  
 محمد بن ابراہیم نے خیال کیا کہ اپنی طاقت بڑھانے اور امیر سے انتقام لینے کے لیے اس۔

اچھا موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا اور استبلیہ پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کشی کی مگر شکست کھائی۔ مد گذر سے کام لیتے ہوئے عبدالرحمن نے قرطبہ کے صاحب الشرطہ قاسم بن ولید کلبی کو جو محمد بن ابراہیم کا دوست تھا اس کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ ”دیکھو تم کو پھر منبہ کیا جانا ہے کہ تمہارے خیالات پرانی قسم کے ہیں۔ اب بھی ان سے پرہیز کرو ورنہ منبہ چکا ہے۔“ قاسم نہایت ہی ہوشیار اور ہوشمند آدمی تھا اس نے محمد بن ابراہیم کو امیر کی اطاعت اور قرطبہ میں حاضر خدمت ہونے کے لئے راضی کر لیا۔ فراہڈی اور عالی ہوگی سے کام لینے ہوئے امیر نے بھی اس کا نہایت ہی خوشدلی سے استقبال کیا اور قاسب کبیر کا خطاب دیکر اپنا وزیر بنایا۔

عبدالرحمن کی دور میں اور یکتہ رس نگاہ نے اس بات کا شروع ہی میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر تحریک بغاوت کو فی الواقع کچلنا ہے تو یہ اشد ضروری ہے کہ ریہ کے وسیع زرخیز اور کثیر الماحصل علاقہ کو اپنے قبضہ و اقتدار میں لائے صرف ان شہروں کے فتح کرنے اور ان سرداروں کو مغلوب کرنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ جو باغیوں کی ریشہ و دوانیوں اور چالوں کے زیر اثر امیر کے خلاف حصہ لینے اور سازشوں اور رشورشلوں سے۔ اگر ریہ کے سرکش باغیوں کا قرار واقعی انتظام ہو جائے تو ملک میں شور و فتنہ و فساد کا سلسلہ آپ ختم ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ ریہ کو تسخیر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ اہل قو علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار تھا اور پھر مقابلہ حاکم اور پرورش عیسائی آبادی سے تھا جن کو حب الوطنی کے ساتھ ساتھ مذہبی حمیت و جوش بھی امیر کی مخالفت پر ابھار رہا تھا مگر کوسہان ریہ کی تسخیر میں عبدالرحمن کو اس کی مستقل مزاجی، حسن اخلاق اور عدل و انصاف کی شہرت سے بہت آسانی اور سہولت ہوئی۔ عرب اور عیسائی تمام مودعین

اس بات پر متفق ہیں کہ امیر عبدالرحمن مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے بالکل بری تھا۔ اس کی نظروں میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا بڑا ڈکھا جاتا اور وہ خود عیسائیوں کے ساتھ زراعتی اور فلاحی سے پیش آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی سربراہوں نے بھی بغیر کسی خاص مخالفت اور مزاحمت کے ہتیار ڈال دیئے۔ اور امیر کے مریدانہ و منہجی طرز عمل پر اعتماد کرنے ہوئے اطاعت قبول کر لی صرف قتل و طعن پر محاصرہ و جنگ کی لذت آئی کیونکہ ابن حفصوں وہاں خود موجود تھا لیکن عبدالرحمن کی مستقل مزاجی اور جرات سے مجبور ہو کر ابن حفصوں کو قتل و جھوڑ کر جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا۔

حکمران انقلاب | امیر عبدالرحمن کی خوش فہمی سے ملک میں ایک نیا انقلاب شروع ہو چکا تھا سرکش اور شتر بے ہمار عرب امیروں کا اب کوئی قابل اور بیدار مغز لیڈر نہ تھا۔ سعید بن جعدی کریم بن خلدون اور ابراہیم بن حاج کی وفات کے بعد امراء در و ساء عرب کا شیرازہ منتشر ہو گیا تھا۔ بدامنی و طوائف الملوک سے عوام تنگ آ چکے تھے۔ شہر برس کی مسلسل مجبوزانہ خانہ جنگی اور لوٹ مار کی وجہ سے کافی علاقہ دیران اور تباہ ہو چکا تھا اہلہائے ہرے کھیت اور باغات کی جگہ ملک میں نجبت و ادبار کا دور دورہ تھا تجارت ختم ہو رہی تھی اور تہذیب و تمدن کے برکات یکسر مفقود تھے تباہ کن خانہ جنگی کے باوجود مالی دہائی تھا فصلوں کی تباہی اور زرخیز علاقوں کی بربادی کے علاوہ انہیں اور کچھ مزہ یا نتیجہ حاصل نہ ہوا تھا اندلس میں عربوں کا اقتدار پہلے کی طرح قائم برقرار تھا ملکی آزادی اور قومی حکومت کا خواب منور شرمندہ تعبیر تھا اور مستقبل قریب میں بھی پورا ہوتا نظر نہ آتا تھا ابن حفصوں اور اس کے پیروں عیسائی رفقائے تبلیسی کوششوں، مسلمان سرداروں سے بے اعتنائی و تعزیر کے بنانا، مسجدوں کی بے حرمتی اور ان کی جگہ گرجاؤں کی تعمیر۔ ابن حفصوں کے دربار میں راہبوں کا عروج و اقتدار، ان سب باتوں نے اپنی مسلمانوں کو پریشان کر دیا۔

(باقی آئندہ)

# ابوالمظفر حلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی الکر آبادی)

نام | مرزا عبد اللہ نام تھا۔ ارباب فائز مال گہر سے خطاب کرتے تھے عزیز الدین عالمگیر  
مانی کے خلف اور مرزا الدین جہاں دار شاہ کے پوتے تھے ماں کا نام لال کنور تھا بادشاہ ہند  
ابوالمظفر حلال الدین محمد شاہ عالم ثانی لقب اختیار کیا والدہ کا سایہ بہت کم عمری میں سر سے  
اُٹ گیا تو سوسنی والدہ لڑا ب زینت محل نے سگی ماں سے بڑھ کر پرورش کی مآذ نعیدہ رحمہ اللہ  
پر پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم تربیت | علم سے طبعی لگاؤ تھا عربی، ترکی، فارسی، سنسکرت، ہندی میں استعداد مقول  
بہم نیا پائی خطاطی میں بھی درک تھا تصوف سے تعلق رکھتے تھے سید محمد مراد درویش کے مرید ہو کر  
مولانا فخر الدین سے بھی افادہ کرتے رہے تھے فقور بہت موسیقی میں بھی دخل تھا۔

دلی عہد | علی گہر کو عالمگیر ثانی نے دلی عہد قرار دے لیا تھا عماد الملک غازی الدین کے  
نقشہ سے دلی عہد کو بچانے کے لئے ہجیر اور ہانسی کے پرگنے جاگیر میں دے کر دہلی سے چلے  
جانے کی اجازت دے دی

مالی گہر مال کنور ہے پہنچ کر سلطنت کو وزیر عماد الملک کے دستِ نظم سے  
نجات دینے کے لئے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اس خبر نے وزیر کو متفکر کر دیا اور اس

واقعات عالم شاہی سے شاہ عالم نامہ صفحہ ۵۷۵ سے جوہر نفیر سے تا درات شاہی صفحہ ۲۰

نے زبردستی سے بادشاہ سے شفق بھجوائے ٹلی گوہر باب کے بلائے پر دہلی گئے مگر جہا  
کے کنارے علی مروان خاں کی حویلی میں قیام کیا عماد الملک نے یہ عہدہ کی اور دلی عہد  
کے ممکن کو بھروسہ میں لے لیا یہ بدلت عینا یاد ہو کر بالسنی حصار پہنچے وہاں سے نواب  
نجیب اللہ کی دعوت پر گنجدہ رے کے رستے میراں پور پہنچے نواب نے دلی عہد بہادر کو ہاتھوں  
ہاتھ لیا اور سچاں ہزار روپے تھے ماہوار اخراجات کے لئے نقد رقم نام شروع کیے نجیب الدولہ  
نے بہت ہاتھ پیر مارے رد سہیلوں کو تیار کیا ہاتھوں سے مدد لینا چاہی کہ دلی عہد کو سامنے  
رکھ کر عماد الملک سے اپنا انتقام لے ایک سال تک علی گہران کے پاس مقیم رہے آفرش  
یہاں کوئی صورت نہ بنے ہوئے مدد بھی کھنڈور دانہ ہو گئے ۹ رجادی الاول ۱۲۸۸ھ کے شجاع الدولہ  
نے شاہان شان استقبال کیا۔ اور باجی گھوڑے خیمے ڈیرے سارا امارت کا سامان مہیا  
کر کے سچاں ہزار روپہ کی نذر پیش کی اور اپنے پاس رکھا۔

بنگال کا قسیدہ | بنگال میں نواب سراج الدولہ کی غلبہ انگریزوں نے میر عزیز کو ناظم بنادیا تھا۔  
ابھی کچھ ہی دن نظامت کو گذرے تھے کہ سارا ملک اس کے ہاتھوں تنگ آگیا۔ محمد علی خاں  
الد آباد کے صوبہ دار نے اس موقع سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا بنگال پر خود قبضہ کرے چنانچہ دلی  
عہد کی تاک میں تھا نجیب الدولہ کے قیام کے دوران میں خطوط کئے تھے کہ آپ الد آباد  
آجائے چنانچہ علی گہر اور شجاع الدولہ میں مشورہ ہوئے اور الد آباد پہنچے۔ یہاں محمد علی خاں  
نے لشکر تیار کر رکھا تھا۔ ۷ رجب ۱۲۸۸ھ کو دلی عہد بہادر بنگال کی فتح کے لئے روانہ ہو گئے  
”کرم ناما“ مذی کو بار کیا۔ ابتدائی لڑائیوں میں ان کا پتہ بھاری رہا۔ لیکن انگریزوں کی فوج  
کی آمد کی خبر نے محمد علی خاں کو دل برداشتہ کر دیا مالی گہران سے بے خبر تھا کہ میراٹھ مادہ حقیقت  
اب جعفر سے نہیں ہے مگر ایک نئی اور بالکل اچھی قوم سے ہے جس کی قوت عقلی اور حکمت

قوی کا کبھی اندازہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس غلط فہمی کے باعث جب شاہی لشکر اور حنفی کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو موقع کی نزاکت دیکھ کر عالی گہر نے محاصرہ چھٹا لیا اور ۲۵ ذی قعدہ ۱۱۸۵ھ کو دیوان کند پور میں فروکش ہو گئے۔

## السیٹ انڈیا کمپنی

انگریزی اقتدار [فرخ سیر کے عہد میں] عیاں کہ بیشتر لکھا جا چکا ہے السیٹ انڈیا کمپنی کو بنگالہ میں اترتیس گاؤں کی زمینداری خریدنے کی پروانگی مل چکی تھی اور کلکتہ کے پریسبٹ کی دستک سے جو مال روانہ ہوا کرتا تھا محصول کی غرض سے اس کی تلاش موقوف ہو چکی تھی اس کے بعد سید دربار بکمپنی نے مال منگوانا اور بلا محصول روانہ کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اس کے سازشی طور پر غیروں کا مال بھی اپنی دستک سے بھیجے لگے اس حرکت سے ناظم بنگالہ کی آہنی میں نقصان کثیر واقع ہوا اس نے ناراض ہو کر زمینداروں کو اشارہ کر دیا کہ کوئی شخص انگریزوں کے ہاتھ زمینداری فروخت نہ کرے اس وجہ سے ایک عرصہ تک انگریزوں کو اپنی ذہنی مطلب برآری میں نا کامی رہی جبکہ نواب الہ وردی خاں ناظم بنگالہ نے نقصان کی اور سبب نہ ہونے اور ذکر کے اس کے بھتیجے کا ثبوت اب سراج الدولہ ۱۸ برس کی عمر میں ناظم قرار پایا تو اس سے اور انگریزوں سے اس بنا پر جگڑی کہ اس کے چچا کا دیوان اس سے ٹوٹ کر انگریزوں سے جاملہ اور جب سراج الدولہ نے مانگا تو واپس نہ ملنے پر جنگ چھڑ گئی انگریزوں کو شکست ہوئی بہت سے مارے گئے مداس میں بھی انگریزی اقتدار بڑھ رہا تھا وہاں سے ملک آئی مگر انگریزی فوج کے ساتھ نواب کے نامک کی فوج بھی تھی عجب بھی سراج الدولہ نے انگریزوں کو شکست دی مگر سراج الدولہ کی فوج کے آدمی اس قدم مارے گئے کہ فوج کی خوشی مسیر نہ آئی بعد اس کے ان شرائط پر صلح ہوئی کہ موافق مہد نامہ شاہی کے انگریز اترتیس گاؤں کی زمینداری

لے شاہ عالم نامہ عہ انوار الدین نامہ

خریدیں اور مال بھی اپنی دستک سے روانہ کریں مگر وہ مال صرف اپنا ہی مال ہو۔ چند روز گذرے  
 گئے کہ اور سازش شروع ہوئی الدردی خاں کا دلا و میر جعفر خاں معہ دیوانہ راستے  
دلہور لائے اور بگت سیدھ ہنزاب راتے کے انگریزوں سے مل گیا انگریزوں نے اس کو  
 ناظم بنگالہ بنادینے کے وعدہ پر اُس سے ایک خفیہ عہد نامہ کرا لیا جس میں سرخ الدولہ  
 کے عہد نامہ پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ

”کلمتہ سے دکن عسکری ہنگ کمپنی کی زمینداری سنبھالی جائے فرانسیسی بنگال سے نکال  
 دے جائیں اور دو کروڑ پینتیس لاکھ روپیہ بطور نقصان کے کمپنی کو دیا جائے“

اس عہد نامہ کی سراج الدولہ کو خبر نہ ہوئی اور وہ جعفر سے دل میں صاف رہا  
 اس عرصہ میں انگریزوں نے پھر جنگ شروع کی مگر جب عین لڑائی میں جعفر کی بیوفائی  
 کھلی تو سراج الدولہ کے ہوش جانے رہے اور ساتھ ہی اُس کے سپر اکھڑ گئے۔ اس  
 شکست میں سراج الدولہ کو ناما مایا ہوئی اور ختم کر دیا گیا اس کے بعد سے انگریزوں  
 کے قدم بالکل جم گئے اور حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے۔

میر جعفر کے ایک بیٹا تھا جو اسی زمانہ میں بلی گرنے سے مر گیا اب جعفر کے داماد  
 قاسم علی خاں نے وہ کارروائی شروع کی جو سراج الدولہ کے خلاف اس کے حشر میر  
 جعفر نے کی تھی انگریزوں سے اندر ہی اندر سازشیں ہونے لگیں اور وہی پرانا طریقہ کام  
 میں لایا گیا کہ عہد نامہ سابق پر پچیس لاکھ روپیہ نقد اور بدوآن - میدنی پور اور جٹ گاؤں  
 کی زمینداری کا اضافہ کرنے کے بعد انگریز جعفر کو جھوڑ کے قاسم کے معادن دمدوگار  
 بن گئے اس میں لارڈ کلائیو کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے۔ جعفر کو اصل حال سے خبر نہ تھی  
 قاسم کی نظر بھری دیکھ کر انگریزوں کے پاس مشورہ لینے گیا۔ دہاں جعفر قید کر لیا گیا

اور قاسم علی خاں ناظم جنگاں مشہر کر دیا گیا میر قاسم نے اپنے عہد حکومت میں عہد نامہ کی تمام دفعات پر عمل کیا مگر کمپنی کی ضرورتیں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

عالی گہر کی تخت نشینی | عالی گہر نے ۲ محرم ۱۱۷۱ھ کو دوبارہ بہار کی طرف رخ کیا سون دریا کو عبور کر کے کھٹولی میں قیام کیا۔ ۸ ماہ بعد دہلی سے خبر ملی کہ مراد الملک نے ۸ ربیع الاول ۱۱۷۱ھ کو عالمگیر ثانی کو شہید کر دیا۔

دولت خواہوں کے مشورہ سے ۴ جمادی الاول ۱۱۷۱ھ کو عالی گہر نے کھٹولی میں شاہ عالم کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

### تاریخ جلوس

زہے شاہ عالی گہر عدل گستر بافتاح و تخت و نگین شد مسلم  
بروں آر سال جلوس ہمایوں ز سلطان ہند و ستاں شاہ عالم  
(اراداد علی ذکا)

نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو خیر خواہی کے صلے میں پہلے کو امیر الامرائی اور دوسرے کو وزارت کا فلت ار سال کیا اور میر الدولہ کو احمد شاہ ابدالی کے دہار میں سفیر کر کے بھیجا۔

رسومات جشن جلوس سے فراغت پا کر لشکر نے حرکت کی رام رائے نے آگے بڑھ کر ناکہ روکا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی اور عینی ہو کر پٹنہ میں محصور ہونا پڑا۔ بادشاہ کا فوج نے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا۔

کمپنی نے اپنی فوج راہ کی مدد کے لئے بھیجی سال بھر تک جھڑ میں رہیں آخر میں

شاہ عالم نامہ صفحہ ۹۰ سے مفتاح التواریخ ص ۲۲۲ شاہ عالم نامہ



کامیابی انگریزوں کو ہوئی جمادی الاول ۱۱۷۷ھ میں بدشاہ نے موسیٰ لافزاسی کی  
معاونت سے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور ٹپے کے کشت خوں کے بعد اپنے کو انگریزوں کے  
حوالے کر دیا انگریز سردار انھیں لے کر اپنے چلے آئے اور طعن میں ٹھہرایا۔

بادشاہ پھلی جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور ربیع الاول ۱۱۷۷ھ کو میر حنفیہ کا  
واماد میر قاسم جو بنگال کا ناظم مقرر ہو چکا تھا وہ بادشاہ کے پاس پہنچ آیا اور جو بیس  
لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر بادشاہ سے نظامت کی سند حاصل کر لی؟  
مگر انگریزوں نے اپنی دستک سے اپنا اور گشتوں اور دیگر قوم کے ہندو  
کا مال رونا کرنا شروع کر دیا جس سے قاسم کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ برباد ہونے  
لگا پہلے تو اس نے انگریزوں سے شکایت کی مگر جب کسی نے نہ سنی تو اس نے سرے  
سے اس محصول ہی کے بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ جب تمام اقوام کے تاجر کو محصول کی  
معافی ہو گئی تو انگریزوں کی دوسروں سے اندر زنی طور پر محصول وصول کرنے والی دست  
بر دجائی رہی میر قاسم علی کو بے رحمی سے دیکھا اور دھمکیا کہ سب سے ہماری قوم کے دوسری  
قوموں پر محصول معاف نہ ہونے پائے۔

الہ آباد کا قیام | منیر الدولہ احمد شاہ درانی کے پاس سے واپس آیا اور سلطنت کی سبالی کا  
خزہ سنایا۔ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ نے اسد علی الہ آباد آکر مقیم ہوں بادشاہ  
خود انگریزوں کی نگرانی سے بنچا چاہے تھے آخر شوال ۱۱۷۷ھ کو پٹنہ سے روانہ ہو گئے اور  
ذیقعدہ کو شجاع الدولہ استقبال کے لئے حاضر ہوئے۔ شرف قدوسی حاصل کیا  
اور ۱۷ رومی الحجہ ۱۱۷۷ھ کو الہ آباد لے آئے یہاں شجاع الدولہ ان پر مسلط ہو گیا۔

لے دیا چہ نادرات شاہی

دو ڈھائی سال شجاع الدولہ شاہ عالم کو لے پھر امرتسوں سے ہندیل کھنڈ میں مدبھیٹر  
ہوئی۔ وہ عہد میں شکست پا گئے۔ بادشاہ دذیر کی ترقی کی بہاریں دیکھ رہے تھے  
فلعت دذارت شجاع الدولہ کو مرحمت کیا جھانسی کا قلعہ فتح کر کے الہ آباد آ گئے۔

مکسبر کی جنگ | میر قاسم کی انگریزوں سے چل گئی تھی ہردو میں آخرش مقابلہ ہوا شکست  
پاکر شجاع الدولہ کے پاس الہ آباد آیا۔ وزیر نے بغاوت استعانت اور بیاطن بنگال پر  
اپنا قبضہ جانا چاہتا تھا۔ بادشاہ کے پرچم کے نیچے عظیم الشان لشکر اکٹھا کیا اور بنارس  
کی طرف انگریزوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ کو مکسبر میں قاسم اور شجاع الدولہ کی فوج نے  
مل کر انگریزوں سے جنگ کی جس میں کثرت سے انگریز کام آئے یہ ملک جو ادودھ  
سے آئی تھی اس میں بسبب اس کے کہ بنارس ماتحت ادودھ تھا ہمارا بنارس بھی شریک  
تھا جب موقع جنگ میں انگریزوں کی حالت ابتر ہونے لگی تو انھوں نے ہمارا بنارس  
کو توڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے آقا کی فوج میں بے لڑے انگریزوں کو گھس  
آنے دیا اور یہی جنگ مکسبر کی جنگ کے فائدہ کا باعث ہوئی۔

شجاع الدولہ جان بچا کر نوابانِ روہیل کھنڈ کی خدمت میں آگیا یہاں اُن کی  
بڑی خاطر مدارات ہوئی۔ اب بادشاہ بے یار مددگار تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو  
انگریزوں کی حفاظت میں دے دیا۔ اور الہ آباد و الیس چلے آئے

”مکسبر کی لڑائی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر گئی اب تک انگریز ہندوستان  
میں تجارت کرتے تھے اس فتح کے بعد تین بڑے صوبوں کے حاکم بن گئے۔

لہ سیر المتاخرین صفحہ ۷۰

شجاع الدولہ اور انگریز | شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ اور ۴۴ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کے دو صوبے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد شاہ عالم کی جاگیر میں دئے جانے پر صلح کر لی بادشاہ کا قیام الہ آباد میں برقرار رکھا گیا۔

اس عرصہ میں میر تقی میر کے بجائے میر جعفر دنیا سے جل با انگریزوں نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کو مسند نشین کیا اب گذشتہ عہد ناموں پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ نائب صوبہ انگریز کے مشورہ سے مقرر ہوا کرے گا اور بلا اجازت اُن کے موقوف نہ ہو سکے گا۔

غرض کہ چند روز تک انگریزوں نے اپنا آدرش نائب صوبہ بنا کر اس جھگڑے کو بھی الگ کیا صرف نجم الدولہ برائے نام ناظم رہے ۲۶ لاکھ سالانہ میر جعفر کی طرف سے شاہ دہلی کو جانا تھا خود برابر اور بدستور وعدہ بہار اور سیسر بنگال کی دیوانی کا فرمان ۲۴ صفر ۱۱۶۹ھ کو حاصل کر کے نظامت کا جھگڑا بھی ختم کر دیا۔

شاہ عالم الہ آباد میں سلطنت کر رہے تھے مگر ان انگریز تھے اور اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کھانے کے شجاع الدولہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ سات برس بادشاہ الہ آباد میں رونق افروز رہے۔ امراتہ نے رنگ رلیوں

میں لگا کر جی بھلانے کا سامان مہیا کر دیا

### بادشاہ کی دہلی میں تشریف آوری

عیش و عشرت کی ہائری الہ آباد میں بج رہی تھی کچھ دن بعد دل گھبرا گیا دلی جانا چاہتے تھے تخیب الدولہ نے مرہٹوں سے دو آبے کے کچھ ضلع دے کر صلح

نے سیرالتاویں

کر لی تھی کیونکہ مادموراؤ پیشوا ۸۰ ہزار فوج سے جاؤں پر اگر اجواہر سنگھ راجہ بھرت پور  
مرچکا تھا کچھ دن ہوئے تھے تو اس سنگھ گدی نشین ہوا تھا اس کو شکست دیتا ہوا ۱۸۳۸ء  
میں دہلی آیا اور سکھ دو آبے میں لوٹ بچار ہے تھے اس بنا پر نجیب الدولہ نے مرہٹوں  
کی مدد حاصل کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی تھی تھوڑا عرصہ نہ گذرا تھا کہ جب ۱۸۳۸ء  
کو نجیب الدولہ انتقال کر گئے مرہٹوں نے پورے ملک پر حکومت کرنے کا پھر منصوبہ بنایا  
تجزیہ کہ شاہ عالم کو فی الحال ہاتھ میں لیا جائے اور درخواستیں آنے لگیں کہ آپ اپنی موردنی  
راج دہانی کو چھوڑے ہوئے کیوں الہ آباد پرے ہیں ضابطہ خاں غلط نجیب الدولہ مرہٹوں  
کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر دہلی چھوڑا اپنے علاقہ کو چلے گئے۔ بادشاہ کے منہ میں بانی ہوا  
انگریزوں اور شجاع الدولہ دونوں کی مرضی کے خلاف دلی روانہ ہو گئے فرخ آباد انترقیم  
ہوئے یہاں مرہٹہ سردار اگر قدم بوس ہوئے تو اب فرخ آباد نے نذرانہ پیش کیا وہ منظور  
کرتے ہوئے ۲۹ رمضان ۱۲۵۸ھ بمطابق ۱۸۴۳ء دہلی میں تشریف فرما ہوئے

ذاب ضابطہ خاں | مرہٹوں کی راہ میں ضابطہ خاں ایک زبردست کاشا تھا سمجھتے تھے یہ روہیوں  
کا بڑا سردار بھی ہے لہذا انھوں نے شاہ عالم کو انھاراکہ ضابطہ خاں پر حملہ کر دینے کی ضرورت  
ہے بادشاہ ان کے ہاتھ میں کھیں رہا تھانہ تو اس کو اس کی پرواہ تھی کہ یہ جماعت حکومت غلیہ  
کی درپے ہے اور اس سے زیادہ نجیب الدولہ کے جراحات تھے وہ سب بالائے طاق  
رکھ کر خوشی سے روہیوں کے تباہ کرنے کے ارادہ سے اپنی فوج لے کر روانہ ہو گئے  
اس فوج کشی کا ضابطہ خاں مقابلہ نہ کر سکا سکھ نال میں قلعہ بند ہوا اس کے بعد شجاع الدولہ  
کی تباہی میں گیا۔ مرہٹوں نے فائدان نجیب الدولہ کے جہاد اذیچوں خوردوں تک کو بکڑ کر قید کیا

لے دقاع عالم شاہی دالست انڈیا کمپنی کار بیلڈ

مال اسباب لوڈیاد شاہ عالم اپنے سامنے محذرات روہیلہ کو ذلیل و خوار ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔  
غوث گدھ کے علاوہ پورا سہانپور کا علاقہ بادشاہی قبضہ میں چلا گیا بادشاہ ۱۰ ماہ بیچ لالہ  
۱۸۶۷ء میں فتح دھام لائی کا پرچم اڑاتے ہوئے شہر میں روٹی افروز ہوئے تھے

مرہٹہ کامیاب ہوئے مگر انھوں نے مال میں سے بادشاہ کو کچھ حصہ نہ دیا آخر کار  
بادشاہ نے کچھ سوچ کر نوں سنگہ جاٹ کی سرکوبی کو ان مرہٹوں کو روانہ کیا اور مرزا نجف خاں  
ایرانی جو اپنے بھائی دوسیلوں کو تباہ و برباد کرنے میں مرہٹوں سے زیادہ بازی لے  
گیا تھا اس کو تختی فوج مقرر کیا مرہٹوں سے نجات کی صورت بادشاہ نے یہ نکالی تھی مرزا  
نجف خاں نے منسل فوج کی بھرتی شروع کی مرہٹے تارگے انھوں نے فوراً ہی ضابطہ خاں  
سے ساز باز کر کے محفل تادان کے بدلے میں امیر الامرائی دلائے کا وعدہ کر لیا۔ بیکوچی جاؤں  
کو نظر انداز کر کے دہلی آیا اور بادشاہ سے خواہش کی کہ ضابطہ خاں کو امیر الامرا بنایا جائے  
بادشاہ مال منول کرنے لگے بزورِ شمشیر مرہٹوں نے ضابطہ خاں کا قصور بھی معاف کر دیا اور  
جاگیر اور امیر الامرائی بھی دلوائی بادشاہ لاچار تھے اور ان کے اشارے پر چل رہے تھے  
۱۸۶۷ء میں بادشاہ سے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کی سند جاگیر داری بھی اپنے حق میں  
لکھوائی اس کے بعد مرہٹوں نے ہاتھ پیر نکالے روہیلہ کھنڈ پر ان کا نزلہ ڈھلاوٹ مار

۱۸۶۷ء میں امیر الامرائی دلائے کا وعدہ کر لیا۔ بیکوچی جاؤں کو نظر انداز کر کے دہلی آیا اور بادشاہ سے خواہش کی کہ ضابطہ خاں کو امیر الامرا بنایا جائے  
بادشاہ مال منول کرنے لگے بزورِ شمشیر مرہٹوں نے ضابطہ خاں کا قصور بھی معاف کر دیا اور  
جاگیر اور امیر الامرائی بھی دلوائی بادشاہ لاچار تھے اور ان کے اشارے پر چل رہے تھے  
۱۸۶۷ء میں بادشاہ سے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کی سند جاگیر داری بھی اپنے حق میں  
لکھوائی اس کے بعد مرہٹوں نے ہاتھ پیر نکالے روہیلہ کھنڈ پر ان کا نزلہ ڈھلاوٹ مار

۱۸۶۷ء میں امیر الامرائی دلائے کا وعدہ کر لیا۔ بیکوچی جاؤں کو نظر انداز کر کے دہلی آیا اور بادشاہ سے خواہش کی کہ ضابطہ خاں کو امیر الامرا بنایا جائے  
بادشاہ مال منول کرنے لگے بزورِ شمشیر مرہٹوں نے ضابطہ خاں کا قصور بھی معاف کر دیا اور  
جاگیر اور امیر الامرائی بھی دلوائی بادشاہ لاچار تھے اور ان کے اشارے پر چل رہے تھے  
۱۸۶۷ء میں بادشاہ سے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کی سند جاگیر داری بھی اپنے حق میں  
لکھوائی اس کے بعد مرہٹوں نے ہاتھ پیر نکالے روہیلہ کھنڈ پر ان کا نزلہ ڈھلاوٹ مار

غازنگوی کا بازار گرم ہو گیا۔ یکایک نارائن راؤ پیشوا کے مرنے کی خبر نے مرہٹوں کو ٹھکر مند کر دیا وہ روسیوں سے صلح کر کے دکن جانے کو پھرتے بادشاہ سے من مانی شرائط منوا کر دکن گئے۔

ذوالفقار الدولہ نجات خاں ایرانی | مرزا نجف خاں کے دن بھر سے یہ ایران سے آکر محمد قلی خاں صوبدار آباد کا ملازم رہا اس کے بعد میر قاسم کا متوکل بنا میر الدولہ کے توسط سے آباد میں شاہی ملازمت اختیار کر کے دہلی چلا آیا اس نے اپنی بہادری اور تدبیر سے ذوالفقار الدولہ کو اب نجف خاں بہادر غالب جنگ خطاب حاصل کیا۔

پہلے جاؤں کا زور توڑا پھر بادشاہ کی صوب پر ضابطہ خاں کے مقابلہ کو آبا سکھوں اور روسیوں کے متحدہ لشکر سے خونریز جنگ کر کے ۱۱ رمضان ۱۱۹۷ھ کو اب ضابطہ خاں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔

بادشاہ نے مرزا نجف خاں کو روسیوں کی مذکورہ لڑائی تباہی و بربادی کے صلہ میں امیر الامرا اور نائب وزارت کے عہدہ پر سرور رکھا۔ اب نجف خاں نے ہاتھ پیر نکالے ایران سے لوگوں کی آمد شروع ہونے لگی دلی میں چند دنوں کے عرصہ میں ایرانی ایرانی نظر آنے لگے۔ اپنے مسک کی تردید عام کر دی ہے۔ سبھی اسلامی شعائر مٹنے لگے نئے نئے مشغے شروع ہو گئے بے غیرتی بڑھی ہوئی تھی۔

قوم کی حمیت و غیرت نے دوسری کمزور اقوام کو ابھرنے کا موقع دیا۔ سکھوں

مرزا نجف خاں شجاع الدولہ کا رشتہ دار تھا اس نے اپنا نائب وزیر مقرر کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا انگریزوں نے بھی اس کی سفارش کی کہ چونکہ وہ انگریزوں کا ہمنوا مرہٹوں اور روسیوں کا دشمن تھا۔ ادھر اس کو طاؤں کی خود سری ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

ملہ تاریخ ہندوستان جلد ۱ صفحہ ۳۲۴

نے پھر زور باندھا اور دو آجے سے لے کر لاہور تک قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ شاہ عالم نے مجدالدولہ کو ان کے مقابلہ پر بھیجا وہ شکست کھا کر دلی بھاگ آیا۔ مرزا نجف خاں اگر ہ تھا بادشاہ نے اُسے دلی بلایا (۱۹۳۷ء) مجدالدولہ گرفتار ہوا اور اُس کی خدمات مرزا نجف خاں کے سپرد ہوئیں۔

مرزا نجف خاں جہاں اپنوں کے لئے متعصب تھا وہاں شجاع اور بہادر بھی تھا اُس نے سکھوں کی تنبیہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا (۱۹۹۵ء) میر مہتہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ شاہی لشکر حیرت گیا سکھوں کا سردار ۵ ہزار سپاہیوں کے ساتھ کھیت پہا پھر سے لاہور تک کا کل علاقہ مغل حکومت کا ملحق ہوا اور پھر نئے سرے سے سکھ ٹھکانا چنانچہ مرزا آغہ میں ردھیکھنے کی مہمات میں مصروف رہا اس نے اکبر آباد کا قلعہ جاٹوں سے لے کر محمد بیگ بہانی لے کر سپرد کیا جاٹوں کے راجہ رنجیت سنگھ کو اس کا برا داغ تھا اُس نے دس ہزار فوج جمع کی اور سکھوں کو آباد پہنچا دلی میں اس وقت صرف پانچ ہزار سوار اور دو ہتھیار سپاہیوں کی تھیں جن سے اُس کی مدد بھرتی ہوئی۔ شکست کھا کر واپس گیا پھر چین، نہ پرا تو نمرود فرانسس کی مدد سے لے کر آیا مرزا ردھیکھنے سے آگیا تھا وہ ۱۹۳۷ء میں سرکوبی کو روانہ ہو گیا۔ کبریا سے مرزا نجف خاں دس ہزار سپاہ سے آگیا یہاں دلی میں مجدالدولہ عبدالاحد خاں فتنہ عثمان ہاتھ آکھ آصف اللہ نواب وزیر کاوکیل ثافت خاں پانچ ہزار سپاہ سے پہنچ گیا اُس نے مجدالدولہ کی تدبیریں چلنے نہ دی مرزا نجف خاں ہوٹل میں پہنچا وہاں سے جاٹوں کو رگیدتا ہوا دیکھ تک گیا۔ نمرود نے بھی زور لگایا مگر مرزا کی شجاعت سے منہ کی کھائی قلعہ دیگ ۱۹۳۷ء میں مرزا کے ہاتھ آیا چند لاکھ روپیہ نقد اور بہت کچھ اگرہ کی لوٹ کا مال ملا۔ جاٹ بے سرو

بھاگے کھیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ اب جاؤں کے پاس صرف تین قلعہ رہ گئے تھے  
 بھرت پور کی راج گدی خجف خاں کیونکہ رانی نے اس کو بھائی کہا تھا اس بنا پر اس کے ٹوٹے  
 کو عطا کی اور تمام جاؤں کی سستیوں میں داؤد دہش سے اسلام پھیلایا لطف یہ ہے کہ وہ  
 بیشتر سادات کے زمرہ میں شمار کئے جانے لگے۔ وہاں سے لوٹ کر دلی آیا

مرزا خجف خاں کی موت | اس بہاد نے ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۹۷ھ کو انتقال کیا اس کے بعد  
 سے حکومت کا بالکل شیرازہ بکھر گیا اور اس بھوٹ پڑ گئی مرزا کے متوسلین میں سے  
 محمد شفیع خاں اور افراسیاب خاں میں امیر الامرائی کی رسد کشی ہونے لگی یکے بعد دیگرے  
 امیر الامرا ہوئے۔ اس اثنا میں مرزا جو ان سخت دلی عہد نے جو رنگ امر کی چپقلش کا  
 دیکھا خود اس نے چند امر کو موافق کر کے بادشاہ کو ان کے بھندے سے نکالنا چاہا  
 اور امیر الامرا میں کرانتظام سلطنت کرنے لگا بادشاہ سلامت شکرانے کی لادو گانہ ادا کرنی  
 جامع مسجد گئے خیرات و مبرات بہت کی گئی۔ مگر محمد شفیع اور افراسیاب خاں یہ دونوں  
 میل کر گئے بادشاہ بھران کے قبضہ میں آکر شاہ شطرنج بن گیا۔ دلی عہد کو جان بچانا مشکل  
 پڑ گئی۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ کو طوفانی شب میں دہلی سے راہ فرار اختیار کی رام پور  
 ہوئے ہوئے کھنڈ ہوئے

مادھو جی سندھیا | مادھو جی سندھیا اور مرزا شفیع خاں امیر الامراء میں خفیہ معاہدہ ہو چکے  
 تھے کہ وہ دلی پر اقتدار قائم کرے اور امیر الامراء نے پورے طور پر مدد دینے کا وعدہ بھی  
 کر لیا تھا۔ سندھیا ایک بڑی فوج لے کر جمیل کے شمال ہی میں پہنچا تھا کہ اُس نے شفیع کی  
 موت کی خبر سنی۔ سندھیا نے دہلی دربار میں خطوط بھیجے جس میں اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ شاہی  
 لے تاریخ بھرت پور از مولوی رحیم بخش جے پوری قلمی لے مرقع عالم شاہی۔



فائدان کی شان و شوکت کو از سر نو قائم کرنا چاہتا ہے جو ایک جالی پر مبنی تھی اور یہ صورت اپنی ریاست سے قریب میں رکھنے کی پیش کی کہ شاہ عالم مع اپنے دربار کے چلے آئیں جہاں وہ سلطنت کے کاروبار کو مختلف جماعتوں کے اطمینان کے مطابق طے کر سکیں اور اس نے امیر الامرا فراسیاب خاں کو بھی اپنا سمیٹنا بنا لیا۔ فراسیاب نے بلا سوچے سمجھے سندھیا کا آلہ کار بن کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور اس کی موافقت میں بادشاہ کی رائے کو مائل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی شاہ عالم اگرہ جائے پر راضی ہو گئے اور روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں اور مادھو سندھیا بڑھتا ہوا دلی تک آگیا اور فراسیاب کو مشورہ کے لئے بلایا اور خمیہ میں دھوکے سے قتل کر دیا۔

مادھو سندھیا کا انتقال بادشاہ نے پیشوا کو دیکھ لیا اور مادھو گو الیری کو نائب کا منصب مرحمت کیا مادھو جی نے بادشاہ کی کمزوری اور مسلمان امرا کی باہمی شکر رنجوں سے فائدہ اٹھا کر اگرہ سے دہلی تک کے علاقہ پر قبضہ کیا اور بادشاہ کی ۶۵ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی اور تمام امرا کی جاگیریں منبلی میں ملائی گئیں یہ دن تھا جس دن منلیہ حکومت کا چراغ گل ہوا بادشاہ مرید ریاست کے تنخواہ دار کی حیثیت سے راج رہے تھے اور مادھو کے منقب فرما رہے تھے۔

ملک دمل سب کھوٹے کیڑے پتھار گس مادھو ایسی کجیو آدے نم کو جس مسلمانوں میں حکومت کے اس ناگوار واقعہ نے غم و غصہ کی ایک لہر پیدا کر دی اتفاقاً راجہ پرثاب سنگھ دالی جے نگر برسرِ غاش ہوا اس سے لڑنے مادھو سندھیا گیا عین موقع جنگ میں اُس کے سرداروں نے سندھیا کو دھوکا دیا اور اس کو شکست اٹھانا پڑی اور گوالیار کا رستہ لیا۔

# ادبیات اشک

از جناب میر ناصر شریف صاحب تہران

رفتہ آں لالہ روئے دیدم باز      قصہ عشق خود بیاں کردم  
اشکہائے زرد سوز و گداز      از سر ہر مژہ رداں کردم

گفتش اے گل سفید چمن      بر من زار رسم خواہی کرد؟  
یا چو زیبا رخان عنخپہ دہن      سوئے عاشق کنی نگاہ سرد

ہمہ این نالہ ہائے مخروم      حاصل از درد ہائے داغ من است  
این دل بے قرار پُرخونم      شعلہ آتش چراغ من است

نگہم بر نگاہ او افتاد      خوشتن را در آسمان دیدم  
رفتہ از دست ناگہاں داد      پرتوے از خدا در آں دیدم

گفتش دیدہ خون خدا از زیت      از گلِ روئے خود خبر داری؟  
دلِ من خاک شد سیر کویت      بسیر کوئے خود گذر داری؟

گفت غم را بحبانِ من رہیب      از دو دیدہ گہرِ نیبارم  
دلِم از سوزِ عشق آگہ نیست      بخدا دوستِ نیبارم

خاستم تاز جائے بر خیزم      بادے زار و ریش و افسردہ  
مشتِ فاکِ بسرِ سرد ریزم      خاکِ دلدادگانِ دلِ مردہ

دیدم از دیدگانِ محبوم      قطرہ اشکے باز پیدا شد  
آں پر پردی شہر آشوبم      باہماں قطرہ اشک رسوا شد

اے با قلبہائے طوفانی      کہ زباں رازِ آں نگوید باز  
لیک آں دیدگانِ نورانی      رازِ دلدادہ مکتد ابراز

### مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ

جلد اول طبع دوم	جلد دوم	جلد سوم
جلد دوم	جلد سوم	جلد چہارم
جلد سوم	جلد چہارم	جلد پنجم





